بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت اور اس کا دائرہ عمل

مقالہ

جو علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے پیش کیا گیا

نگران تحقیق:
ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر
استاد ادارہ علوم اسلامیہ
جامعہ پنجاب، لاہور

مقالہ نگار:
لیفٹیننٹ کرنل محمد صدیق اے ای سی
شعبہ دینی امور
جی ایچ کیو، راولپنڈی

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور، 1997ء

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت
اور اس کا دائرہ عمل

تشکر و امتنان

میں اپنی اس کاوش کے لئے پاکستان کی بری فوج کا ممنون ہوں کہ جی ایچ کیو نے اس تحقیق پر مامور کر کے مجھے حصول علم کا یہ نادر موقع فراہم کیا۔ اس کے علاوہ میں بالجملہ پنجاب یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ اور بالخصوص رئیسۃ الادارہ محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ اور اپنے راہنما اور استاد ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر صاحب کا نہایت عقیدت سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے چار سال کمال شفقت سے میری ہر مرحلہ پر راہنمائی کی اور اس تحقیق کو تکمیل کے مراحل تک پہنچانے میں میری پوری مدد فرمائی۔

میری تحقیق میں خصوصی تعاون کرنے والے عساکر پاکستان کے چند احباب بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر عمر فاروق غازی، میجر گل نواز، ایئر فورس کے ماسٹر وارنٹ آفیسر (دینی امور) فدا بخش، خطیب سید محمد عبداللہ شاہ اور صوبیدار محمد یعقوب اے ای سی جنہوں نے تحریر و تسوید میں میرا خاصا ہاتھ بٹایا۔

لاہور کی تمام بڑی لائبریریوں کے مسئولین بھی خصوصاً قائداعظم لائبریری اور ملٹری اسٹیشن لائبریری کے جملہ احباب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کے فراخدلانہ تعاون سے تحقیق کا کام آسان ہوا۔ آخر میں مقالہ کو کمپوز کرنے والے صاحبان شہباز مزمل اور اصغر علی کا بھی شکر گزار ہوں جن کی کاوش سے مقالہ کو یہ دلکش صورت ملی۔

مقدمہ

راقم الحروف عرصہ پچیس سال سے پاکستان کی بری فوج کے شعبہ تعلیم اور دینی امور سے منسلک ہے۔ اس دوران دینی تعلیم کی ترویج اور سپاہ کی نظریاتی تربیت کے حوالے سے مختلف حیثیتوں میں کام کرنے اور متفرق جہات سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نظام کا بنظر عمیق مطالعہ کرنے اور اس میدان میں تحقیقی کام کرنے کا شوق اجاگر ہوتا رہا۔

اس شعبہ میں باقاعدہ تحقیق کے لئے میری درخواست کو منظور کرتے ہوئے جی ایچ کیو نے 1993ء میں مجھے ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے منتخب کر لیا۔ میں نے اپنے تحقیقی مقالہ کے لئے مذکورہ عنوان تجویز کیا جسے پنجاب یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ نے 1994ء میں قبول کر لیا۔ چار سال کے عرصہ میں اس عنوان پر تحقیق کرنے کے بعد 1997ء کے اواخر میں یہ مقالہ پیش کیا گیا۔

اس عنوان پر اس سے قبل پاکستان میں کام نہیں ہوا۔ صرف راقم الحروف کے ایم اے ایجوکیشن کے تحقیقی مقالہ کی شکل میں ایک ابتدائی کاوش موجود ہے جو ایک مختصر دورانیے پر محیط بری فوج میں دینی رجحانات کا خاکہ پیش کرتی ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ عساکر پاکستان کے طویل ماضی پر محیط اور زمانہ حال تک پھیلے ہوئے دینی اور نظریاتی تربیت کے ہمہ گیر نظام کا تجزیہ کر کے مستقبل کے لئے جامع نقشہ پیش کیا جائے اور اس جہت میں تمام پہلوؤں پر مواد کو یکجا کر دیا جائے۔

اپنی نوعیت کی اس پہلی کاوش کے خاطر خواہ اور تسلی بخش نتائج مرتب ہوئے ہیں راقم الحروف اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہا ہے۔ کیونکہ اس تحقیق میں ماضی کا تجزیہ ہے، حال کی تصویر کشی کی گئی ہے

اور عساکر پاکستان کے لئے آئندہ موثر نظام تربیت کو جامع شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحقیق کے نئے میدان بھی سامنے آئے ہیں جن کا تذکرہ مقالہ کے آخر میں کیا جا رہا ہے۔

مقالہ نگار

لیفٹیننٹ کرنل محمد صدیق اے ای سی

9 دسمبر 1997ء

8 شعبان المعظم 1418ھ

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت اور اس کا دائرہ عمل

صفحہ نمبر

باب اول

نظریہ، نظریہ اسلام، سپاہ کی نظریاتی اور عسکری تربیت

باب دوم

برصغیر اور پاکستان کے مسلم عساکر کی تربیت میں کارفرما عوامل اور نظریاتی سپاہ پر ایک نظر

فصل اول --- برصغیر کے مسلم عساکر کی تربیت میں جیش عرب، مسلم فاتحین اور دیگر عوامل کا کردار

باب سوم

دینی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے تناظر میں افواج پاکستان کے موجودہ نظام تربیت کا جائزہ

فصل دوم ---- عساکر اسلام کے لئے تربیتی احکامات

فصل سوم ---- عساکر اسلام اور رباط فی سبیل اللہ

فصل چہارم ---- نظریہ پاکستان

باب چہارم

افواج پاکستان کی مروجہ دینی اور نظریاتی تربیت کے ثمرات و نتائج

فصل سوم---- شعبہ ہائے دینی امور کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کے ثمرات و نتائج

باب پنجم

افواج پاکستان کے دینی اور نظریاتی نظام تربیت کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز

فصل اول---- جذبہ جہاد کو تقویت دینے والے عوامل

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت
اور اس کا دائرہ عمل

ابتدائیہ:

پاکستان کے قیام کی بنیاد ایک نظریہ پر یعنی "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" پر ہے۔ اس ملک کی بقا نظریہ اسلام کی حفاظت و مداومت کے ساتھ منسلک ہے۔ افواج پاکستان ملک اور اس کے نظریہ کی محافظ و ضامن ہیں۔ عساکر پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کے ذریعے ہی اس فریضہ کو کماحقہ سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ اور مطلوبہ مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسی لئے اس پہلو پر سیر حاصل بحث کرنے، تربیتی کاوشوں کو منظم کرنے، مطلوبہ مقاصد کو متعین کرنے نیز ان کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے جو مسئلہ منتخب کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

بیان مسئلہ:

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کیسے ہو اور اس کا دائرہ عمل کیا ہونا چاہئے؟

مقاصد تحقیق:

اس تحقیق کے مقاصد میں سے افواج پاکستان کو چودہ صدیوں پر محیط اپنے ماضی سے روشناس کرانا اور نظریاتی طور پر باخبر کرنا نیز فریق مقابل کی سوچ و فکر سے آگاہی کرانا ہے۔ اور یوں مستقبل کے لئے واضح لائحہ عمل پیش کر کے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تیار کرنا ہے۔ تحقیق کے مقاصد کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1- نظریہ اسلام کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مسلمان سپاہ کے دینی اور نظریاتی جذبات کی حدود و وسعت، مطلوبہ مقاصد اور ان کے حصول کے لئے تحریک و تحریض کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کرنا نیز اسوہ حسنہ، عمل صحابہؓ اور مسلم قائدین اور سپہ سالاران کے طرز عمل سے راہنما اصول متعین کرنا۔

2- قدیم و جدید غیر مسلم سپاہ کے اعلیٰ جنگی کارناموں کے پس پردہ نظریاتی اور معنوی بنیادوں کا مطالعہ کرنا، مختلف زمانوں اور صورتوں میں متفرق طریقہ ہائے ترغیب و تربیت کا بنظر غائر مطالعہ کرنا نیز اسلامی تصورات کے مقابل میں ان کا تجزیہ کرنا۔

3- افواج پاکستان کی تشکیل کا پس منظر، اس کی موجودہ تنظیم اور پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ ساتھ دینی اور نظریاتی تربیت کے عوامل کا تقابل کرنا اور مختلف میدان ہائے جنگ میں کارکردگی کا بنظر عمیق جائزہ لیتے ہوئے محرکات

کا مطالعہ کرنا اور نتائج مرتب کرنا۔

4- مختلف اقوام کے عساکر کی خوبیوں اور اسلام کے دیئے ہوئے روشن نظام تربیت کی بنیاد پر افواج پاکستان کی ہمہ گیر دینی اور نظریاتی تربیت کے دائرہ عمل کا تعین کرنا اور اس کے لئے ایک جامع نظام تجویز کرنا۔

5- تحقیق سے ماخوذ نتائج پر سیر حاصل بحث کرنا اور مزید تحقیق کی نشاندہی کرنا۔

تحقیق کی اہمیت و ضرورت:

اس موضوع پر تحقیق کی اہمیت و ضرورت اس امر سے واضح ہے کہ امت مسلمہ کی سرفرازی اور عالم میں باعزت مقام کی بازیابی، موجودہ پستی کا علاج، مرعوبیت اور پسماندگی کا تدارک، سائنسی اور معاشی کم مائیگی کا حل صرف اور صرف دین اسلام، اس کی روح کو سمجھنے اور اس کو عالم میں نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنے میں ہے۔ افواج پاکستان کے لئے ایسے تمام امور کی بروقت نشاندہی ایک مستقل ضرورت ہے جن میں اس امت کی کامیابی پنہاں ہے۔ آزادی کے بعد فراوانی کا آنا بدیہی امر تھا۔ وسعت کے اس دور میں اپنی منزل مقصود کو ہر وقت نگاہ میں رکھنا لازمی ہے ورنہ تنزل کا اندیشہ ہے۔ صدر اول میں بھی مسلمانوں کی اسی طرز پر راہنمائی کی گئی۔ جب صحابہؓ کو فتوحات نصیب ہوئیں تو آپس میں کہنے لگے کہ اب تو دین کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ اب زمینوں اور کاروبار کی فکر کرنا چاہئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:[1]

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[2] "کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔"

گویا جہاد میں سستی ہلاکت ہے نیز اس پر مداومت کے لئے مستقل تربیت کی ضرورت ہے امت مسلمہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کی ذمہ داری تو متعلقہ ممالک کے ارباب اقتدار پر ہے اور وہ اپنے تئیں کوشاں ہوں گے۔ اس مقالہ میں پاکستان میں اس جہت میں جو کاوشیں ہوتی رہی ہیں۔ ان کا احاطہ اور تجزیہ مقصود ہے نیز تحقیق کے دائرہ کار کو وسعت دے کر اس کے دائرہ عمل کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا بھی مطلوب ہے جو مستقبل کے لئے اس شعبہ میں راہنمائی کا کام کر سکے۔

---

[1] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر، اصح المطابع، کراچی، 52/2

[2] القرآن - 95:2

دائرہ عمل کی تفصیلی تحقیق اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ آیا اس شعبہ میں مطلوبہ کام کس حد تک ہو رہا ہے اور کہاں تک درست سمت میں ہو رہا ہے۔ نیز یہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے کہاں تک مکمل ہے۔ اور کہاں تک تشنہ ہے تاکہ مسئلہ کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا جاسکے اور خوابیدہ گوشوں کو متحرک کیا جاسکے۔

گویا افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت اور اس کے دائرہ عمل کا تعین ایک مسئلہ ہے۔ جو تحقیق طلب ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر سیر حاصل بحث کی جائے اور محقق امر سامنے لایا جائے اور اس مسئلہ کا جامع حل پیش کیا جائے۔

عساکر اسلام کی تنظیم کی نوعیت مختلف رہی ہے۔ ابتدا میں ہر مسلم عسکری تھا۔ اور ہر مجاہد بنفس نفیس جہاد میں حصہ لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ عساکر اسلامی مستقل فوج (Standing Army) اور مستحفظ قوت (Reserve Force) میں منقسم ہوگئے۔ شروع شروع میں باقاعدہ مشاہرہ، چھاؤنیاں، حکومتی اسلحہ اور دیگر تنصیبات کا رواج نہ تھا۔ جسے بعد میں منظم کیا گیا۔ بلکہ ہر مجاہد اپنی اپنی سواری اور ذاتی اسلحہ کا خود ذمہ دار ہوتا تھا۔ اور اس کے بقدر مشاہرہ کی بجائے اس کو مال غنیمت میں حصہ ملتا تھا۔ البتہ سب کا مقصود دعوت الی اللہ اور اعلاء کلمۃ الحق رہا۔ اور اس کے مقاصد میں سے عالم میں امن کا قیام، ہدایت کا نشور، اخوت کا قیام، شرک کا ابطال اور توحید کا اقبال رہا۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مجاہد اسلام راہ حق میں شہادت کی تمنا لئے ہوئے "نصر من اللّٰہ و فتح قریب"[1] کی روشنی میں اللہ کی مدد پر یقین کے ساتھ عالم کی نظریاتی اور دینی تربیت کرتا ہوا بڑھتا چلا جاتا تھا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ سیاسی حکومتوں کے قیام کی وجہ سے سپاہ کا بھی سیاسی استعمال رواج پکڑ تا گیا۔ انتظامی علاقوں کے وسیع ہونے کی وجہ سے بغاوتوں کو فرو کرنے کی ذمہ داری عساکر کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی۔ البتہ مسلم سپاہ کی پہچان دین اسلام اور ان کا شعار سنت نبوی ﷺ رہا۔ جب مسلم حکومتیں محض سیاسی انتظام تک محدود رہ گئیں تو فوج کا کام بھی حاکم وقت کے تسلط کو دوام بخشنا رہ گیا اور یوں دینی اور نظریاتی بنیاد کمزور ہوتی چلی گئی۔ عساکر اسلام میں اعتقادی، عملی اور اسلامی ضعف بڑھتا چلا گیا۔ باطل کو غلبہ پانے میں آسانی ہوتی چلی گئی۔

اس دینی اور نظریاتی ضعف کے زمانے میں جن قائدین نے دین کے غلبہ کو بحال کرنے کے لئے جدوجہد کی۔

---

[1] القرآن - 13:61

انہوں نے دینی اور نظریاتی بنیاد کو نئے سرے سے استوار کیا اور مجاہدین کہلاتے ہوئے نظریہ اسلام کی بحالی اور قیام کے لئے مستقل جہادی تحریکیں چلائیں۔ ایسے راہبر و راہنما ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے اور دنیا کے مختلف خطوں میں کفر کے استبداد و استحصال کو قطع کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ یہ محض تائید خداوندی سے ہوتا رہا ورنہ کفر نے اسلام کی نظریاتی بنیادوں کو مٹانے کے لئے پورا زور لگایا۔ مگر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ جو ان الفاظ میں کیا گیا تھا: "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون"[1] کہ "یقیناً ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" اور یوں دین اسلام کو قطع و برید سے پاک کر کے اسے خالص حالت میں سامنے لانے کا اہتمام ہوتا رہا اور عساکر اسلام کی دینی اور نظریاتی تربیت کا احیاء ہوتا رہا۔ مختلف حالات میں دین متین کے نفاذ کے لئے نئی نئی جہتیں آشکار ہوتی چلی گئیں بالخصوص عساکر اسلام کی تیاری، تنظیم، لائحہ عمل سے آگاہی، مقاصد کا تعین اور ان کے حصول کے لئے راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں۔ خلافت اسلامی کے قیام تک مسلمان خطے کسی نہ کسی سطح پر مرکز سے منسلک رہے۔ البتہ خلافت کے خاتمہ پر یہ مرکزیت ختم ہوگئی اور اغیار نے اسلامی ممالک کو اپنے پنجہ استبداد میں جکڑ لیا اور مسلمان خطے بکھر گئے اور یہ سب کچھ دینی اور نظریاتی ضعف کی وجہ سے تھا۔ جس کی وجہ سے محبت و مودت نفرت میں بدل گئی۔ اخوت و اپنائیت دشمنی اور بعد میں بدل گئی۔ احسان و عدل کی جگہ ظلم و فساد نے لے لی۔ اپنوں کے بجائے غیر ہمدرد لگنے لگے اور یوں اپنی قوت غیروں کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ دشمن نے قوت حاصل کرنے کے بعد چن چن کر بدلے لئے تب اپنی دینی اور نظریاتی کمزوری کا احساس اجاگر ہوا۔

مسلمانوں نے نئے سرے سے اپنی بنیادوں کو استوار کرنا شروع کیا دین و ایمان کی بنیاد پر اکٹھے ہوئے اور بہت جلد اپنے کندھوں سے سیاسی غلامی کا جوا اتار پھینکا اور سیاسی آزادی حاصل کر لی مگر جغرافیائی طور پر بے شمار ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ اپنے اپنے خطوں میں مسلمانوں نے دفاع کے لئے اپنی اپنی سپاہ کو منظم کیا۔ اس کو دینی اور نظریاتی بنیادوں پر اٹھانا شروع کیا اور یوں عالم میں ایک نئی اسلامی سپاہ وجود میں آگئی۔

---

[1] الحجر 15-9

یہ سپاہ چونکہ مغرب کے ایک طویل استبداد کے بعد وجود میں آئی۔ اپنے ماضی سے تعلق کچھ عرصہ سے کٹ گیا تھا۔ اس لئے ان کے اسلامی تشخص پر کسی قدر ضعف آگیا۔ اس سپاہ کی دینی اور نظریاتی تعلیم و تربیت اور اس کے احیاء نیز مستقل اہتمام کی ضرورت ہے تاکہ یہ قوت صرف اپنی اپنی سرحدوں تک محدود نہ رہے بلکہ اپنے اسلاف کے ساتھ اپنی نسبت کو مضبوط کرتے ہوئے دین متین کے متعین کردہ مقاصد کو حاصل کر سکے۔ جس کے نتیجہ میں عالم کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کی فضا پیدا ہو سکے۔ عساکر عالم اسلامی کی دینی اور نظریاتی تربیت کے حوالہ سے افواج پاکستان ممیز کا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ کیونکہ اس ملک کی بنیاد اسلامی نظریہ پر ہے اور اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت گویا اس ملک کا بنیادی نظریہ ہے۔ افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت عالم اسلام کی سپاہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لئے اس موضوع پر تحقیق کی اہمیت از خود عیاں ہو جاتی ہے۔

افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کے دائرہ عمل کے حوالہ سے اس بات پر بحث کرنا بھی مقصود ہے کہ مغربیت اور استعماریت کے داؤ پیچ کو سمجھا جائے اور دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اس کا توڑ پیش کیا جائے تاکہ ایک تو مرعوبیت سے نکلا جائے اور دین اسلام کی تعلیمات کی پیروی میں ہی اپنی کامیابی کے پنہاں ہونے کا عقیدہ راسخ دلوں میں جمایا جائے۔ دوسرے آئندہ ایسی شیطانی قوتوں کو بروقت دفع کیا جائے تاکہ دنیا میں فساد نہ پھیلا سکیں اور اسلامی معاشروں کے لئے خطرہ کا باعث نہ بن سکیں نیز پاکستانی افواج کو دین اسلام کے ساتھ اپنے رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ خدانخواستہ پاکستان پر کسی قسم کا حرف اس کے نظریہ یعنی اسلام پر حرف آنے کے مترادف ہوگا لہٰذا اس نازک پہلو کی نشاندہی افواج پاکستان کو کرنا اشد ضروری ہے۔ اور نظریہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے افواج پاکستان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس کے دائرہ عمل سے پوری طرح واقف ہوں۔

اس مقصد کے پیش نظر یہ تحقیق عساکر عالم اسلام کے لئے بالعموم اور عساکر پاکستان کے لئے بالخصوص مفید ثابت ہوگی اور دیگر اسلامی ممالک اس کے نتائج سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ مزید تحقیق بھی کر سکیں گے اور یوں عساکر اسلامی میں تحقیق کی نئی راہیں کھلیں گی جس سے باہمی طور پر تمام اسلامی ممالک مستفید ہوں گے نیز امید ہے مستقبل کے محقق کے لئے اس تحقیق کے نتائج پر مزید کام کرنے کی گنجائش موجود ہوگی۔ خاص طور پر دائرہ کار اور حدود عمل میں تحقیق کرنے کے بہت سے پہلو سامنے آئیں گے اور یوں یہ کاوش ایک اہم میدان میں کام کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

تحقیقی مقاصد کے حصول کے لئے مصادر:

تحقیقی مقاصد کے لئے ابتدائی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے اسلامی تاریخ اس لحاظ سے بڑی غنی ہے کہ مصادر نہ صرف کثیر تعداد میں میسر ہیں بلکہ پوری طرح مستند ہیں۔ اس لئے زیادہ تر تو اسلامی مصادر کو استعمال میں لایا گیا ہے جس میں قرآن اور حدیث سرفہرست ہیں نیز سیرت کی کتابیں بھی اس ذیل میں آئی ہیں۔ البتہ بعض مواقع پر دیگر مستند تراجم اور جدید مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اکثر عبارات حوالہ جاتی ہیں۔ تاکہ مسلم سپاہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کے تسلسل کو تلاش کیا جا سکے۔ دوسری قسم کی عبارات واقعاتی حوالہ جات پر مشتمل ہیں۔ جو معلوماتی افادیت رکھتی ہیں تاکہ مختلف حقائق کا تقابل کیا جا سکے اس لحاظ سے ہماری لائبریریاں جدید اور مختلف النوع کتابوں سے مزین ہیں چونکہ اکثر کتب کی خارجی اور داخلی تنقید پہلے سے مرتب اور مسلم ہے۔ اس لئے یہ ایک گونہ سہولت محقق کو میسر رہی ہے۔ ابتدائی اسلامی مصادر تو عربی زبان میں ہیں لہذا متن کو اشارات کی حد تک عربی زبان میں ذکر کیا گیا ہے اور مکمل عبارت کسی مستند اردو مترجم کی نقل کی گئی ہے۔ جہاں تک حقائق کے تقابل کا تعلق ہے اکثر کتب انگریزی زبان میں ہیں ان کتب سے انگریزی میں حوالہ جات لئے گئے ہیں البتہ زیادہ عبارات اردو میں اخذ کی گئی ہیں۔ تاکہ مقالہ کا معتدبہ حصہ اردو زبان میں رہے۔ بہرحال اصل نگاہ ابتدائی مصادر پر رہی ہے۔ البتہ بقدر ضرورت ثانوی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک حقائق کے منطقی تجزیہ کا تعلق ہے۔ باب وار اور جہاں مناسب ہوا فصل وار تجزیہ کیا گیا ہے اور ہر فصل اور باب کے آخر میں اسے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس طرح حقائق کا باہمی تقابل ہر باب کے آخر میں کیا گیا ہے مقالہ کے آخر میں نتائج بحث کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے اور یوں انہیں Synthesise یعنی باہم مربوط کیا گیا ہے نیز نتائج بحث کی روشنی میں ضروری تجاویز دی گئی ہیں۔ اور مزید تحقیق کے لئے نمایاں گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

باب اول

نظریہ، نظریہ اسلام، سپاہ کی نظریاتی اور عسکری تربیت

فصل اول ------ نظریہ کی تاریخ

انسان ایک معاشرتی جانور ہے وہ معاشرے کے اندر ہی پھلتا پھولتا ہے۔ ہم مشرب انسانوں کے ساتھ باہمی تعلقات میں اسے ایک خاص سوچ پر مبنی رویہ اپنانا پڑتا ہے۔ گویا ایک نظریہ اختیار کرنا پڑتا ہے یعنی ایک مخصوص طرز زندگی اور اصول و ضوابط کا پیروکار ہونا پڑتا ہے۔ مثبت سوچ و فکر سے وقتی مفادات اور ذاتی منفعت کے حصول کے ساتھ ساتھ دائمی اور مضبوط علاقات قائم ہوتے ہیں نیز پرامن بقائے باہمی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس کے برعکس محدود اور منفی سوچ و عقل کی بنیاد پر قائم نظریات سے مفادات کے ٹکراؤ اور باہمی چپقلش کا اندیشہ رہتا ہے۔ تاریخ عالم ایسے کئی نظریات پر محیط ہے۔ اس باب میں نظریہ کی ماہیت نیز اسلامی اور غیر اسلامی نظریات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

آئیڈیالوجی سماجی اور سیاسی فلسفے کی وہ شکل ہے جس میں سیاسی عناصر زیادہ نمایاں ہوتے ہیں یہ ایک ایسے نظام فکر (System of Ideas) کی علامت ہے جس کا مقصد تبدیلی پیدا کرنا ہو۔

لفظ آئیڈیالوجی کو سب سے پہلے انقلاب فرانس کے دوران ایک فرانسیسی مفکر (A L.C DESTUTT DE TRACY) نے اپنے خیالات کے عنوان کے طور پر استعمال کیا جسے وہ (SAIMEN OF IDEAS) کہتا تھا۔ اس کے بقول اس نے یہ لفظ (JOHN LOCKE) وغیرہ فرانسیسی مفکرین سے مستعار لیا تھا۔ جن کے نزدیک تمام انسانی علوم کی اساس تفکر پر ہے۔ یہ لفظ اس سے بھی پہلے مشہور انگریز مفکر (FRANCIS BACON) کے ہاں ملتا ہے۔ بیکن کا نظریہ یہ تھا کہ سائنس کا مقصد صرف انسانی علوم میں اضافہ ہی نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ زمین پر انسانی زندگی کو کیسے مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ بیکن ہی وہ پہلا شخص ہے

جس نے نظریہ (Ideology) کو اصول (Theory)، نظام (System) اور فلسفے (Philosophy) سے الگ ایک چیز قرار دیا بعد ازاں (Destutt De Tracy) نے اسی خیال کو آگے بڑھایا۔ اس نے (Science of Ideas) کو ایک ایسی سائنس قرار دیا جس کی صورت ایک تحریک کی سی ہو یعنی (Science With Mission) اور جس کا مقصد نہ صرف انسانوں کی خدمت کرنا ہو بلکہ ان کے اذہان کو سفلی خیالات سے نجات دلا کر تعقل کی فرمانروائی قائم کرنا ہو۔[1]

ارسطو کے نزدیک لفظ "نظری" (نظریہ) فلسفہ کی ایک قسم ہے۔ جس کا تعلق مابعد الطبیعات سے ہے۔ جب کہ عملی (عملیہ) فلسفہ کی دوسری قسم ہے جس کا تعلق انسان کی بھلائی اور فائدے سے ہے نظر بنیادی طور پر عملیات کا ایک تصور ہے۔[2] نفسیات میں بھی نظر کو عقل انسانی کے ایک فعل کی حیثیت سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ لیکن اس کے لئے مترادفات مثلاً فکر اور تفکر وغیرہ استعمال کئے گئے ہیں۔ شروع شروع کے علمائے اسلام شاید علم نظری اور عملی کی نسبت علم عقلی اور شرعی کے امتیاز سے زیادہ آشنا تھے۔[2] ابن حزم کے نزدیک عقل مگر بلا شبہ وہ عقل جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ علم کا ایک سرچشمہ ہے۔ اس کے نزدیک ادراک حسی اور وجدان عقل کے علاوہ حصول ایقان کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دراصل وہ ادراک حسی کو اس حد تک ترجیح دیتا ہے کہ ادراک عقلی کو اس نے چھٹا ادراک قرار دیا ہے۔[3]

تاریخ فلسفہ کے ماہرین نے انیسویں صدی کو نظریات کا زمانہ (Age of Ideologies) قرار دیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس زمانے میں یہ لفظ بہت زیادہ استعمال کیا گیا بلکہ اس لئے کہ انیسویں صدی میں بہت سے پرانے رائج نظریات کی صداقت کو اس پہلو سے پرکھا گیا۔ جن کو بعد میں نظریاتی (Ideological) کہا گیا اور اب یہ لفظ ایک حد تک متنقد معنوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس لفظ کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس لفظ کی دو تعریفیں کی جاتی ہیں ایک عمومی معنوں میں اور دوسری مخصوص اور محدود انداز میں۔ عمومی انداز میں اس لفظ کی تعریف یہ ہے کہ "کسی نظام فکر کی روشنی میں ایسی سیاسی کاوش جس کی ایک واضح سمت متعین ہو" اس کے الفاظ یوں ہیں

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1966، 382/22

[2] John Warrington, Aristotle Metaphysics, Every Man s Library, New York, 1976, p.61 63

و ارسطو، مابعد الطبیعات، مکتبہ نول کشور، لکھنؤ، الہند، 1380ھ، ص: 1064

[3] ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت 1975، 1/ 4-7

"*Ideology may mean any kind of action-oriented theory to approach politics in the light of a system of ideas.*"[ا۵]

محدود معنوں میں اس لفظ کی تعریف پانچ خصوصیات کے تحت کی گئی ہے۔

الف۔ یہ انسانی تجربات اور خارجی دنیا کے متعلق ایک واضح اصول کی بنیاد پر پیش کی جاتی ہے۔

ب۔ یہ کسی سماجی یا سیاسی تنظیم کے متعلق عام یا پیچیدہ صورت میں ایک لائحہ عمل مہیا کرتی ہے۔

ج۔ اور اس لائحہ عمل کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے جدوجہد کی متقاضی ہوتی ہے۔

د۔ اور اس جدوجہد کے لئے یہ اپنے وفادار وابستگان سے مخلصانہ اور بے لوث عہد کا مطالبہ کرتی ہے۔

ھ۔ اس کا خطاب عام لوگوں کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ قوم کے دانشور طبقے سے ہوتا ہے۔

ایک اور حوالہ جاتی ماخذ میں لفظ آئیڈیالوجی کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"ایسے سیاسی اور سماجی اصولوں کا مجموعہ جن پر کسی اقلیت یا ثقافت کی بنیاد ہوتی ہے۔ آئیڈیالوجی کسی قوم یا ثقافت کے فطری نشوونما کے عمل میں مدغم بھی ہو سکتی ہے اور اسے عوام پر بزور یا نشرواشاعت کے ذریعے بھی مسلط کیا جا سکتا ہے۔" اس کے الفاظ یہ ہیں۔

The sum of social or political philosophies upon which a community or culture is based. Ideology may be absorbed in a process of growth in a nation or culture or it may be imposed upon the people forcibly or by propaganda.[۵۲]

1- نظریہ اور مذاہب عالم:

بعض اوقات نظریات کے بارے میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی مذاہب کی طرح کسی منطقی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ دونوں یقینی طور پر مکمل لائحہ عمل ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق حقائق اور آپس کے میل جول پر ہوتا ہے

---

۵۱ Encyclopaedia Britannica 15th Edition 1985, 6/241

۵۲ ----Do---- 20/628

لیکن مذہب اور نظریہ کے مابین کئی قابل ذکر فرق بھی ہیں۔ نظریہ کی بنیاد ایسے امور پر ہوتی ہے جن کا تعلق بعض اوقات صرف اس دنیا سے محسوس ہوتا ہے۔ لیکن مذہب کا حقیقی تعلق عقائد، عبادات، شفاعت، تزکیہ نفس انسانی وغیرہ سے ہوتا ہے۔ مذہب ایک اچھے معاشرے کو بصیرت عطا کرتا ہے۔ اسلام فرد کی زندگی کے داخلی و خارجی ہر پہلو پر محیط ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات (A Complete Code of Life) ہے۔ اس میں سیاسی، سماجی، معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی وغیرہ تمام امور پر واضح راہنمائی و ہدایت موجود ہے۔ مذہبی عقائد انسان بچپن ہی سے اپنا لیتا ہے۔ جبکہ نظریات کسی گروہ، قوم یا طبقے کو مخاطب کرتے ہیں اور ان کی بقا کا انحصار ان کی معقولیت اور حقانیت پر ہوتا ہے۔ البتہ مذہب اور نظریہ دونوں ہی اپنے ماننے والوں سے عہد و وفا کے متقاضی ہوتے ہیں۔

الہامی مذاہب کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان مذاہب نے نظریہ کی مختلف جہات یعنی فلسفہ کی مابعد الطبیعات و نفسیات کے تفکر اور منطق کے تبحر قلب کو ایک جامع لفظ عقیدہ میں جمع کر دیا مزید یہ کہ اخلاص کو عقیدہ اور اطاعت کو عبادات کی شکل میں یکجا کر کے اسے پوری زندگی پر محیط کر دیا اور یوں فکر و عمل کو ایمان اور اعمال صالحہ کی شکل دے دی۔ مزید بر آں یہ کہ الہامی مذاہب نے ایمان و اعمال صالحہ کو انسان کی اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ساری انسانیت کی امانت گردانا اور بنی نوع انسان کو اس سے روشناس کرانا بھی اپنے پیروکاروں کے لئے لازمی قرار دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ابن آدم کی اکثریت مذاہب کی پیروکار رہی ہے۔ اس طرح مذاہب یا نظریہ کی بقا کے لئے جنگ کا جواز موجود رہا ہے۔ مسئلہ جنگ کے لحاظ سے اسلام سے پہلے چار بڑے مذاہب یعنی ہندو مت اور بدھ مت، یہودیت اور مسیحیت دو فریقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک فریق جس نے جنگ کو جائز رکھا ہے۔ اس میں ہندو مت اور یہودیت شامل ہیں۔ دوسرا فریق وہ ہے جس نے جنگ کو جائز نہیں رکھا۔ یہ بدھ مت اور مسیحیت پر مشتمل ہے۔

الہامی مذاہب میں سے اسلام اور یہودیت ہی دو ایسے مذاہب ہیں جن میں حق کی بالادستی کے لئے جنگ کو بطور آخری ہتھیار استعمال کرنے کا حکم ہے۔ عیسائیت میں جنگ کا تصور مفقود ہے۔ باقی مذاہب و نظریات میں جنگ محدود اور بعض اوقات مخصوص مقاصد کے لئے لڑی جاتی ہے۔ نظریہ اسلام اور مسلم سپاہ کی نظریاتی تربیت کی تفاصیل میں جانے سے قبل تصوراتی اعتبار سے مختلف مذاہب اور نظریات کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

2- غیر مسلم اقوام کا نظریہ حیات:

الف- اہل یونان کا نظریہ حیات:

اہل یونان کا مجموعی نظریہ حیات طاقت کے بل بوتے پر پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا تھا اسکندر اعظم کی قیادت میں یونانی قوم نے اپنے اس مقصد حیات کو حاصل کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ یوں تو علمی و نظریاتی حیثیت سے محاربین کے حقوق و فرائض کا ایک نہایت ابتدائی تصور زمانہ قدیم سے دنیا میں موجود تھا۔ قدیم یونان کے مقننوں نے یہ قاعدہ بنایا تھا کہ جنگ میں جو لوگ مارے جائیں ان کو دفن کرنا چاہئے۔ مفتوح شہر کے جو لوگ معابد میں پناہ لیں انہیں قتل نہ کرنا اور کھلاڑی یا معابد کے خادموں پر کوئی تعرض نہ کرنا چاہئے۔ لیکن عملی حیثیت سے یونانیوں نے کبھی ان کو قانون کے طور پر نہ تو قبول کیا اور نہ ان کی پابندی کی۔ اس زمانے میں جنگ کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ ایک ہنگامہ قتل و خون اور فتنہ سلب و نہب تھا جو طاقتور کی ہر خواہش اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے برپا کیا جا سکتا تھا۔ شقاوت و سنگ دلی، وحشت و بربریت درندگی و سفاکی جنگ کی حقیقت میں داخل ہو گئی تھی۔ لفظ جنگ بولتے ہی آدمی کا ذہن ایک ایسی چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جو اپنے اندر انسان کی جان لینے اور اس کی آبادیوں کو غارت کرنے کے ہر طریقے کو متضمن تھی۔

یونان کے نظریہ جنگ کے بارے میں ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے اپنی کتاب آثار الحرب میں یہ عبارت نقل کی ہے:

"كان اليونان يعتبرون انفسهم عنصرا ممتازا وشعبا فوق الشعوب الاخرى من حقه الاخضاع هذه الشعوب والسيطرة عليها ومن هنا كانت علاقاتهم بهذه الشعوب تحكمية لا ضابطة لها وكانت في الغالب علاقات عدائية وحروبا مشوبة بالقسوة لا تخضع لاى قواعد ولا تراعى فيها اية اعتبارات انسانية"[1] یعنی یونانی اپنے آپ کو اعلیٰ و ممتاز نسل کی حیثیت دیتے تھے اور تمام قوموں پر تسلط برقرار رکھنے کے لئے ان کو ذلیل و رسوا کرتے تھے اس لئے دیگر قوموں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز رویہ اختیار کرتے تھے اور تحکمانہ لہجہ جس میں کسی قانون کا عمل دخل نہ ہو، برتتے تھے اور اکثر حالات میں ظلم و تعدی ان

---

[1] الدکتور وھبہ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص 41-42
و ابو ہیف، القانون الدولی، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص 62
و مصطفیٰ صبری، تحفۃ الامم فی التاریخ العالم، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص: 64

کا شعار تھا اور دوسری قوموں پر ایسی وحشیانہ جنگیں مسلط کرتے تھے جنہیں نہ تو قوانین کا اعتبار تھا اور نہ انسانیت کا۔

ب۔ ہنود کا نظریہ حیات:

ہندوؤں کے ہاں نظریاتی اعتبار سے کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ملتا البتہ چند مخصوص کتابوں کو انہوں نے اپنے نظریہ حیات کی اساس بنالیا ہے۔ یونانیوں کی طرح ہندوؤں کے ہاں بھی اپنی بقا کے لئے ہر وقت اپنے دشمن سے برسرپیکار رہنا اور اسے نیچا دکھانا ہی مقصد حیات ہے۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب گیتا' وید اور منوسمرتی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندو مذہب میں جنگ کی کوئی اخلاقی غرض و غایت موجود نہیں بلکہ مال و دولت کا لالچ' قتل و غارت گری اور ہوس ملک گیری کے لئے جنگ کا وجود ہندو قوم کے اندر جاری و ساری ہے۔ ان کتابوں کے اندر جہاں کہیں جنگ کے اصول بیان ہوئے ہیں ان میں ہندو مذہب کے ماننے والے افراد کو غیر ہندوؤں پر مظالم ڈھانے' سخت انتقام لینے' مال مویشی تباہ کرنے اور دشمن کا نام و نشان تک مٹا دینے کا حکم ملتا ہے۔ ہندو مذہب کے مطابق دشمن کے خلاف برسرپیکار ہونے یا اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے جنگ کرنا کوئی مذہبی فریضہ نہیں۔ لیکن اگر دشمن سے واسطہ پڑے تو بغیر کسی عالی مقصد کے حصول کے دشمن کے ساتھ جو بھی انسانی سلوک کیا جائے وہ روا ہے۔ چنانچہ رگ وید کے باب 1'2 اور 4 میں یوں درج ہے:

"اے اندر! ہم کو دولت دے جو دشمن کو جنگ میں اس طرح مغلوب کرے جس طرح آسمان زمین پر غالب ہوا ہے۔ ہمیں ایسی دولت دے جو ہزاروں کا مال لانے کا سبب بنتی ہے جو زرخیز زمینیں فتح کرتی ہے اور جو دشمن کو شکست دیتی ہے۔" [سلہ] دوسری جگہ یوں مذکور ہے کہ

"اے اندر! جب میدان جنگ گرم ہو تو ہمارے دشمنوں کو' ان فانی لوگوں کو' جو ہماری ہجو کرتے ہیں ہلاک کر دے۔ بدگوؤں کی بددعائیں ہم سے دور رکھ ہمارے پاس مال و دولت کے جمع کیے ہوئے خزانے ہوں۔ ہمارے فانی حریفوں کے ہتھیار توڑ دے۔ ہمیں عظیم الشان شہرت اور مال و دولت عطا کر؟ ہمارے حریفوں کو آسانی کے ساتھ مغلوب ہو جانے والا بنادے۔ [سلہ]

سلہ رگ وید 1:20:6

سلہ رگ وید 7:25:2-3-5-6

ج۔ یہود کا نظریہ حیات:

یہودی مذہب کی تعلیم اور اس کے احکام و قوانین کو معلوم کرنے کے لئے ہم تورات پر انحصار کر سکتے ہیں۔ اس میں یہودیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ متاخرین علمائے یہود نے شریعت یہود کے قوانین مرتب کرنے کے لئے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو یہودیوں کے تمام فرقوں میں متفق علیہ ہو۔ ان سب کتابوں بالخصوص تورات سے عمومی طور پر یہود کا نظریہ حیات یہی مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی تمام اقوام پر فضیلت عطا کی ہے اور انہوں نے اپنے سوا تمام اقوام پر جنگ کے ذریعے اپنا تسلط حاصل کرنا ہے لہذا باقی تمام کتابوں کو نظرانداز کر کے مسئلہ جنگ میں صرف تورات کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے۔

یہودیوں کی مقدس کتاب تورات میں جو تحریف کا شکار ہے، نہایت کثرت سے لڑائیوں کا ذکر آیا ہے۔ اور جگہ جگہ جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ یہودیوں کا موجودہ نظریہ جنگ ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے۔ تورات میں سوائے ایک مقصد کے اور کسی مقصد کا نشان ہم کو نہیں ملتا۔ یہ مقصد کتاب اعداد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے "اور خداوند نے موآب کے میدانوں میں یردن کے کنارے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا۔ بنی اسرائیل کو خطاب کر اور انہیں کہہ جب تم یردن سے پار ہو کر زمین کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگاؤ ان کی مورتیں فنا کر دو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ دو۔۔۔۔ کیونکہ میں نے وہ سرزمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک ہو۔[1]

اس قسم کی دیگر عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی جنگ کا مقصد ملک گیری ہے۔ ایک ملک کے باشندوں کو تلوار کے زور سے مغلوب کرنا اور قوت کے حق کی بنا پر ان کے اموال و املاک اور خود ان کی جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لینا اس کی نگاہ میں جائز ہے و اس کے نزدیک یہی قہر و تسلط اس وراثت ارضی کا مفہوم ہے۔ جس کے عطا کرنے کا خدا نے بنی اسرائیل سے یوں وعدہ کیا ہے: "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون"۔[2]

یعنی "زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔"

---

[1] العہد القدیم، کتاب اعداد، باب استثنا 33: 50 - 54

[2] القرآن - 21: 105

لیکن اس وراثت کا تخیل تورات کے تخیل سے بالکل مختلف ہے۔ تورات زمین کی وراثت صرف بنی اسرائیل کو دیتی ہے۔ جیسا کہ "اعداد" سے صاف ظاہر ہے۔ تورات میں وراثت ارضی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کے گھر بار ملک و اموال اور جان و آبرو کی مالک بن جائے اور اس کو فنا کر کے خود اس کی جگہ لے۔[1] مگر قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی قوم کو وراثت ارضی دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس قوم کو صالح ہونے کی بنا پر اپنی خلافت و نیابت کے لئے چن لیا اور اپنی زمین کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ تاکہ وہ ظلم و جور کو مٹا کر اس کی جگہ عدل و انصاف کا نظام کرے۔ پھر تورات میں میراث زمین حاصل کرنے کے لئے جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر قرآن میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ فلاں ملک تمہاری قومی میراث ہے۔ لہٰذا تم اسے لڑ کر فتح کرو۔ پس تورات کی وراثت ارضی کھلی کھلی ملک گیری ہے۔[2]

صاحب الملل والنحل نے یہودیت کے بارے میں یہ عبارت نقل کی ہے: "الیھود تدعی ان الشریعۃ لا تکون الا واحدۃ وھی ابتدأت بموسیٰ و تمت بہ"[3] گویا یہود کی شریعت ہی پہلی اور آخری شریعت ہے۔ الیھودیہ کے بارے میں الدکتور ہرتس یوں رقمطراز ہیں۔ "وفی سبیل نشر الیھودیۃ تدعون انفسھم انھم شعب اللّٰہ المختار الذی اختارہ اللّٰہ خادما و رسمہ لاعلان حقائقہ فی اسرا لانسانیۃ و نشر الیھودیۃ وھم ما یلحقھم من امتھان و استخفاف فی سبیل الرسالۃ الالٰھیۃ"[4] یعنی صرف یہود کو ہی اللہ نے اپنی ذات کے تعارف کے لئے اور یہودیت کے پھیلانے کے لئے چنا ہے۔ "یہودیت میں مذہب، قوم پرستی کے ساتھ اس قدر خلط ملط ہو چکا ہے کہ ان دونوں کے درمیان بمشکل امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ کوئی یہودی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نوع انسانی کی راہنمائی کے لئے اس کے نازل کردہ پیغام پر ایمان رکھنے اور اس کی پیروی کو تقاضائے ایمان رکھنے کی بنا پر یہودی نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لئے یہودی ہے کہ یہودی ماں باپ کے گھر پیدا ہوا ہے۔ اب چاہے وہ کھلے بندوں ملحد بن جائے۔ اپنے یہودی بھائیوں کی نظر میں یہودی ہی رہے گا۔"[5]

---

[1] العہد القدیم، کتاب الاعداد، باب استثنا 50:33

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص 383، 384

[3] الشہرستانی، الامام ابوالفتح محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، دارالمعرفۃ للطبع الادبیہ، مصر، 1317ھ

[4] الدکتور ج۔ ھ ہرتس، فی الفکر الیھودی، الحاخام الاکبر لامبراطوریہ بریطانیہ، دار مجلتی للطبع والنشر، بیروت، ص 27۔

[5] Maryam Jameelah, Islam in Theory and Practice, Muhammad Yusuf Khan and Sons, Lahore, 1986 P. 8

یہودیت کے مقابلے میں اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لئے کسی نسل یا حسب و نسب کی پابندی یا قید نہیں لگائی بلکہ بغیر کسی رنگ و نسل اور زبان کی تمیز کے، ہدایت کے سرچشمہ سے انسانیت فیض یاب ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: یاایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر الا بالتقوی[51] یعنی اے لوگو تم سب کا رب ایک ہے اور بے شک تم سب کا باپ ایک ہے۔ خبردار سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر برتری ہے اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری نہیں نہ ہی کسی کالے کو کسی گورے پر برتری ہے سوائے تقویٰ کے۔"

د۔ نصاریٰ کا نظریہ حیات:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات زیادہ تر اخلاق کی درستگی پر مشتمل تھیں جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت یہود اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے تھے۔ اخلاقی گراوٹ کی انتہا تھی، ظلم و ستم کا دور دورہ تھا اور خود یہودیت افراط و تفریط کا شکار تھی۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے یہود کی اخلاقی درستگی کو اہمیت دی۔ امن سے رہنے اور محبت سے برتاؤ کی تعلیم دی۔ چنانچہ پہاڑی کا وعظ "جس پر مسیحیت کے اخلاق کی بنیاد استوار ہوتی ہے" میں یہاں تک فرمایا۔ انجیل متی کے الفاظ یوں ہیں: "من لطمک علی خدک الأیمن فحول له الأخر ومن اراد ان یخاصمک ویاخذ ثوبک فاترک له الرداء ایضا۔ یعنی "اگر تمہیں کوئی داہنے گال پر تھپڑ لگائے تو بایاں بھی اس کی طرف پھیر دو اور اگر کوئی تم پر نالش کر کے تمہارا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اس لینے دو۔"[52]

ان تعلیمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کے نزدیک جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں اور ظلم و استبداد کے استحصال کے لئے قوت و طاقت کا استعمال ممنوع ہے بلکہ شریروں اور معذوروں کے سامنے اپنے حقوق سے

---

[51] ابن الجوزی، امام عبدالرحمن، الوفا باحوال المصطفیٰ، فرید بک سٹال، لاہور، ص 577
و شبلی نعمانی، سیرت النبی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1979ء، 155/2

[52] متی 5:38-44 و ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلیکیشنز، کراچی، 1962ء، ص 360

خود بخود دستبردار ہونا عیسائیت کے فلسفہ اخلاق پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ مگر اس کے برعکس جب بھی کبھی موقع ہاتھ آیا عیسائیت کے پیروکار مسیحی تعلیم کا دامن تھامنے سے قاصر رہے اور عملی طور پر انہوں نے مخالفین سے غیر انسانی سلوک روا رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جس کی مثالیں صلیبی جنگوں اور جنگ عظیم اول و دوم میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔[سله]

3۔ مختلف نظریہ ہائے حیات کا باہمی تقابل:

اہل یونان طاقت کے بل بوتے پر پوری دنیا پر تسلط قائم کرنے کا جذبہ رکھتے تھے نیز قومی تعصب کی وجہ سے دوسری اقوام کے ساتھ ذلت آمیز سلوک اور ظلم و تعدی پر مبنی وحشیانہ طرز زندگی کے تصور پر عمل پیرا تھے۔

ہنود اپنی بقا کے لئے دشمن کے ساتھ ہر وقت بر سرپیکار رہتے اور اسے نیچا دکھانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں نیز مال و دولت کا لالچ، قتل و غارت گری اور ہوس ملک گیری کے لئے مسلسل جنگ کے تصور کو اپنائے ہوئے ہیں۔

یہود باقی اقوام پر اپنی فضیلت کا تصور رکھتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ یہود کی شریعت ہی پہلی اور آخری شریعت ہے اقوام عالم پر جنگ کے ذریعے اپنا تسلط قائم کرنے اور قوت کے بل پر ان کے اموال و املاک کو اپنے قبضے میں لینے کے تصور پر قائم ہیں۔

نصاریٰ کے ہاں امن کا تصور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کی اخلاقی درستگی کو اہمیت دی اور انہیں محبت سے برتاؤ کی تعلیم دی نیز ظلم و استبداد کے استحصال کے لئے قوت و طاقت کے استعمال کو ممنوع قرار دیا اگرچہ عیسائیوں نے عملی زندگی میں اس کے برعکس رویہ اختیار کیا۔

اسلام نے اہل یونان اور ہنود کے مقابلہ میں ظلم و تعدی اور قتل و غارت گری کے مقابلہ میں عدل و انصاف اور امن و بقائے باہمی کی تعلیم دی ہے۔ اس طرح یہود کے مقابلہ میں اسلام نے پیروکاروں کے لئے کسی نسل یا حسب و نسب کی پابندی کے بغیر ہدایت کے سرچشمہ سے فیض یاب ہونے کی سہولت مہیا کی۔

سله دائرۃ المعارف العربیہ، بیروت، 1900ء، 8/ 574

اسی طرح عیسائیت کی محض اخلاقی تعلیمات کے مقابلہ میں زندگی گذارنے کا پورا نظام دیا جس کے تحت جہاں عمدہ اخلاق اختیار کرنے اور حتی الامکان عفو و درگزر اختیار کرنے کی تعلیمات دیں وہاں نازیبا حرکات و اعمال کو بزور ختم کرنے کا حکم دیا نیز ظلم و استبداد کے استحصال کے لئے قوت و طاقت کے استعمال کو جائز قرار دے کر ایک متوازن اور پائیدار نظام زندگی ترتیب دیا۔

فصل دوم - نظریہ اسلام

مذاہب عالم کے نظریاتی تصورات کے اجمالی خاکہ کے بعد دین اسلام اور نظریہ اسلام پر سیر حاصل بحث شروع کی جاتی ہے۔

1- اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معانی

اصحاب اللغہ کے نزدیک لغوی معنی یہ ہیں کہ لفظ اسلام مادہ "س ل م" سے اور باب افعال سے ہے۔ سلم کے مندرجہ ذیل لغوی معانی قابل ذکر ہیں :

الف۔ ظاہری اور باطنی آلائشوں (آفات) اور عیوب سے پاک (خالص و محفوظ) ہونا۔

ب۔ صلح و امن

ج۔ سلامتی

د۔ اطاعت و فرمانبرداری

لہذا اسلام کے ایک معنی ہیں عبادت یعنی دین اور عقیدے کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا۔[1] نیز اس کے معنی استسلام، انقیاد، اطاعت و فرمانبرداری کے بھی ہیں۔[2] اسی طرح اصطلاحی معنی اس طرح سے ہیں "الإسلام" الدخول في السلم الإسلام والإستسلام الإنقياد والإسلام من الشريعة، اظهار الخضوع و اظهار الشريعة والتزام لما أتى به النبي ﷺ و بذلك يحقن الدم و يستدفع المكروه[3]

---

[1] الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات، کتاب السین، اہل حدیث اکادمی، لاہور، ص: 492

[2] الیاس انطون الیاس، القاموس العصری، کتاب السین، المطبعہ العصریہ، القاہرۃ، 1962ء، ص 313

[3] الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن المفضل، المفردات، کتاب السین، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1971ء، ص۔ 241

یعنی اسلام کا اصطلاحی شرعی مفہوم اظہار اطاعت، تسلیم، اظہار شریعت اور نبی اکرم ﷺ کی سنت سے تمسک ہے۔

تاج العروس میں یوں ہے :

"والسلم مثل السلام والاسلام والمراد معنا الاستسلام والانقیاد"[1]

یعنی اور سلم، سلام اور اسلام ہم معنی ہیں اور یہاں اس سے مراد انقیاد و اطاعت ہے۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"والقوا الیکم السلم"[2] کہ "تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں"۔ یہاں سلم بمعنی اطاعت ہے۔ اس طرح عربی کے ایک مشہور شاعر کا شعر ہے:

فلست مبدلا باللّٰہ ربا و لا مستبدلا بالسلم دینا[3]

یعنی "میں نہ تو اللہ کی بجائے کسی اور کو اپنا رب بناؤں گا اور نہ سلم یعنی اسلام کو کسی اور دین سے بدلوں گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے :

"لا یطھر اللّٰہ قلب عبد حتی یسلم لنا و یکون سلما لنا"[4]

"اللہ تعالیٰ کسی بندے کا دل اس وقت تک پاک نہیں کرتا جب تک کہ ہمارا تابع فرماں نہ ہو جائے اور ہم سے مل کر (موافقت سے) نہ رہے۔" ایک حدیث میں ہے "اسلم تسلم"[5] یعنی اسلام لا۔ تو تباہی سے بچ جائے گا۔ گویا اسلام سلامتی کا پیامبر ہے اور اسے قبول کرنے والا سلامتی میں آجاتا ہے۔

2- اسلام، ایمان اور دین کا باہمی تعلق

امام رازی - "ان الدین عند اللّٰہ الاسلام"[6] کے ذیل میں چار معنی بیان کرتے ہیں :

---

[1] سید محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس، 8/337

[2] القرآن - 4:90

[3] ابن منظور، محمد ابن مکرم المصری الافریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1980ء، 15/185

[4] وحید الزمان خان علامہ، لغات الحدیث، آرام باغ، کراچی، 1965ء، 3/144-

[5] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، دہلی، 1938ء، 1/5

[6] القرآن - 3:19

الف- الاسلام هو الدخول فی الاسلام ای فی الانقیاد والمتابعۃ یعنی "اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہو جانا ہے۔"

ب- "الاسلام معناہ اخلاص الدین والعقیدۃ ... والمسلم ای المخلص للہ عبادتہ" یعنی "اسلام کے معنی دین اور عقیدے کا خالص کرنا ہے ------ اور مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتا ہے"

ج- فی عرف الشرع فالاسلام ھو الایمان
یعنی "عرف شرعی میں ایمان کا دوسرا نام اسلام ہے"۔

د- الاسلام عبارۃ عن الانقیاد یعنی "اسلام کا مطلب فرماں برداری اور اطاعت ہے۔"[1]

گویا اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہونا اپنے دین، عقیدے اور عبادات کو اللہ کے لئے خالص کرنا ہے۔ یعنی اسلام ایمان کا دوسرا نام ہے اور اس کا مطلب فرمانبرداری اور اطاعت ہے نیز اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

اسی طرح دین کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

الف- دین بمعنی اطاعت۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :

ولہ ما فی السمٰوٰت والارض ولہ الدین واصبا[2]

"اس کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے۔" امام راغب نے لفظ دین کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے "الدین" کے معنی اطاعت اور جزا کے آتے ہیں اور بطور استعارہ دین بمعنی شریعت بھی آتا ہے

ب- دین بمعنی جزا و سزا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

انما توعدون لصادق ○ وان الدین لواقع[3]

"کسی چیز کی تمہیں دھمکی سنائی جاری ہے وہ سچ ہے اور جزا و سزا ہو کر رہے گی۔"

---

[1] الرازی، فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر، التفسیر الکبیر، الطبعۃ الثانیہ، دار الکتب العلمیہ، تہران 668/2
و اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، 1966ء، 209/7

[2] القرآن - 52،16

[3] القرآن - 51:5،6

ج- دین اسلام بطور اتمام نعمت - قرآن یوں گویا ہے :

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا [1]

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کر لیا۔"

3- نظریہ اسلام - خطاب حبشہ کی روشنی میں :

مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کے لئے قریش مکہ نے نجاشی کو درخواست پیش کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالہ کر دیئے جائیں۔ درباریوں نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا "تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے اس موقع پر جو خطاب کیا وہ نظریہ اسلام کے بنیادی خدوخال کی عکاسی کرتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا۔

ایها الملک! کنا قوما اهل جاهلیة نعبد الاصنام ... حتی بعث الله الینا رسولا منا نعرف نسبه .... فدعانا الی الله عزوجل لنوحده .... وامرنا بصدق الحدیث ... واقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة .... فصدقناه .. فعدا علینا قومنا فعذبونا و فتنونا عن دیننا لیردونا الی عبادة الاوثان من عبادة الله عزوجل [2]

اس جامع خطاب کا ترجمہ یوں ہے :

اے بادشاہ سلامت! ہم لوگ جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسائیوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ قوی لوگ کمزور کو کھا جاتے تھے اس اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا۔ اس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسائیوں کو آرام دیں،

---

[1] القرآن - 3:5

[2] السہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، الروض الانف لتفسیر السیرۃ النبویہ لابن ہشام، المکتبۃ الفاروقیہ، ملتان، 1977ء، ص 213

عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، "ہم اس پر ایمان لے آئے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، ہمیں تکالیف دیں اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اللہ عزوجل کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی طرف اور اس گمراہی میں واپس آجائیں۔" گویا ایمان اور اعمال صالحہ پر مبنی زندگی ہی نظریہ اسلام کی عکاسی کرتی ہے۔

اس گمراہی میں واپس آجائیں۔"

4۔ نظریہ اسلام کا مقصود :

نظریہ اسلام کی بہترین تعبیر وہ جواب ہے جو حضرت ربعیؓ بن عامر نے رستم ایرانی فوج کے سپہ سالار کو دیا تھا۔

"فقالوا له ماجاء بكم. فقال الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام"[51]

لوگوں نے پوچھا تمہاری آنے کی غرض کیا ہے؟ حضرت ربعیؓ بن عامر نے جواب دیا کہ "ہم کو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو، اس کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔"[52]

اسلام کا دنیا میں آنے کا مقصد سید قطب شہید کے نزدیک کچھ یوں ہے :

"اس دنیا میں اسلام کے آنے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ پورے عالم انسانیت کو گمراہی کے ان گھنے بادلوں سے نجات دلائے، جنہوں نے انسانوں کے افکار اور زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے کر گراں بار بنا رکھا ہے۔ اور انسانیت کو ایک ایسا مخصوص، منفرد اور ممتاز نظریہ دے اور ایک ایسی نئی زندگی عطا کرے جو اللہ کے بتائے ہوئے حکم اور مستقیم مفہوم کے مطابق جاری و ساری رہے"[53] اسی طرح پاکستان کی نو مسلم سکالر محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ نے نظریہ اسلام کی یوں وضاحت کی ہے کہ "اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ تصور ہے کہ انسان اللہ کا بندہ ہے عربی میں اللہ کے بندے کو "عبداللہ"

---

[51] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، 1984ء، 39/7

[52] ابو الحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: 120

[53] سید قطب شہید، اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول، اسلامک بک پبلشرز، کویت، 1981ء، ص: 5

کہتے ہیں۔ اسلام کے حقیقی معنی ہیں "اللہ کی مرضی کے آگے جھک جانا" وہ سب لوگ جو اللہ کی اطاعت و رضا کی اس زندگی کو اختیار کرتے ہیں، مسلمان کہلاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے نزدیک انسان کے کسی فعل کا دارومدار اس کے عقائد پر ہے۔ کیونکہ فوق الفطرت دینی بنیادوں کے بغیر وہ حسن عمل اور اخلاقیات کے وجود کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ [01]

گویا اسلام اپنے پیروکاروں کے لئے اطاعت کا ایک مکمل ضابطہ متعین کرتا ہے۔ جس کی واضح حدود و قیود قرآن و سنت میں وضع کر دی گئی ہیں۔ جس پر عمل کر کے عالم میں امن و سلامتی کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ :

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام سے مراد اپنے خالق و مالک کی کامل اور مکمل اطاعت و انقیاد یعنی Complete Submission ہے گویا کہ مسلمان اپنے آقا و مولا کے حضور میں سر تسلیم خم کئے ہوئے اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے مستعد کھڑا ہے۔ نیز اسے ایک مامون اور سلامت روی کا راستہ مل گیا ہے اور وہ مادی زندگی کو بھی ان زریں اصولوں کی روشنی میں بسر کر کے اپنی منزل سے ہم کنار ہو سکے گا۔ اسی راستہ کو اختیار کرنے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا [02]

"اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیروکار ہے۔ جو یکسر مسلمان ہے"

5۔ اسلامی نظریہ حیات کی دو بڑی خصوصیات :

الف۔ توحید :

اسلام جو معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے۔ اس کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ الوہیت (خدائی) اور عبودیت (بندگی) دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ اسلامی نظریہ کا پہلا ضابطہ اور اصول توحید ہے۔ تمام ادیان سابقہ کا یہی اصول و ضابطہ رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

---

[01] مریم جمیلہ، اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، مکتبہ یوسفیہ، لاہور، 1986ء، ص: 34

[02] القرآن - 125:4

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون [1]

"ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے پس تم لوگ میری بندگی کرو" سید قطب شہید نے اس آیت کے ذیل میں یہی نتیجہ نکالا ہے کہ "اسلامی نظریہ اس ضابطہ کے ذریعے سے درحقیقت انسانوں کو بندوں کی عبادت اور غلامی سے نجات دلا کر اللہ وحدہ کی عبادت اور بندگی کی دعوت دیتا ہے۔[2]

گویا اسلام نے نیا نظریہ دیا جس کی پہلی بنیاد توحید پر رکھی اور نظریہ شرک کا ابطال کیا۔ وحدانیت پر مضبوط ایمان کی بنیاد پر مابعد افکار و تصورات سیدھے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسلام کے نظریہ توحید نے دیگر تمام مروجہ نظریات کو بشمول شرک رد کر دیا اور ایک عالم کا عالم توحید باری تعالیٰ کی طرف کھنچا چلا آیا۔ نئے نظریہ کو قبول کرنے والوں میں مشرک، یہودی، عیسائی اور مجوسی ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔

ادیان عالم کا تقابلی مطالعہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اسلام جامع اور وسیع نظریہ پیش کرتا ہے جو حیات انسانی کے تمام گوشوں پر محیط ہے اور کائنات کے تمام شعبہ جات کو رشد و ہدایت فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد فطرت پر ہے۔ فطرت سلیمہ ایک سے زائد آقا کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اس سے ہیجان اور بے یقینی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اس کی بہترین مثال حضرت یوسف علیہ السلام اور قیدیوں کا مقالہ ہے۔ جسے علامہ ابن کثیر نے یوں نقل کیا ہے :

ثم ان یوسف علیہ السلام اقبل علی الفتیین بالمخاطبۃ والدعاء لہما الی عبادۃ اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و خلع ما سواہ من الاوثان التی یعبدھا قومھما۔[3] فقال "، ارباب متفرقون خیر ام اللّٰہ الواحد القھار"[4] یعنی اس حقیقت کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں پر آشکار کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر انہیں توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ "مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے ہولگانا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے" یعنی خود سوچو کہ سر عبودیت ان میں سے کس کے سامنے جھکایا جائے۔[5]

---

[1] القرآن - 21 25
[2] سید قطب شہید، اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول، اسلامک بک پبلشرز، کویت، 1981ء، ص 369
[3] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء، 497/2
[4] القرآن - 39:12
[5] شبیر احمد، تفسیر عثمانی، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ المنورہ، 1989ء، ص۔ 318

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان غلاموں کے لئے، جو ایک آقا کی ماتحتی کا ذاتی تجربہ رکھتے تھے اور یہ دلیل ان کو جلد سمجھ آنے والی تھی، اس حقیقت اور انسانی فطرت کے تقاضے کو دعوت کی دلیل بنایا اور انہیں توحید سے متعارف کرایا۔

ب۔ آخرت :

توحید کے ساتھ ساتھ تصور آخرت یعنی جوابدہی کے تصور سے آشکار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مامور کیا اور انہوں نے اپنی قوم قریش کو اس حقیقت کی طرف یوں متوجہ کیا :

"عن ابن عباس قال صعد رسول اللّٰہ ﷺ ذات یوم الصفا فقال یا صباحاہ فاجتمعت الیہ قریش فقالوا مالک قال أرأیتم ان اخبرکم ان العدو مصبحکم او ممسیکم اما تصدقونی قالوا بلیٰ۔[1] "ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید"[2] یعنی رسول اللہ ﷺ نے پوری طرح متوجہ کر کے اپنی قوم کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

طبری کے ایک قول کے مطابق یوں فرمایا۔

"اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبدمناف! اے بنی قصی! میں تم کو اللہ کی جانب بلاتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں"[3] دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اپنی تعلیم کا اعلان کیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔

کفار مکہ آخرت کے بالکل منکر تھے۔ اس لئے ان کو سب سے پہلے آخرت پر یقین لانے کی دعوت دی۔

اسلام نے عقیدہ آخرت کو اور جزا و سزا کے نظریہ کی حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں اس لئے داخل کیا ہے کہ اگر یہ تعلیم عقائد میں داخل نہ ہوتی تو دلوں میں اعمال کی جزا و سزا کی اہمیت اور عظمت نہ بیٹھتی اور نہ احکام الٰہی

---

[1] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دارالقلم، بیروت، 216/2

[2] القرآن۔ 46:34

[3] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1987ء، 702/2

کی تعمیل کی طرف دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا[سلہ] اس عقیدہ کی اہمیت کو مختلف انداز میں اجاگر کیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے مالک یوم الدین[سلہ] یعنی "مالک ہے روز جزا کا" روز جزاء یعنی قیامت کا دن جسے اللہ تعالی نے نیک و بد اعمال کا بدلہ دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے اس کی وضاحت یوں کی ہے

والدین الجزاء و الحساب کما قال تعالی یومئذ یوفیھم اللہ دینھم الحق[۲۸] و قال ء انا لمدینون[سلہ] ای مجزیون محاسبون و فی الحدیث" الکیس من دان نفسہ و عمل لما بعد الموت" ای حاسب نفسہ لنفسہ[سلہ]

دوسری جگہ ارشاد ہے ان الساعۃ لاتیۃ لا ریب فیھا ولکن اکثر الناس لا یؤمنون[سلہ] یعنی قیامت تو ضرور ہی آ کر رہے گی (تاکہ ہر ایک عمل کا پورا پورا بدلہ اس کو مل جائے) اس کے آنے میں کسی طرح کا شک ہے ہی نہیں مگر اکثر لوگ نہیں مانتے" قریش کو اسلام کی راہ پر لانے کے لئے یہ قطعی ناگزیر تھا کہ آخرت کا عقیدہ ان کے ذہن میں اتارا جائے۔ کیونکہ اس عقیدے کو مانے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق و باطل کے معاملے میں ان کا طرز فکر سنجیدہ ہو سکتا، خیر و شر کے معاملے میں ان کا معیار اقدار بدل سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر اس راہ پر ایک قدم بھی چل سکتے جس پر اسلام ان کو لانا چاہتا تھا۔[سلہ]

اسی طرح مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا :

"و بالاخرۃ ھم یوقنون"[سلہ] اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں "ای بالبعث و القیامۃ والجنۃ والنار والحساب والمیزان وانما سمیت الاخرۃ لانھا بعد الدنیا"[سلہ]

سلہ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1987ء، 85/1
سلہ القرآن ۔ 3:1 ۔ القرآن ۔ 37 : 53
سلہ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، مکتبہ الکلیات الازہریہ، القاہرہ، 324/1
سلہ القرآن ۔ 40 : 59
سلہ مودودی، ابوالاعلی، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1974ء، 220/1-222
سلہ القرآن ۔ 2 : 4
سلہ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفہ للطباعہ والنشر، بیروت، 1984ء، 43/1

آخرت پر ایمان لانا اجزاء ایمان میں اس حیثیت سے سب میں اہم جزو ہے کہ مقتضائے ایمان پر عمل کا جذبہ پیدا کرنا اس کا اثر ہے۔ عقیدہ آخرت اور خوف خدا ہی ہے جس کی وجہ سے انسان کی ظاہری اور باطنی حالت، جلوت و خلوت میں یکساں ہو سکتی ہے۔ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مکان کے بند دروازوں اور رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی دیکھنے والا مجھے دیکھ رہا ہے۔ کوئی لکھنے والا میرے اعمال لکھ رہا ہے۔ یہی وہ عقیدہ تھا جس پر پورا عمل کرنے کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں ایسا پاکباز معاشرہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی صورت دیکھ کر، چال چلن دیکھ کر، لوگ دل و جان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔[51]

6- اسلامی نظریہ حیات کی بنیادیں:

اسلامی نظریہ حیات کی بنیادوں کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ فلسفیانہ بنیادیں:

(1) الہامی ہدایت: اسلامی نظریہ حیات کی سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ الہامی ہدایت پر مبنی ہے۔ یہ کسی مخلوق کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس خالق کی عطا ہے جس نے ساری کائنات اور انسان کو خلق کیا ہے اور جس نے مخلوق کو ہدایت دینے کے لئے وحی اور انبیاء علیہم السلام کا انتظام کیا ہے۔ جیسا کہ خالق کائنات کا اپنا کلام اس کی گواہی دے رہا ہے:

ان هذا القران یهدی للتی هی اقوم[52]

یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله[53]

وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔

---

[51] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1987ء، 114/1

[52] القرآن - 19:17

[53] القرآن - 7:61

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی[51]

اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کے ذریعہ ہدایت ہونے کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے:

عن علیؓ قال انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الا انھا ستکون فتنۃ فقلت ما المخرج منھا یا رسول اللہ۔ قال کتاب اللہ[52] "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب فتنے ظاہر ہوں گے۔" تو علیؓ نے پوچھا کہ اس سے نجات کیسے ممکن ہوگی۔ فرمایا "کتاب اللہ پر عمل کرنے سے"۔ دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا خیرکم من تعلم القرآن و علمہ[53] تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

اسلامی آئیڈیالوجی کا الہامی ہونا، اسے باقی نظریات سے ممتاز کرتا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے نظام میں کسی کے لئے اپنی مرضی سے اضافہ یا کمی کرنے کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید یوں گویا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون[54]

ہم ہی نے اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

سید قطب لکھتے ہیں: "یہ ایک ربانی نظریہ ہے جو اپنے تمام اختیارات اور اصولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور انسان نے یہ نظریہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تمام خصوصیتوں اور اصولوں کے ساتھ کامل و مکمل حالت میں لیا ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی اضافہ کرے یا اس میں سے کچھ کم کر سکے بلکہ اس کے حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خود کو اس رنگ میں رنگ لے اور اپنی زندگی کو اس کے تقاضوں کے مطابق بنائے۔"[55]

---

[51] القرآن - 53:3-4

[52] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل کراچی، 2/134

[53] نفس المصدر 2/134

[54] القرآن، 15: 9

[55] سید قطب شہید، خصائص التصور الاسلامی و مقوماتہ (مترجم اردو اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول) اسلامک بک پبلشرز کویت، 1982ء، ص: 215

(2) ایمان: اسلامی آئیڈیالوجی کی دوسری فلسفیانہ بنیاد ایمان ہے۔ خدا، مرسلین اور آخرت پر ایمان ہی وہ انقلابی قوت ہے جس سے انسان کے فکر و نظر میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنی پوری زندگی کو خدا کے رنگ میں رنگنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ [1]

(ہم نے قبول کیا) اللہ کا رنگ اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے۔ نیز یہ کہ انسان ایمان کے نتیجہ میں اجتماعی فلاح کی راہ پر چل پڑتا ہے جس کا حکم اسے یوں دیا گیا ہے:

و تعاونوا علی البر والتقوٰی و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان [2]

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔

کنتم خیر أمۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر [3]

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے۔ نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون بلسانہ و یدہ [4]

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

آغاز اسلام کے وقت یہ ایمان ہی کی قوت تھی جس کے نتیجے میں ہر انسان کے دل میں خود ایک ایسی شمع روشن ہو گئی، جس نے بدی کی تاریکیوں کو چھانٹ دیا اور انسان کو ایک نیا روپ عطا کیا۔ اس کی وجہ سے ہر شخص خود اپنا نگران بن گیا اور کسی بیرونی دباؤ کے بغیر وہ خود اپنا محاسبہ کرنے لگا۔ دنیا سے بے جا محبت آپ سے آپ ختم ہو گئی اور انسان نے اعلیٰ مقاصد کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ برائیوں سے نفرت کا

---

[1] القرآن - 2:138 [2] القرآن - 5:2

[3] القرآن - 3:11

[4] الترمذی محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل، کراچی، 2/102

داعیہ ہر فرد کے نفس میں پیدا ہو گیا اور وہ بدی کے خلاف ایک ہمہ گیر جہاد میں مصروف ہو گیا۔ اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ:

الدنیا ملعونۃ و ملعون ما فیھا الا ذکر اللّٰہ و ما والاہ و عالم و متعلم۔ [51] "دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور اللہ کی محبوب چیزیں اور عالم اور متعلم۔"

اس یقین سے مومن کو ایمان میں پختگی اور روشنی نصیب ہوئی جس کا اظہار یوں کیا گیا۔

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ [52]

مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللّٰہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(3) وحدت: اسلامی آئیڈیالوجی کی تیسری بنیاد دین و دنیا کی وحدت ہے یہ بنیاد روح اور مادہ کی تقسیم اور دین و دنیا کی تفریق کو ابلیس کی ایجاد سمجھتی ہے۔ اس میں نہ رہبانیت کی گنجائش ہے اور نہ سیکولرزم کی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام [53] یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں۔

اس میں دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنے کا درس ہے جیسا کہ اس دعا میں تعلیم کیا گیا ہے:

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ [54]

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اچھائی دے اور آخرت میں بھی اچھائی۔ یہ دین کو دنیا کے تابع نہیں کرتی بلکہ دنیا کو دین کے تابع کرتی ہے۔ یہ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتی اور دنیا میں کی جانے والی جدوجہد کو آخرت کی سرخ روئی کی ضمانت قرار دیتی ہے۔ جس کے بارے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد یوں ہے:

الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ [55] "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

---

[51] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل، کراچی، 67/2

[52] علی المتقی الھندی، کنز العمال، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 210/8

[53] فتح الباری، ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 116/5

[54] القرآن - 201:2

[55] عینی، ابو محمد بن احمد العینی، عمدۃ القاری، شرح صحیح البخاری، دار الکتب، بیروت 248/7

اسلامی آئیڈیالوجی محض فرد کی زندگی کی تعمیر نہیں کرتی بلکہ اجتماعی زندگی میں تنظیم پیدا کرتی ہے۔ یہ فرد اور سماج دونوں کی ترقی اور بہتر کارکردگی کی ضمانت دیتی ہے "مسلم معاشرے کے ہر فرد کو اجتماعی تحریک کا سرگرم کارکن بناتی ہے۔ تاکہ معاشرہ اصلاح اور فلاح کی راہ پر چل کر کامرانیوں کی منزل پالے۔ اس درس کو قرآن مجید میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا و لا تفرقوا[1]

احادیث میں انفرادی ذمہ داریوں اور اجتماعیت کو اختیار کرنے کے لئے یوں تعلیم دی گئی ہے:

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ[2]

خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر نگران سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

علیکم بالجماعۃ و ایاکم والفرقۃ فان الشیطان مع الواحد[3]

تم پر اجتماعیت لازم ہے اور جماعت سے الگ نہ رہیں اس لئے کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔

ید اللّٰہ مع الجماعۃ[4] یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔

اسلامی تحریک ایک مشنری اور تعلیمی ادارہ ہے اور جو ریاست اور اجتماعی نظم، یہ قائم کرتی ہے وہ بھی اصلاً معلم اور داعی الی الحق کے فرائض انجام دیتا ہے۔

(4) اعتدال: اسلامی آئیڈیالوجی اعتدال پر مبنی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفوت[5]

---

[1] القرآن - 103:3

[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، 1387ھ، 50/2

[3] الترمذی محمد بن عیسیٰ الجامع، قرآن محل، کراچی، 49/2

[4] نفس المصدر، 49/2

[5] القرآن - 67 3

تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے اصول بھی متوازن ہیں اور اس کی ہدایات بھی اعتدال پر مبنی ہیں۔ اس نظریہ کی یہ خاصیت، خاصیت شمول سے مربوط اور ہم آہنگ ہے۔ گویا یہ نظریہ خود بھی متوازن ہے اور اس کی ہمہ گیری اور جامعیت میں بھی اعتدال ہے۔ اپنی اس بے نظیر خاصیت کی وجہ سے یہ نظریہ اپنے مطالب و مفاہیم میں افراط و تفریط ہر قسم کے غیر معمولی مبالغے اور اندرونی تصادم و تضاد سے محفوظ ہو گیا ہے۔ نیز اس کو کمی بیشی سے بچانے کے لئے ایک مستقل جماعت مقرر کرنے کے احکامات دیئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر [1]

تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو، جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں۔ اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کرتے رہیں۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے:

ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا و قاربوا و ابشروا [2]

دین آسان ہے اور دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا پس اعتدال میں رہو اور دین سے قریب رہو اور خوش خبری حاصل کرو۔

(5) توازن: "اسلامی آئیڈیالوجی ثبات اور تغیر کے درمیان مکمل توازن پیدا کرتی ہے۔ الہامی ارشاد ہے:

لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر و لا اللیل سابق النھار و کل فی فلک یسبحون [3]

---

[1] القرآن - 3، 104

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 10/1

[3] القرآن - 36: 4

نہ سورج سے ممکن ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر ایک اپنے مدار میں چکر لگاتا ہے۔

اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ زندگی کے ابدی اصول پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے' یہ آئیڈیالوجی ایسے بنیادی اصول پیش کرتی ہے' جو فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہیں۔ چونکہ انسانی فطرت بدلتی نہیں اس لئے ان اصولوں میں تبدیلی بھی ممکن نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے' جو انسان کو اختیار دیتا ہے کہ خدا اور رسول کی حدود کو قائم رکھتے ہوئے نئے مسائل کا حل اپنی فکری قوت سے تلاش کریں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا [91]

اللہ کسی شخص پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

ما یرید اللّٰہ لیجعل علیکم فی الدین من حرج [92]

اللہ تم پر دین میں تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین [93]

سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے ایک حصہ ان کا تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں

اسلام نے کائنات اور اس کے نظام کو سمجھنے کے لئے کئی مواقع پر تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

ان فی خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف الیل والنھار لاٰیات لاولی الالباب [94]

---

[91] القرآن - 286:2

[92] القرآن - 6:5

[93] القرآن - 122:9

[94] القرآن - 190:3

بیشک زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات و دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

مرج البحرین یلتقیٰن بینهما برزخ لا یبغیٰن فبای الاء ربکما تکذبان [51]

چلائے دو دریا مل کر چلنے والے، ان دونوں میں ہے ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ پس اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یا یها الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوٰک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک [52]

اے انسان کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کر دیا پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا بنایا۔

اسلامی آئیڈیالوجی میں انسان کو اپنی ذات میں اور کائنات کی ہر چیز میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم [53]

اب ہم دکھائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں۔ یوں اسلام نے سائنس اور مذہب کے تضاد کو ختم کر دیا ہے۔

(6) تدریج۔ نظریہ اسلام تدریج کے اصول پر قائم ہے۔ اسلام کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، حرمت شراب، حرمت سود وغیرہ کے نفاذ میں اسی اصول کا اہتمام فرمایا ہے۔ اس کا مقصد انسانوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ہے تاکہ وہ مرحلہ وار اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال سکیں اور آہستہ آہستہ اس نظام عدل کو اپنا شعار بنا سکیں جو شریعت کی شکل میں ان تک پہنچا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

---

[51] القرآن - 55 14-13

[52] القرآن - 82:6-8

[53] القرآن 41 53

یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر [91]

اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف امیر بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تو اہل کتاب کے پاس جا رہا ہے (اس کے بعد یوں فرمایا):

فلیکن اول ما تدعوھم الیہ عبادۃ اللّٰہ عزو جل فاذا عرفوا اللّٰہ عزو جل فاخبرھم ان اللّٰہ قد فرض علیھم زکوٰۃ تؤخذ من اموالھم فترد علیٰ فقرائھم فاذا اطاعوا لھا فخذ منھم و توقی کرائم اموالھم [92]

تم پہلے ان کو اللہ کی طرف بلاؤ (کلمہ کی دعوت دو) اگر مان گئے تو پھر نماز کی دعوت دو، اگر یہ بھی مان گئے تو زکوٰۃ کی دعوت دو، کہ اغنیاء سے مال لیا جائے گا اور ان کے فقراء پر تقسیم کیا جائے گا اور زکوٰۃ میں بہترین مال سے بچو (بلکہ درمیانی مال لیا کرو)۔

تدریج کا اصول خدا کا اپنے بندوں پر احسان عظیم ہے یہ احسان اس اللہ کی طرف سے ہے جو کسی کو اس کی گنجائش سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا جیسا کہ ارشاد ہے:

لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا [93]

اللہ کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔

لا اکراہ فی الدین [94] یعنی دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ انسان کے بوجھ کو ہلکا کر دے اس کے بارے میں اللہ کے نبی ﷺ نے مستقل ہدایات دی ہیں:

---

91 القرآن - 2: 185

92 مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1956، 37/1

93 القرآن - 2: 286

94 القرآن - 2: 256

عن ابی موسیٰ قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا بعث احدا من اصحابہ فی بعض امرہ قال بشروا ولا تنفروا و یسروا ولا تعسروا[1]

ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو کام پر بھیجتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو خوش خبری دلاؤ، نفرت مت دلاؤ اور سہولت نکالو، تنگی مت نکالو۔

تدریج اسلامی اصول حیات کا ایک مستقل اصول ہے اور ہر دور میں اس سے فائدہ اٹھانا ہر مسلمان کا حق ہے البتہ یہ اصول انہی لوگوں کے لئے ہیں جو فی الحقیقت خدا کے قانون کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے نہیں جو تدریج کے نام پر اطاعت کا قلادہ گردن سے اتار دینا چاہتے ہیں۔

ب۔ معاشرتی بنیادیں:

(۱) مستحکم اصول و ضوابط: اسلامی آئیڈیالوجی نے دنیا کو ایک ایسا پائیدار معاشرتی نظام دیا، جس کے اصول و ضوابط مستقل و محکم ہیں۔ جس کا پورا امزاج عدل سے مرکب ہے اور جس کے تمام عناصر باہم مربوط ہیں۔ قرآن مجید اس امر پر شاہد ہے:

صنع اللّٰہ الذی اتقن کل شیء[2]

کاریگری اللہ کی جس نے درست اور مضبوط کیا ہر چیز کو۔

چونکہ ہر معاشرہ، افراد کا مجموعہ ہے اور فرد، معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اس لئے فرد کی اصلاح، معاشرے کی اصلاح کا پہلا زینہ ہے۔ اس لئے اسلامی نظریہ حیات، فرد اور سماج دونوں کی تربیت، تہذیب اور اصلاح کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کے لئے مفصل احکام موجود ہیں:

و تعاونوا علی البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان[3]

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1/ 904
[2] القرآن - 88:27
[3] القرآن - 2:5

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر، اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر

ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التى جعل الله لكم قيما [51]

اور مت دو بیوقوفوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه و ذلك اضعف الايمان [52]

تم میں سے جو کوئی کسی ناجائز چیز کو دیکھے تو چاہئے کہ ہاتھ سے روک دے اگر یہ کرنا اس کی طاقت سے باہر ہو تو زبان سے روک دے ورنہ دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کی کمزور نشانی ہے۔

گویا اسلام کے دیئے ہوئے معاشرتی نظام کی عمارت دراصل تربیت فرد اور تعمیر معاشرہ کے دو ستونوں پر کھڑی ہے۔ ایک محقق کے مطابق:

"اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے وہ انسان کو محض نظام اجتماعی کا ایک بے جان اور معطل پرزہ یا ماحول کا ایک پرتو محض نہیں سمجھتا بلکہ اسے معاشرے کا انتہائی اہم جزو اور اصل "تاریخ ساز" قرار دیتا ہے۔ [53]

(2) <u>جوابدہی کا تصور:</u> اسلامی آئیڈیالوجی فرد میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اور اپنے ہر ہر عمل کے سلسلے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره [54]

سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے، اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے۔

مزید فرمایا وان ليس للانسان الا ما سعى [55]

---

[51] القرآن - 5:4

[52] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، قرآن محل، کراچی، 49/2

[53] خورشید احمد، چراغ راہ، نظریہ پاکستان نمبر، کراچی، 1960ء، ص: 408

[54] القرآن - 8:99

[55] القرآن - 39:53

اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کے لئے اس نے کوشش کی۔

نظریہ اسلام فرد کو ایمان پر مستحکم رہنے اور اور علم دین حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ نیز دین کو سمجھ لینے کے بعد ایمان کی پختگی کی تلقین کرتا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون [سلہ]

سو پوچھو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے اور یہ کہ فاستقم کما امرت [سلہ] یعنی سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا ہے۔ اس طرح۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ [سلہ] یعنی پھر جب تو ارادہ کر چکا اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر۔

دین کی سمجھ اور ایمان کی پختگی سے عملی زندگی کی کامرانی کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔ عملی زندگی میں کامیابی کے لئے اسلامی نظریہ حیات فرد کو ولولہ اصلاح اور جرات عمل کا درس دیتا ہے۔ یہ آئیڈیالوجی فرد کی مستقل سماجی تربیت اور مسلسل روحانی بالیدگی کے لئے مہارات کے ایک جامع نظام کا نشان بتاتی ہے۔ فرد کو افراط و تفریط سے بچانے کے لئے اعتدال اور میانہ روی کا سبق دیتی ہے۔ اور یہ نظریہ دین کے قیام اور اس کی سربلندی کے لئے فرد کو مسلسل جدوجہد اور قربانی کی تحریک دیتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا:

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الأعلون ان كنتم مؤمنين [سلہ]

اور دشمن کے مقابلہ پر سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تمہارا ایمان مضبوط رہا۔

(3) <u>رواداری:</u> اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال کی راہ اپنانے کا درس دیا، لغو اور بے فائدہ کاموں اور ایسے طور طریقے اختیار کرنے سے روکا جن میں غیر اسلامی معاشرے کی روح کارفرما ہو۔

سلہ القرآن - 43:16

سلہ القرآن - 112:11

سلہ القرآن - 159:3

سلہ القرآن - 139:3

جیسے ارشاد ہوا:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم [51]

اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جنکی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا، پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے۔ ایک مفکر کے نزدیک:

"مسلمان کا معاشرتی امتیاز ہر حال میں اور ہر پہلو سے نمایاں رہنا چاہیے۔ ان کے لئے ایسی رواداری، رواداری نہیں بلکہ مداہنت ہے، جس سے اسلام اور غیر اسلام میں کوئی ادنیٰ سی بھی جوہری ہم رشتگی ظاہر ہوتی ہو" [52]

اسلام نے جو درس دیا ہے وہ یہ کہ دشمنوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔ برا چاہنے والوں کے ساتھ بھلائی کرو۔ جو تم کو بد دعائیں دیں ان کو دعا دو۔ جو تمہارا قصور کریں ان کو معاف کرو، اور جو تم پر ظلم کریں ان کے ساتھ انصاف کرو۔ ارشاد ربانی ہے:

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا [53]

اے ایمان والو! خدا کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ انصاف کے ساتھ، گواہ بن کر، اور کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل و انصاف کرنے سے باز نہ رکھے۔

مزید ارشاد ہے:

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بین الذین عداوۃ کانہ ولی حمیم [54]

برائی کو بھلائی سے ختم کرو تو ایسا کرنے سے تمہارا بدترین دشمن بھی تمہارا گہرا محبوب بن جائیگا۔

اس ضمن میں ایک مورخ یوں رقم طراز ہیں:

---

[51] القرآن - 109:6

[52] اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، اسلامک علی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، 1983ء، ص: 215

[53] القرآن - 8:5

"اگر عفو و درگذر کی عملی مثالیں دیکھنی ہیں تو اس عظیم ہستی کی طرف دیکھیں۔ جس نے فاتح بن کر مفتوح ہو کر نہیں۔ حاکم ہو کر محکوم ہو کر نہیں' یک بار مکہ کے ان ہزاروں دشمنوں کو معاف کر دیا جن میں سے ہر ایک ان کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا۔"[51]

ج- اخلاقی بنیادیں:

(ا) رضائے الٰہی: اسلامی نظریہ حیات سب سے پہلے انسانی روح کو نفسانی خواہشوں کی غلامی سے آزاد اور مادیت پرستی کی آلائشوں سے پاک کرتا ہے تاکہ بندہ رضائے الٰہی کے مطابق اپنی عملی زندگی گزار سکے۔ زندگی کے تمام امور میں اس روح کو جاری و ساری رکھنے کے لئے اسلام نے مستقل تعلیمات دی ہیں۔

جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین[52]

تو کہہ کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔

لن ینال اللّٰہ لحومها و دماءها ولکن یناله التقویٰ منکم[53]

اللہ کو نہیں پہنچتا تمہاری قربانی کا گوشت اور نہ اس کا خون بلکہ اس کو پہنچتا ہے تمہارا اخلاص۔

فادعوہ مخلصین له الدین[54]

"اس کو پکارو اس طرح کہ عبادت اس کے لئے خالص کرو۔" مقصود ان ساری تعلیمات کا یہ ہے کہ انسان کو اپنے ہر ہر عمل میں اس خالق و مالک کی رضا کو تلاش کرنا چاہئے جس نے اسے ہر چیز عطا کی ہے۔ اس جذبہ اخلاص کی وجہ سے ہی وہ نفسانی خواہشات سے بچے گا اور معاشرہ فتنہ و فساد سے محفوظ رہے گا۔

---

[51] علامہ شبلی نعمانی' سیرت النبی ﷺ ' آرمی بک کلب 1979ء' راولپنڈی' 157/6
[52] القرآن - 163:6
[53] القرآن - 37:22
[54] القرآن - 65:40

(2) امر بالمعروف و نہی عن المنکر: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد اور بری حرکتوں سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش، مسلم معاشرے کا وصف خاص ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر [۵۱]

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے۔

اس کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے مستقل آداب و تقاضوں سے بھی روشناس کرایا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ [۵۲]

تو اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی سے اور اچھی نصیحت سے بلا، حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تو یہ کہا گیا:

فقولا لہ قولا لینا [۵۳] "تم دونوں اس سے نرمی سے باتیں کرنا"۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لئے خود اس پر عامل ہونا یوں ضروری قرار دیا گیا۔

اتأمرون الناس بالبر و تنسون انفسکم [۵۴]

کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو۔ اس طرح فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا بیک وقت اہتمام کیا گیا۔

اسلام کے تصور اخلاق کی امتیازی خصوصیات، ایک معلم نے یوں بیان کی ہیں۔

"اسلام رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر اخلاق کے لئے ایک ایسا بلند معیار فراہم کرتا ہے، جس کی وجہ سے اخلاقی ارتقاء کے امکانات کی کوئی انتہا نہیں رہتی نیز خوف خدا کے ذریعہ سے اخلاق کو وہ قوت نافذہ دیتا ہے جو خارجی دباؤ کے بغیر انسان سے اس کی پابندی کراتی ہے۔" [۵۵]

---

۵۱ القرآن - 110:3

۵۲ القرآن - 125:16

۵۳ القرآن - 44:20

۵۴ القرآن - 2: 44

۵۵ امر سلیم، اسلامی نظام، مسائل اور تجزیے، سلیم امر ٹرسٹ، کراچی، 1984ء، ص 392-393

خلاصہ:

نظریہ اسلام زندگی کے دونوں پہلوؤں یعنی مادی Physical اور غیر مادی Meta-Physical کا بیک وقت احاطہ کرتا ہے۔ غیر مادی پہلوؤں یعنی عقائد و نظریات کے اعتبار سے توحید و آخرت، رسالت، ملائکہ، تقدیر، اور مادی اعتبار سے سماوی کتب عبادات و معاملات نیز اخلاق و آداب زندگی کا مکمل احاطہ کرتے ہیں۔ نظریہ اسلام میں حقائق و مسلمات طے کر دیئے گئے ہیں اور جزئیات میں ارتقاء کے عمل کو جاری رکھا گیا ہے۔

اسلامی نظریہ حیات الہامی ہدایت پر مبنی ہے جس کی اساس خدا، مرسلین اور آخرت پر ایمان ہے۔ اس میں رہبانیت کی گنجائش نہیں۔ بلکہ یہ دنیا اور آخرت دونوں کو بیک وقت سنوارنے کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کے احکامات میں مکمل توازن اور اعتدال ہے جبکہ انسان کی استطاعت و مقدرت کی رعایت کرتے ہوئے یہ نظریہ اپنے اصول و ضوابط پر تدریجاً عملدرآمد کی سہولت مہیا کرتا ہے۔

اسلامی آئیڈیالوجی پر مرتب معاشرے کا پورا مزاج عدل سے مرکب ہوتا ہے اور اس معاشرتی نظام کی عمارت دراصل تربیت فرد اور تعمیر معاشرہ کے دو ستونوں پر کھڑی ہے۔ یہ نظریہ فرد کے لئے لازمی قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے اعمال میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھے نیز اس کے قیام کے لئے حتی المقدور جدوجہد کرے۔

نظریہ اسلام کی جامعیت سے یہ امر آشکار ہوتا ہے کہ نظریہ کے تحت زندگی بامقصد طریقہ سے گذرتی ہے اور انسان زندگی کی سہولتوں سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ غیر نظریاتی معاشرے میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے نیز یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں پر محیط نظریہ حیات سے دنیا میں امن اور خیر خواہی جنم لیتی ہے جبکہ صرف دنیاوی مقاصد پر مشتمل نظریات سے ظلم و تعدی جنم لیتے ہیں۔

فصل سوم - عسکریت

نبی اکرم ﷺ سے پہلے ساری دنیا میں مقاصد جنگ کی طرح جنگ کے طریقے بھی وحشیانہ تھے۔ جنگ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہولناک غیظ و غضب کی مظہر ہوتی تھی۔ مقاتلین (میدان جنگ میں لڑنے والے) اور غیر

متاثلین (میدان جنگ میں حصہ نہ لینے والے) کا کوئی فرق نہیں تھا۔ لڑائی کا اثر سوسائٹی کے ہر طبقے پر پڑتا تھا اور ہر شخص یکساں طور پر تہہ تیغ کیا جاتا تھا۔

1- غیر مسلم معاشرہ اور عسکریت

الف- ہندومت کا نظریہ اور عسکریت:

ہندوؤں کے ہاں کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ملتا۔ مختلف الخیال طبقات اور شعار و عبارات کو، جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں، اس ہندومت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ تاہم جدید ہندوؤں نے چاروں ویدوں، گیتا اور منو سمرتی کو مذہب کی بنیاد و اساس کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ اور یہی کتابیں ان کی عسکریت سے آگاہی دلواتی ہیں۔ وید اس زمانے کی تصنیف ہیں جب آریہ قوم وسط ایشیا سے نکل کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئی تھی اور ان کا مقابلہ ہندوستان کے اصلی باشندوں دراوڑوں، بھیل اور دوسری قوموں سے ہوا تھا۔ آرین چونکہ بلند قامت اور خوبصورت تھے، اس لئے وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں کو، جن کے رنگ کالے تھے اور بدصورت تھے، نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ویدوں میں ان کی اس بنائے مخاصمت اور وجود دشمنی کو بصورت نظم پیش کیا گیا ہے۔

ویدوں کی طرح دوسری کتاب جو ہندوؤں کی حرب و جنگ کے فلسفہ کو واضح کرتی ہے وہ گیتا ہے۔ گیتا اس زمانے کی تصنیف ہے جبکہ آریوں کا تسلط پورے شمالی ہند پر قائم ہو چکا تھا اور ہندو تہذیب و تمدن انتہائی عروج پر تھے۔ تو اس وقت تفوق و برتری کے لئے خود آریوں کے دو بااثر خاندانوں میں کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ اس کتاب میں کرشن مہاراج کے عظیم پیشوا نے جنگ کے متعلق اپنے فلسفیانہ افکار و خیالات پیش کئے ہیں۔

اسی طرح کی عسکری نظریات و احکام پر مشتمل کتاب منو سمرتی ہے۔ منو سمرتی اس دور میں تصنیف ہوئی جبکہ سارا ہندوستان آریہ ورت بن چکا تھا اور مقامی باشندوں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا اور آریائی تہذیب پورے عروج پر تھی اس کتاب میں جنگ کے قواعد و ضوابط اور مفتوح اقوام کے حقوق و فرائض کے متعلق بہت کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ ان مذکورہ کتابوں کے کچھ اقتباسات ہندوؤں کے عسکری نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔

(1) دولت و خوراک اکٹھا کرنے کا جذبہ : "اے اندرا ہم کو خوب دولت اور خوراک جمع کر لینے دے ہم بہادروں کی سی قوت پیدا کر لیں جو مویشی اور گھوڑے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔"[1]

(2) مال و دولت اکٹھا کرنے کا جذبہ : "اے اندرا جب میدان جنگ گرم ہو تو ہمارے پاس مال و دولت کے جمع کئے ہوئے خزانے لا، ہمارے حریفوں کے ہتھیار توڑ دے۔ ہمیں مال و دولت عطا کر۔ اے بہادرا ہم فتح یاب ہوں۔ مال غنیمت حاصل کریں۔"[52]

(3) شہرت و ناموری حاصل کرنے کا جذبہ : "جب اچھے نقشے کے ساتھ بہادر لوگ فوج کو آگے بڑھاتے ہیں تو وہ باقاعدہ جنگ میں فتح حاصل کرتے ہیں اور شہرت و ناموری کی تلاش میں بڑھتے ہیں اور رہاتے چلے جاتے ہیں"۔[53]

(4) دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے قتل کرنا : "روئے زمین کے جو حکمران ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یا قتل کرنے کی خواہش سے اپنی تمام قوت کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور کبھی منہ نہیں موڑتے وہ مرنے کے بعد سیدھے بہشت کی طرف جاتے ہیں۔[54]

(5)۔ ممالک کو فتح کرنے کا جذبہ : "راجہ کا خالص فرض یہ ہے کہ ممالک فتح کرے اور جنگ سے کبھی نہ ٹلے"

ان تعلیمات کی روشنی میں یہی واضح ہوتا ہے کہ ان تعلیمات کو ہندو عساکر کی نظریاتی اور مذہبی تربیت محض محدود مقاصد کے لئے کی جاتی تھی۔ ان کے نزدیک جنگ کا کوئی بلند و ارفع اخلاقی مقصد نہ تھا اور نہ یہ جنگیں کبھی مذہب کی اشاعت کے لئے لڑی گئی تھیں۔ ان کا واضح نصب العین مقامی باشندوں کو کلیتاً ختم کر کے ان کے اموال و مویشی پر قبضہ کرنا تھا۔ گویا ان جنگوں کا مقصد مال غنیمت، لوٹ، غارت گری، شہرت و ناموری کی خواہش، ہوس قوت و اقتدار و ملک گیری، انتقام و وحشت و بربریت اور قتل انسان کے سوا کچھ نہ تھا۔

ب۔ یہودیت اور عسکریت:

یہودیت کی مرکزی اور بنیادی تعلیم کی ماخذ ان کی کتاب تورات موجود ہے۔ جس سے ہم ان کے مذہب کے احکام

---

[52] رگ وید: 53 - 5'4

[53] رگ وید: 25 - 6'5'3'2

[54] رگ وید: 174 - 7

[55] منو: 7 - 89

و قوانین معلوم کر سکتے ہیں اگرچہ جو تورات آج موجود ہے وہ درحقیقت وہ کتاب نہیں ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ بلکہ وہ کتاب ہے جسے عہد عتیق (Old-Testament) کہا جاتا ہے۔ تورات میں جنگ کے مقاصد کے حوالے سے یوں مذکور ہے "اور ہم نے ان کو یعنی ان مردوں اور عورتوں اور لڑکیوں کو ہر ایک شہر میں حسبون کے بادشاہ سیحون کی طرح حرم کیا۔ لیکن سارے مویشی، شہروں اور مال و اسباب کو ہم نے اپنے واسطے لوٹ لیا"۔ [1]

مزید یوں بھی لکھا ہے "اور ہم نے کسی کو باقی نہیں چھوڑا، سوائے چارپایوں کے، جنہیں ہم نے غنیمت جان کر پکڑ لیا اور اس مال کے، جو ہم نے شہروں میں سے لوٹا"۔ [2]

یہودیوں کی عسکری تربیت کے لئے ان کی مقدس کتابوں میں جابجا دشمن کو تہس نہس کرنے کی تعلیم موجود ہے۔ ایک مفکر یوں رقمطراز ہے کہ "جنگ کے بارے میں دوسرے ادیان کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے زیادہ سخت اور وحشت ناک جنگ ہمیں یہودی مذہب میں ملتی ہے جس کا مقصد دشمن کو مکمل طور پر تباہ کر دینا اور ملیا میٹ کرنا ہے چاہے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے۔ [3]

عہد قدیم الاصحاح 13 شہنہ الاشتراع میں یوں نقل کیا گیا ہے۔ شہر کے باشندوں کو ہتھیار اور تلوار کے زور سے ایسا مارا جائے کہ وہ بالکل فنا ہو جائیں اور ان کی ہر قسم کی نعمتوں حتیٰ کہ مویشیوں کو طاقت کے بل بوتے پر محروم کر دیا جائے اور تمام مال غنیمت اور ان کی جائیدادیں وسط شہر میں اکٹھی کر کے خاکستر کر دی جائیں اور آگ سے بھسم کر دیا جائے اور اپنے معبود کو خوش کرنے کے لئے ان کی تمام جائیدادیں ویران کھنڈروں کی صورت میں بنا دی جائیں اور ایسے بلند و بالا ٹیلوں میں تبدیل کر دی جائیں کہ وہ قیامت تک آباد نہ ہو سکیں۔" یہودی مفکرین نے اس نظریہ کی یوں وضاحت کی ہے۔ رنست ریتان گویا ہیں کہ : "دنیا میں جب عدل کا وجود نہ ہو یا عدل کا قیام بھی ناممکن ہو تو اس وقت بہتر یہی ہے کہ مملکت کو ملیا میٹ کر دیا جائے۔" اسی طرح ڈاکٹر اوسکار لیفی اپنا نظریہ یوں پیش کرتے ہیں۔ "ہم یہودیوں کا شعار یعنی نظریہ یہ ہے کہ دنیا کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے بالخصوص فتنہ و فساد پھیلانے والے لوگ اور نفرت کی چنگاری سلگانے والوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔" [4]

---

[1] کتاب استثنا۔ 3:7

[2] نفس المصدر۔ 2: 35

[3] الدکتور ج۔ ہ برحش، فی الفکر الیہودی، الطبعۃ الاکبر عامیرا طوریہ بریطانیہ، دار مجلی للطبع والنشر، بیروت، ص ۱

[4] نفس المصدر، ص ۱۷۵

الدکتور وہبہ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، ص: 44، 45

موجودہ دور میں یہودیوں کی بربریت اور وحشت کا منہ بولتا ثبوت فلسطین میں 1948ء سے لڑی جانے والی جنگیں ہیں جو آج تک جاری ہیں۔ گویا تورات میں بھی جنگ کے کسی اخلاقی مقصد کی نشاندہی نہیں کی گئی بلکہ جنگ کا مقصد ملک گیری بتایا ہے اور ایک ملک کے باشندوں کو طاقت کے زور سے مغلوب کر کے خود ان کو اور ان کے مال و اسباب کو قبضہ میں لے لینا ہے۔

ج۔ مسیحیت اور عسکریت:

مسیحیت کی تعلیم اناجیل اربعہ یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا پر مشتمل ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت دراصل سنیاس، رہبانیت، اور ترک دنیا کا مذہب ہے۔ ظلم و استبداد کے استیصال کے لئے قوت اور جبر کا استعمال قطعاً ممنوع ہے۔ جنگ سے احتراز کا یہ حکم رہبانیت و ترک دنیا کی صورت میں منتج ہوا۔ عیسائی معاشرہ میں جنگ، فوج یا عسکر کا تصور نادر، مفقود رہا۔ نیک دل عیسائی ہمیشہ فوج کی زندگی کو غیر عیسائی زندگی تصور کرتے تھے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مارٹن لوتھر سے پوچھا گیا کہ آیا "فوجی سپاہی عیسائی رہ سکتا ہے۔"[1] اس سوال کی تہ میں اس دور کے سپاہیوں کا پست کردار تھا۔ جو زمانہ امن اور ایام جنگ کے دوران یکساں طور پر عیسائیت کے احکام اور اصولوں کے منافی ہوا کرتا تھا۔ یہ ان کی غلطی نہ تھی کیونکہ عیسائیت نے اپنے نظام سے جنگ کو خارج کر رکھا تھا لہٰذا جنگ سے متعلق احکام کے فقدان کو قبول کرنے والا نظریہ حیات، عسکری زندگی گذارنے والوں کو، اپنے دوسرے احکام ماننے پر کس طرح مجبور کر سکتا تھا؟

نتیجتاً یورپی ممالک کے شوق جنگ جوئی میں عیسائی افواج کے اعمال ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد رہے ہیں۔ گویا مسیحیت، عسکریت کی نفی کرنے کے باوجود پوری طرح اسے اپنائے ہوئے ہے۔ بلکہ اس میدان میں ہمیشہ زیادتی کی مرتکب رہی ہے۔ جس کی نمایاں مثال صلیبی جنگوں میں ملتی ہے۔

صلیبی جنگوں کے واقعات کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو جنگ دین عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر لڑی گئی تھی اس کے دوران دین عیسیٰؑ کے ہر اصول کو بے دریغ اور انتہائی بے دردی سے توڑا گیا۔[2] ان جنگوں کے آغاز سے اختتام تک "رسول امن و سلامتی" کی امت نے ہر اس اصول کی خلاف ورزی کی جو حضرت عیسیٰ کے اقوال و اعمال

---

[1] اول میڈ، جدید تحرکات کے بانی، میکاولی پر مضمون، پرلسن، 1902ء، ص: 7

[2] گلزار احمد بریگیڈیر، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک علی کیشنز، لاہور، ص 259

کے ساتھ منسوب تھا۔ جب عیسائی لشکر بیت المقدس میں داخل ہوئے تو وہی شہر جسے حضرت عمرؓ نے چار سو ساٹھ سال قبل خون کی ایک بوند بہائے بغیر حاصل کیا تھا اور نہ ہی کسی مرد یا عورت کی آبرو ریزی کی گئی تھی اس شہر میں یورپ کے عیسائی شہسواروں نے "عیسائیت کے خدا کے سامنے خون کے فواروں کی شکل میں قربانیاں پیش کیں ---- نہ تو بڑھاپے کا پاس رکھا اور نہ ہی عورتوں کے احترام کا خیال ان کے غصہ کو ٹھنڈا کر سکا۔ تین دن تک وہ مسلسل کشت و خون میں سرگرم رہے۔ جب ستر ہزار مسلمان تہہ تیغ کیے جا چکے اور کافی یہودی اپنے معبدوں میں آگ کے شعلوں کی نذر کیے جا چکے تب جا کر انہیں یقین آیا کہ "محبت کے پیغمبر" کے ساتھ ان کی جو عقیدت تھی اس کا عملی ثبوت دیا جا چکا تھا اور پھر وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں بھیجے ہوئے دلوں کے ساتھ گرجا میں داخل ہوئے اور یوں اپنے قلب و ذہن کو پاکیزگی بخشی۔[۹۵]

1099 میں صلیبیوں نے یروشلم (بیت المقدس) فتح کر لیا اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ ان کے تصرف میں آگیا۔ بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوال اور مسیحی دنیا کی بیداری اور اس کی نوخیز طاقت کی خبر دیتی تھی اور عالم اسلام میں خطرہ کی گھنٹی تھی۔ مسیحیوں کے حوصلے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ ریجی نالڈ والئی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر بھی چڑھائی کا ارادہ کیا تھا واقعہ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھڑی نہیں آئی تھی۔ اس دوران بے رحم عیسائی عسکریت نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

د۔ اہل روم و فارس اور عسکریت:

بعثت نبوی ﷺ کے وقت دنیا کی دو عظیم الشان مملکتیں یعنی فارس اور روما الگ الگ مذہب و تہذیب کی علم بردار تھیں اور دونوں حکومتوں میں وطنی، قومی اور مذہبی تعصب نے شدید جذبہ منافرت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہور اسلام سے قبل اور بعد ایک عرصہ تک ان میں باہم جنگ و قتال جاری رہا۔ مگر ان کے تعصب قومیت نے کچھ ایسی بھیانک شکل اختیار کر لی تھی کہ یہ لوگ حملہ و ہجوم کے وقت مذہب اور اخلاق و شرافت کے تقاضوں کو بالکل بھول جاتے تھے۔ رومی اور فارسی عسکریت کے اس وحشیانہ پہلو کی نشاندہی مورخین نے یوں کی ہے کہ "ایرانی بادشاہ قباد

---

[۹۵] گلزار احمد بریگیڈیر، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص: 275

کے زمانہ میں جب حکومت ایران کے اشارہ سے حیرہ کے بادشاہ منذر نے شام پر چڑھائی کی تو اس نے انطاکیہ میں 400 راہبات کو پکڑ کر عزیٰ کے بت پر بھینٹ چڑھا دیا۔[1] اسی طرح خسرو پرویز نے جب قیصر ماریس کا بدلہ لینے کے بہانے سے سلطنت روم کے خلاف اعلان جنگ کیا تو اپنے حدود مملکت میں مسیحیوں کے کلیسا مسمار کرا دیئے۔ نذر کے اموال لوٹ لئے اور صلیب پرستوں کو آتش پرستی پر مجبور کیا۔[2] اور جب ہرقل نے شمال کی جانب سے ایران پر حملہ کیا تو مجوسیوں کے آتش کدوں کو برباد کرا دیا اور زرتشت کے وطن ارمیاہ کو پیوند خاک کر دیا اور مجوسی مذہب کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔[3]

ھ- عرب قدیم اور عسکریت:

عرب قدیم کے حالات معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس صرف دو ذرائع ہیں۔ ایک وہ داستانیں جو ایام العرب کے نام سے اہل عرب میں رائج تھیں۔ دوسرے شعراء عرب کا کلام جس میں وہ اپنی معاشرت کی تصویر کھینچتے ہیں۔ عرب میں جنگ کی حیثیت ایک قومی پیشہ کی سی تھی۔ ایام جاہلیت میں جاری جنگ ظلم واستبداد کی جنگ تھی۔ قبائل اپنے ہاں قبائلی نظام کی وجہ سے ہمیشہ جنگ و جدل میں مشغول رہتے تھے۔ ہمیشہ دشمن پر اپنا غلبہ جتانے کی فکر میں رہتے اور حلیف کی مدد کے لئے ظلم یا عدل کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ وہ کسی حکومت کے انتظام میں نہ تھے۔ جنگل کا قانون تھا۔ اس کی وضاحت میں ڈاکٹر جوشاف لوبون نے کہا ہے کہ "محمد ﷺ کے ظہور سے قبل جزیرۃ العرب ایک مسلسل جنگ کا میدان تھا اہل عرب فطری طور پر سخت جنگ جو اور دلیر واقع ہوئے تھے اور ان میں مسلسل جنگیں جاری رہتی تھیں۔ ان جنگوں میں جس طرح کے وحشیانہ اور اخلاق سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا ان کے تصور ہی سے دنیا کانپ اٹھتی ہے۔ عرب شاعر اپنے جنگی کارناموں کا اظہار اپنے اشعار میں بڑے فخریہ انداز سے کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے ادبی لٹریچر سے (جو بیشتر ان کے جنگی کارناموں پر مشتمل ہے) ان کے مقاصد جنگ معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

انی لمن معشر افنیٰ اوائلهم   قیل الکماة الا این المحامونا

"میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس کے سردار بہادروں کی اس پکار پر کہ ہاں قبیلہ و نسب کو بچانے

---

[1] Sykes, History of Paris, Vol : I, P : 482

[2] Gibbion, Roman Empire, Vol : V, Ch : 46

[3] Gibbion, Roman Empire, Vol : I, Ch : 46

والے کہاں ہیں، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔"

واحیانا علی بکر اخینا　　اذا مالم نجد الا اخانا[1]

"اور بہت دفعہ ہم اپنے بھائیوں یعنی بنی بکر پر حملہ کر دیتے ہیں۔ جبکہ اپنے بھائی کے سوا ہم کسی دوسرے کو نہیں پاتے۔"

مذکورہ اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عرب کی تمام جنگیں غارت گری، انتقام یا تفاخر کے لئے ہوتی تھیں اور بغض و عداوت کی آگ ان کے وحشیانہ افعال کو ہلاکت آفرین اور قیامت خیز بنا دیتی تھی۔

و۔ اشتراکیت اور عسکریت:

کیمونزم یعنی اشتراکیت کوئی ایسا فرقہ نہیں جس کی بنیاد کسی مذہب پر استوار کی گئی ہو بلکہ اشتراکی نظام پر یقین رکھنے والوں کے نزدیک خدا کا وجود اور مذہب سرے سے عبث خیالات ہیں۔ یہ گروہ کسی مذہب کے لگے بندھے اصولوں پر چلنے کو غلامی کے مترادف سمجھتا ہے اس آزادی کے پیش نظر چونکہ اللہ تعالیٰ، عالم آخرت، جزا و سزا کا انکار لازم آتا ہے۔ اس لئے ان سے کسی پاکیزہ مقصد کے حصول کے لئے جنگ لڑنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ ان کے ہاں دشمنوں پر اپنا تسلط رکھنے کے لئے عیاری و مکاری، وحشت و بربریت و روح گری اور زر و مال کا لالچ، غرضیکہ ہر قسم کا جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنا کوئی جرم نہیں۔ اس طرح اس فلسفے میں ہر اس انسان کا شمار دشمن کی فہرست میں ہے جو اشتراکی نظام سے تعلق نہیں رکھتا۔ اشتراکی نظام کے تحفظ اور پرچار کے لئے نہ صرف جنگ کو جائز رکھا گیا ہے۔ بلکہ اشتراکیت جو مسلسل نظام ہے اس کی بزور شمشیر حفاظت کی جاتی ہے۔ اور مخالف نظریات کا طاقت کے بل بوتے پر قلع قمع کیا جاتا ہے۔

ایک نوبل انعام یافتہ کسی ادیب کے مطابق اشتراکیت یا کیمونزم ایک مکتب فکر ہے جس کو روس میں بطور ضابطہ و قانون کے اپنایا گیا ہے۔ روسی وزیر اعظم گورباچوف کے بیان کے مطابق "روس میں اسلام کی اشاعت اور کیمونزم کے خلاف پراپیگنڈہ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

نظریہ کی تلقین اور اس کے تحفظ کے علاوہ اشتراکیت میں کیمونسٹ ایجوکیشن اور روسی سپاہ کے لئے تلقین عقیدہ کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ روسی سپاہی کیمونسٹ سوسائٹی کی تشکیل میں حصہ دار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

---

[1] ابو تمام، حبیب بن اوس الطائی، دیوان الحماسہ، دار القلم، بیروت، 26/1

اس حقیقت کو روسی وزیر دفاع مارشل اے اے گریشکو نے یوں واضح کیا ہے! "روسی افسر صرف ایک رسمی انجینئر یا ٹیکنیشن یعنی محدود نوعیت کا ایک فوجی پیشہ ور نہیں ہے بلکہ وہ ہر دو طرح نظریاتی استاد بھی ہے اور معلم بھی"[93]

اشتراکی افواج کی تربیت کا فلسفہ، تاریخ کے مادی نظریہ پر مبنی ہے۔ اشتراکی فلاسفہ کے نزدیک معاد کا کوئی تصور نہیں۔ ان کے ہاں انسانی رویے کا دارومدار مادی نظریات پر ہی ہے جیسا کہ مارکس نے بتایا کہ "تاریخ کی ساری کش مکش معاشی اسباب و محرکات سے پیدا ہوتی ہے ملک گیری کی لڑائیاں، مذہبی اصولوں کی خونریزیاں اور ایک ہی ملک کے مختلف عناصر میں باہمی خانہ جنگی، سب کی تہہ میں معاشی اسباب کارفرما رہے ہیں۔" وہ کہتا ہے "یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی بڑی بڑی لڑائیاں مذہبی یا سیاسی اصولوں کے نام پر لڑی گئی ہیں۔ لیکن اس سے یہ حقیقت نہیں بدل سکتی کہ ان لڑائیوں کی اصل علت اور ان کا حقیقی سبب معاشی ضروریات و محرکات ہی تھے۔ مذہب اور سیاست کے نقاب میں انسان دراصل اپنی معاشی ضروریات اور مادی اغراض پوری کرنا چاہتا ہے۔"[94]

روسی افواج کے نظریہ تربیت میں مارکس کے نظریہ کا عکس ہی جھلکتا ہے۔ روس کی طرف سے شروع کردہ تمام جنگوں کا مقصود مادی فوائد کا حصول رہا ہے۔ نیز مادی بنیادوں پر ہی طبقاتی کش مکش پیدا کی گئی اور یوں باہمی نفرتوں کی بنیاد پر معاشرے کی شکست و ریخت کرنے اور اسے کمزور کرنے کے بعد ان ممالک پر اپنے مادی مقاصد کے لئے قبضہ کر لیا۔

گویا اشتراکیت نے نسل انسانی کو ہمیشہ ہمیشہ باہم برسرپیکار رہنے کا درس دیا ہے اور پرامن بقائے باہمی کے نظریہ کی نفی کی ہے۔ جدید نظریاتی مفکرین نے مارکس کے مادی اور باہمی نفرت و جنگ کے نظریات پر مدلل تنقید کی ہے اور اس کا ابطال کیا ہے۔ برٹرینڈ رسل نے مارکس کے نظریات پر یوں تبصرہ کیا ہے۔ "مارکسیت انسان کے ادنیٰ جذبات مثلاً نفرت، عداوت اور حسد سے کام لیتی ہے۔ اسی وجہ سے ایسے افراد کثیر تعداد میں ملتے ہیں جو کچھ عرصہ قبل اشتراکیت کے پرستار اور حامی تھے لیکن اب اس کے سخت ترین مخالف ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان جذبات کو ابھار کر مارکس نے اشتراکیت کو ایک نہایت جاندار، طاقت ور اور پرزور تحریک بنا دیا۔"[95] علم النفس کی رو سے کسی لڑائی یا کشمکش میں کامیابی اور فتح حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ یہی ہے کہ انسان کے جذبہ نفرت کو مخاطب بنایا جائے۔ اس طرح اشتراکی عسکریت کے حق

---

[93] Inam ul Haq, Islamic Motivation and National Defence, Vanguard, Lahore, 1991

[94] مظہر الدین صدیقی محمد، اشتراکیت اور نظام اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1987ء، ص 121-122

[95] نفس المصدر، ص: 163-164

برابطال ہونے میں کئی شواہد موجود ہیں۔ بدیں وجہ رفتہ رفتہ دنیا ان نظریات سے کنارہ کشی اختیار کر رہی ہے۔

2- جدید نظریات اور عسکریت:

سترہویں صدی کی ابتداء تک یورپ میں قوانین جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا لڑنے والوں کو ایک دوسرے کی مضرت رسانی کا غیر محدود اور غیر مشروط حق حاصل تھا۔ پہلی مرتبہ جنگ سی سالہ کے خاتمے پر 1648ء میں صلح نامہ ویسٹ فالیہ کی ترتیب میں سفارش کی گئی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں، پادریوں اور اسیران جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ ایک مبہم سفارش تھی۔ البتہ 1899ء کی ہیگ کانفرنس میں جنگ کے مختلف شعبوں کے متعلق کچھ سمجھوتے ہوئے جو نامکمل رہے۔ حتیٰ کہ 1907ء میں اس کا دوبارہ اجلاس ہوا اور پہلی مرتبہ ایک قانون جنگ مرتب کیا گیا۔ اہل قتال اور غیر اہل قتال میں فرق کیا گیا۔ قواعد جنگ کی تدوین کی گئی۔ جن کے ذریعے جنگ کی وحشت کو گھٹانے کی سعی کی گئی اور غیر جانبداری کا لحاظ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران مجلس اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا اور اکتوبر 1944ء میں اس کے منشور کا اعلان کیا گیا۔ اس سے قبل اگست 1941ء کو امریکہ اور برطانیہ نے منشور اوقیانوس دنیا کے سامنے پیش کیا اور حقوق انسانی کی حفاظت کے عزم کا اظہار کیا۔ لیکن اس دوسری جنگ عظیم میں بھی کسی منشور کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ جنگی قیدیوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا گیا۔ ان کے جسم سے کھاد، روغنیات اور صابن بنائے گئے، بے شمار شہر تباہ ہوئے اور بالآخر امریکہ کے ایٹم بموں سے جاپان کے دو شہر ہیروشیما اور ناگاساکی برباد کر دیئے گئے۔ اس طرح مغربی اقوام کے عسکری قوانین ناکام ہو چکے ہیں۔

نسل پرستی بھی اقوام عالم کے ہاں نظریہ کے طور پر موجود رہی ہے۔ یہودیت تو نسل پرستی ہی کا دوسرا نام ہے۔[91] اس کی تائید ایک یہودی مفکر اسحاق رابن کے اس قول سے ہوتی ہے۔ "ایک خاندان، قبیلہ، نسل، رنگ، زبان اور صوبہ کو تقسیم یا منقسم یا متحد کوئی طاقت نہیں کر سکتی ماسوائے نظریہ کے۔ نظریاتی ملک کی نظریاتی سرحدوں کا استحکام ہی ملک کی سالمیت و بقا کا ضامن ہے۔ یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک آئین نظریاتی سرحدات کو تحفظ نہ دے"۔[92] مغربی ممالک میں ملک سے وفاداری اور ملکی نظریہ سے وفاداری کو بھی ایک منظم طریقہ سے اجاگر کیا جاتا ہے۔ ترغیب اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے مذہبی اور نفسیاتی اصول اختیار کیے جاتے ہیں چرچ کی عبادت منظم کی جاتی ہے۔

---

[91] Alan Unterman, Jews Their Religious Beliefs and Practices, Routledge and Kegan Paul, London, 1981, P 16

[92] John Haynes, A Gentile's Survey of Zoinism, Arno Press, New York,1977, P 93

مسلح افواج کو لٹریچر اور میگزین دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کو مخصوص طرز زندگی دیا جا سکے۔ عساکر میں سولجر آف کرائسٹ "Soldier of Christ" یعنی "حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے سپاہی" اور "امریکی طرز زندگی" "American way of life" کے الفاظ ذہن نشین کرائے جاتے ہیں۔ جس سے سپاہ کو یہ باور کرانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ ان ممالک کی صرف جغرافیائی سرحدوں کے محافظ نہیں ہوتے بلکہ نظریاتی قدروں کے محافظ بھی ہوتے ہیں۔
افواج کی تعلیم و تربیت اور ان کی کردار سازی نیز پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے دنیا کے تمام ممالک میں کاوشیں کی جاتی ہیں اور ان کے مفکرین طرح طرح سے ان کی رہنمائی اپنے اقوال اور تحریروں سے کرتے رہتے ہیں۔
ایک مفکر کے بقول ایک تربیت یافتہ قائد یا سپہ سالار میں تین خوبیاں ہونی چاہئیں۔

Just as the diamond requires three properties for its formation ----- carbon heat and pressure ---- successful leader requires the interaction of three properties ---- character, knowledge and application" [۵۱]

"یعنی جس طرح جوہر یا ہیرے کو اپنی تشکیل کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی کاربن، گرمی اور دباؤ ----- اس طرح کامیاب قائد کو بھی تین خصائل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کردار، علم اور عمل۔" گویا "جب تک کوئی آدمی اپنے عقیدہ اور معاشرہ کے دفاع کے لئے اپنی جان تک کو داؤ پر نہ لگا دے وہ دیانتدار اور وفادار متصور نہ ہوگا۔ اس لئے جدید دنیا میں ایک عسکری کو نظریہ کی حفاظت کے لئے یہ کردار عمل کا مظاہرہ کرنے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

3- عسکریت کا اسلامی تصور:

الف۔ اسلامی نظریہ کے مطابق جنگ کا اصل مقصد دشمن کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ صرف اس کے شر کو دفع کرنا ہے۔ اس لئے اسلام کا حکم یہ ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی قوت استعمال کی جائے جو فتنہ کے انسداد

---

۵۱ Adair John, Training of Decisions, Macdonald and Jane's London, 1968, P 57

کے لئے انتہائی ضروری ہو اور اس قوت کی زد میں صرف انہی لوگوں کو آنا چاہئے۔ جو عملاً برسرپیکار ہوں یا جن سے شر کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة [1] "یعنی ان سے لڑتے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔"

ب۔ اسلام نے اپنی جنگوں کو "جہاد فی سبیل اللہ" کا نام دے کر مقصد جنگ کی تطہیر کی اور اس پاکیزہ تصور کے تحت جنگ کا ایک مکمل ضابطہ قانون ان الفاظ میں وضع کیا

الذين آمنوا يقاتلون في سبيل الله ج والذين كفروا يقاتلون في سبيل الطاغوت [2]

یعنی "جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافر و نافرمان ہیں وہ ظلم و سرکشی کی خاطر لڑتے ہیں۔" اس پاکیزہ عسکری تصور کو نبی اکرم ﷺ نے مختلف طریقوں سے واضح فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں یوں آیا ہے۔

"ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی شہرت و ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے، فرمایئے کہ ان میں سے کس کی جنگ راہ خدا میں ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ راہ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے"۔ [3]

ایک حدیث میں یوں آیا ہے :

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "الغزو غزوان، فاما من ابتغى وجه الله واطاع الامام وانفق كريمة واجتنب الفساد كان نومه و نبهه اجرا كله و اما من غزا رياء وسمعة وعصى الامام وافسد في الارض فانه لا يرجع بالكفاف۔ [4]

لڑائیاں دو قسم کی ہیں۔ جس شخص نے خاص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور

---

[1] القرآن - 2: 193

[2] القرآن - 4: 76

[3] النسائی، احمد بن شعیب، السنن، دار الکتاب العربی، الطبعۃ الاولیٰ، 1930ء، بیروت، 25/6

[4] نفس المصدر، 49/4

شہرت و ناموری کے لئے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا (یعنی اتنا عذاب میں مبتلا ہو گا)

ج- اسلام نے سارے وحشیانہ افعال کی ممانعت کی ہے جو عہد جاہلیت اور دیگر مذاہب و نظریات کی لڑائیوں میں روا رکھے جاتے ہیں- نیز اسلام نے غیر محاربین کی حفاظت کو فرض ٹھہرایا اور غیر جانبدار قوموں کے تحفظ کی تاکید کی ہے- بالخصوص وہ اقوام جن کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ ہوا ہو- اس سلسلے میں شارع اسلام ﷺ کی تعلیمات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں- غیر اہل قتال کی حرمت کے لئے یوں فرمایا کہ :

لا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا صغيرا ولا إمراة ولا تغلوا و ضموا غنائمكم واصلحوا واحسنوا ان اللّٰه يحب المحسنين[1]

نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو- اموال غنیمت میں چوری نہ کرو- جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے سب ایک جگہ جمع کرو- نیکی و احسان کرو کیونکہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے-" اس طرح لوٹ مار کی ممانعت کے لئے یوں حکم فرمایا-

ان النهبة ليست باحل من الميتة[2] یعنی "لوٹ مار کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے-"

نیز تباہ کاری کی ممانعت کے لئے قرآن پاک میں یوں ارشاد ہے :

واذا تولى سعى في الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل واللّٰه لا يحب الفساد[3]

"جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کرے- مگر اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا-" اسی طرح قتل اسیر کی بھی ممانعت آئی ہے- فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ جب شہر میں داخل ہونے لگے تو فوج میں یہ اعلان کرا دیا تھا

لا تجهزن على جريح ولا يتبعن مدبر ولا يقتلن اسير ومن اغلق بابه فهو آمن[4] یعنی "کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے"

---

[1] النسائی، احمد بن شعیب، السنن، دار الکتاب العربی، الطبعہ الاولی، 1930ء، بیروت، 49/4
[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، دار المعرفہ، بیروت، 13/2 [3] القرآن - 205:2
[4] ابن ہشام، عبد الملک، سیرت النبی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 479/2

د۔ ان احکام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے جنگ کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو دیگر اقوام میں جنگ کا لازمی جزو تصور کیے جاتے ہیں۔ اسیران جنگ اور سفراء کا قتل، معاہدین کا قتل، غیر اہل قتال کا قتل، لوٹ مار، قطع طریق، فصلوں اور بستیوں کی تخریب، بدعہدی و پیمان شکنی سب کچھ آئین جنگ کے خلاف قرار دے دیا گیا اور جنگ صرف ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم ممکن نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کریں۔ حضور اقدس ﷺ کے نظام حیات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی اطاعت کی اجازت نہ تھی۔ اس اصول کے تحت حضور ﷺ کی فوج کے سپاہی اگر شکست قبول کرتے تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ غیر اللہ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں۔[1]

ھ۔ سپاہ کی نظریاتی اور معنوی تربیت کے لئے قوت محرکہ کو پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے اس قوت کو پیدا کرنے کے لئے دین ایک موثر عامل رہا ہے۔ نیز دین سے سیاسی قوت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی سلطنت کے ساتھ دینی عصبیت مل جاتی ہے اور وہ کسی نہ کسی مذہبی خیال کو اپنا لیتی ہے تو اس سے اس کی قوت و شوکت میں قبائلی عصبیت سے کہیں زیادہ استواری آجاتی ہے۔ کیونکہ مذہبی جوش اور مذہبی عقیدت، نقطہ نظر کو تمام دوسرے پہلوؤں سے ہٹا کر ایک ہی پہلو پر مرتکز کر دیتی ہے اور خواہشات اور آرزوؤں کو حق کی جانب موڑ دیتی ہے۔ اس سے ان میں ایک طرح کی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ جس کا مقابلہ کرنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ وہ حکومتیں جو دین کی نعمت سے محروم ہوتی ہیں اگرچہ تعداد میں ان سے کہیں زیادہ ہوں ان کی برابری نہیں کر سکتی۔ اور جب ان سے لڑیں گی لامحالہ شکست کھائیں گی۔ اور ذلیل ہوں گی کیونکہ باطل کی پیروی کی وجہ سے ان کے سامنے کوئی متحدہ غرض ہی نہیں ہوتی جو ان کو قتال و جہاد پر آمادہ کرے۔ ان کی صفوں میں جوش و شجاعت کے جذبات پھیلائے اور مقابلہ میں قائم رکھے۔ یہ موت سے ڈرتی ہیں اور جنگ و پیکار سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں کر پاتیں۔

و۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدر اسلام میں مسلمانوں کو جو بے پناہ فتوحات حاصل ہوئیں وہ اسی سبب

---

[1] ابن ہشام، عبدالملک، سیرت النبی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 2/479

سے ہوئیں کہ مسلمان دین سے بہرہ مند تھے اور مخالفین میں دینی نقطہ نظر مفقود تھا قادسیہ اور یرموک کی معرکہ آرائیوں کو دیکھئے۔ مسلمانوں کی فوجیں تو تیس تیس ہزار سے کچھ ہی اوپر تھیں مگران کے مقابلے میں واقدی کی روایت کے مطابق اہل فارس کے عساکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی اور رومی سپاہی تو چار چار لاکھ کی تعداد میں میدان جنگ میں اترتے تھے لیکن اس کثرت تعداد کے باوجود ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ [51]

ز۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی رائے میں ایک پیشہ ور سپاہی صبغۃ اللہ کی جھلک ہوتا ہے انہوں نے ایک موقع پر فرمایا:

"The professional soldier in a Muslim Army, pursuing the goals of a Muslim State, can not become "Professional" if in all his activities he does not take on the colour of Allah" [52]

یعنی "کسی مسلمان فوج کا پیشہ ور سپاہی جو مسلم ریاست کے مقاصد کا نفاذ چاہتا ہو اس وقت تک "پیشہ ور" نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے امور میں اللہ کا رنگ حاوی نہیں کر لیتا"

خلاصہ:

سلام میں عسکریت کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو اسلام کی نصرت کے لئے عسکری بنائے اور اسلام کی قولی اور عملی خدمت کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس پیشہ سے منسلک کرے۔ لفظ جند قرآن مجید میں مجموعی طور پر تینوں ذی شعور مخلوق یعنی فرشتے، جن اور شیاطین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ [53]

ارشاد ربانی ہے وللہ جنود السمٰوٰت والارض وکان اللہ عزیزا حکیما [54]

آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا ہی کے ہیں اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ فرمان خداوندی ہے۔

---

[51] محمد حنیف ندوی، افکار ابن خلدون، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1984ء، ص: 116

[52] Cohen Stephen P., The Pakistan Army, Karech Oxford University Press 1992, Preface

[53] عبداللہ بن فرح ''الفتا'' اعداد الجندی المسلم اعداد واسسہ، وزارۃ الدفاع والطیران، الریاض، 1993ء، ص 23
والراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن المفضل، المفردات، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1971ء، ص: 198

[54] القرآن - 7.48

وان جندنا لهم الغالبون [1] یعنی "اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔"

یہاں اللہ کے جند سے مراد رسول اور ان کے متبعین ہیں۔ [2]

اسلام میں لفظ جند صرف ایک جندی عسکری تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے ہر اس مسلم کے لئے جو اللہ کے دین کی خدمت کر رہا ہے چاہے کسی میدان میں بھی ہو اور جس کا مقصود عقیدہ کی توضیح، اس کی طرف دعوت اور اس کا دفاع ہو۔ [3]

اور یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکے گا جب تک کہ یہ جندی دین کی ان تمام عالی بنیادوں پر ایمان نہ لائے اور ان پر عملدرآمد کر کے اپنی ذاتی مثال نہ پیش کرے اور ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہ بنا لے۔ اسلام ان ضروری بنیادی امور کی طرف راہنمائی کرتا ہے جن پر ایک مسلم جندی کی ترتیبی تنظیم کی بنیاد رکھی جائے اور جن پر ایک مسلم فوج کی تعمیر کی منصوبہ بندی کی جائے۔ اسلام نے فطرت کے اعتبار سے ایک مسلم جندی کے پیغام کو اسلام کے پیغام کا حصہ گردانا ہے۔ اس طرح اسلام نے تعمیر و تیاری کی ایک ہمہ گیر ضرورت کی طرف راہنمائی کی ہے جو تمام اطراف یعنی روحانی، اخلاقی اور مادی اطراف پر بیک وقت محیط ہو۔

فصل چہارم ---- مسلم سپاہ کی نظریاتی تربیت:

1- تربیت کے لغوی اور اصطلاحی معانی:

تربیت کا مادہ "رب" ہے۔ جس کے معنی پالنہار اور پروردگار کے ہیں اور کسی چیز کی اس طرح تربیت کرنے والا حد کمال کو پہنچ جائے۔ امام راغب اصفہانی نے رب کی تعریف اس طرح کی ہے۔

الرب فی الاصل التربیة وھو انشاء الشیء حالا فحالا حد التمام" [4] ہر رب یرب ہرورن مدیمد کا معنی اصلاح کرنا، تربیت کرنا اور نگرانی ہے کرنا جیسے حضرت حسانؓ بن ثابت کا قول ہے۔

---

[1] القرآن - 173:37

[2] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، الجامع بین فنی الروایہ والدرایہ من علم التفسیر، دار الفکر، بیروت، 1973، 46/5

[3] عبداللہ بن فرج العقلا، اعداد الجندی المسلم، اھدافہ واسسہ، وزارۃ الدفاع والطیران، الریاض، 1993ء، ص 23

[4] الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن المفضل، المفردات، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1971ء، ص 184

ولانت احسن اذ برزت　　لنا يوم الخروج بساحة القصر

من درة بيضاء صافية　　مما تربب حائر البحر[1]

ترجمہ : اور جب تو ہمارے لئے ظاہر ہوتی ہے تو بہت خوبصورت لگتی ہے، خروج کے دن اپنے محل کے صحن میں، سفید و شفاف موتی کی طرح، جس کی سمندر کے تھپیڑوں نے اصلاح کر دی ہو ایک انگریزی لغت کے مطابق تربیت دینے کا مطلب یوں ہے۔

Train means : "give teaching and practice to (e.g a child, soldier, an animal) in order to bring at a desired standard of behaviour efficiency or physical condition"[2]

مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔ "تربیت یہ ہے کہ افکار، جذبات، احساسات سب اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھل جائیں۔"[3] گویا تربیت سے مراد کسی فرد یا گروہ کی شخصیت کو سنوارنے کے لئے ایک طے شدہ یا غیر طے شدہ پروگرام کے مطابق عمل کرنا اور اسلام میں تربیت سے مراد اسوہ حسنہ کو اختیار کرنے کے قابل بنانا ہے۔

تربیت ایک انسانی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باقی ضرورتوں کی طرح انسان کی اس ضرورت کا بھی بندوبست کیا ہے۔ اور انسان کو خیر و شر کی پہچان کرائی ہے نیز خیر کے حصول اور شر سے بچنے کی تربیت دی ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید میں یوں ملتا ہے۔

فالهمها فجورها و تقوٰها[4]

کہ "پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی"

اى عرفها طريق الفجور والتقوى والطاعة والمعصية[5]

اى انه قادر على توجيه نفسه الى الخير والى الشر سواء[6]

---

[1] النحلاوی، عبدالرحمن، اصول التربیۃ الاسلامیۃ واسالیبہا، دارالفکر، دمشق، 1979ء، ص 13:

[2] Hornby Oxford Advanced Dictionary of Current English, Oxford University Press, P 91

[3] مناظر احسن گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، ص 26

[4] القرآن - 8:91

[5] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1967ء، 75/20

[6] سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1967ء، 590/30

اسی طرح دوسرے موقع پر ارشاد ربانی ہے۔ وهديناه النجدين [1] یعنی "ہم نے اسے دو راستے دکھائے" ای ان هديناه السبيل ای طريق الخير و طريق الشر و بينا له و عرفناه طريق الهدىٰ و الضلال و الخير و الشر ببعث الرسل فاٰمن او كفر [2]

یعنی انبیاء علیہم اسلام کے ذریعے انسان کی ہدایت کی طرف تربیت کی ترغیب اس لئے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو خصوصیتوں کو ختم کرنے کی بجائے برقرار رکھا ہے۔ البتہ ان کے اظہار کے رخ کو موڑ دیا ہے۔ قوت شہوانیہ عشق و محبت سے بدل جاتی ہے۔ یعنی، اللہ اس کے رسول اور اس کے دین کے ساتھ لگاؤ اور محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قوت غضبیہ بھی ذاتی دشمنی کی بجائے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں بدل جاتی ہے۔ یہ وہ نظام تربیت تھا جو اللہ کے علم میں تھا مگر فرشتوں کو اس کا علم نہ تھا۔ انبیاء علیہم اسلام نے اسے روشناس کرایا۔ جس کے نتیجہ میں متبعین کی ان قوتوں کے رخ بدل گئے۔ جیسے قرآن مجید نے صحابہؓ کے اس رویے کی تصدیق کی۔

والذين معه اشداۤء على الكفار رحماۤء بينهم [3]

"وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں"

علامہ ابن کثیرؒ اور القرطبی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

كما قال عز و جل فسوف ياتي اللّٰه بقوم يحبهم و يحبونه، اذلة على المؤمنين اعزة على الكٰفرين، وهذه صفة المؤمنين ان يكون احدهم شديدا عنيفا على الكفار، رحيما بالاخيار، غضوبا عبوسا في وجه الكافر ضحوكا بشوشا في وجه اخيه المؤمن [4] اشداۤء على الكفار اى غلاظ عليهم كالاسد على فريسته رحماء بينهم اى يرحم بعضهم بعضا و متوادون [5]

---

[1] القرآن۔ 10:90

[2] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 122/19

[3] القرآن۔ 29:48

[4] ابن کثیرؒ، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء، 203/4

[5] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 293/16

یعنی وہ اپنے ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ البتہ ان کی سختی جو کچھ بھی ہے دشمنان دین کے لئے ہے۔ اہل ایمان کے لئے نہیں ہے۔ اہل ایمان کے مقابلے میں وہ نرم ہیں رحیم و شفیق ہیں۔ ہمدرد و غمگسار ہیں۔ اصول و مقصد کے اتحاد نے ان کے اندر ایک دوسرے کے لئے محبت اور ہمرنگی و سازگاری پیدا کر دی ہے۔

2- مسلم معاشرہ کی تربیت:

کسی بھی دوسری تنظیم کی طرح عساکر اسلام سپاہ اور قائدین پر مشتمل ہیں۔ جہاں تربیت ضروری ہے وہاں یہ بھی لابدی ہے کہ مسند قیادت پر آنے اور دوسروں کو تربیت دینے سے پہلے قائد کی اپنی تربیت ہو چکی ہو۔ اس کی ایسی تربیت ہوئی ہو کہ ذہن و دماغ کا ایک خاص ڈھانچہ، اخلاص و عمل کا ایک خاص نقشہ اور احوال و ظروف کا ایک خاص اندازہ سامنے آگیا ہو۔ نیز جسمانی لحاظ سے بھی انتہائی فٹ ہو اور روحانی لحاظ سے بھی۔ آج ایسے تربیتی اداروں کی ملک اور بیرون ملک تو کمی نہیں جو جسمانی تربیت پر زور دیتے ہیں مگر ایسے ادارے تو کیا شاید ایک ادارہ بھی نہ ہو کہ جس میں ٹھیک قرآن و سنت کی روشنی میں جسمانی و روحانی تربیت کا مکمل انتظام ہو۔ انسان چونکہ جسم اور روح سے مرکب ہے اس لئے دونوں پر یکساں توجہ نہایت ہی ضروری ہے۔

3- مسلمان سپاہی کی تربیت، اس کے مقاصد اور بنیادیں:

مسلم سپاہی اسلام کا محور اور ایک مرکزی ستون ہے، جہاں سے چار دانگ عالم میں خیر، نور اور ہدایت کے فوارے پھیل رہے ہیں اور دنیا میں امن و سلامتی کے جھنڈے گاڑے جا رہے ہیں۔ مسلم معاشرہ کے ذمہ مسلم سپاہی کی پرورش، اسلام کو پہنچانے کے لئے اس کی تربیت اور اس کا دفاع ہے نیز اس کا مفہوم انسان کی ہر جہت پر پھیلا ہوا ہے یعنی روحانی، عقلی، اخلاقی، جسمانی بشمول انتہائی تیاری یا صحیح سمت میں پیشہ ورانہ تربیت اور اسلام میں یہی جندیہ اور جندی کی تیاری کا مفہوم ہے۔ اور یہی مفہوم صدر اسلام میں مراد لیا جاتا تھا۔ پس مسلم معاشرہ کا ہر فرد اسلامی لشکر کے سپاہی کی حیثیت سے اپنی تیاری کرتا ہے جو ایک مکمل تیاری کا اہتمام کرتا ہے۔ تاکہ اپنے دین، امت اور ملت کی طرف سے عائد کردہ فرض کو ادا کر سکے۔

مرور زمانہ سے بلاد اسلام کا رقبہ بڑھتا گیا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ حالات نے تقاضا کیا کہ جندیہ کے مفہوم کا احاطہ عسکری اصطلاح میں کیا جائے بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو سرکاری طور پر ان اداروں سے منسلک ہیں اور جو امت کے داخلی اور خارجی امن کے ذمہ دار ہیں۔ اس طرح گویا اصطلاحاً مسلم جندی کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ فرد جو اس نظام کے کسی ادارے کے ساتھ منسلک ہے۔ تربیت اپنے سابقہ بیان کردہ مفہوم کی روشنی میں یہی ہے کہ اسلامی عسکریت اسلام کے پھیلانے اور اس کی حفاظت کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ہے البتہ ضروری ہے کہ اس عظیم کام کے لئے کھڑا ہونے والا انسان عسکری ہونے سے قبل تمام بین الاقوامی انسانی صفات کا حامل ہو۔ جس کا ہدف ہدایت، نور، محبت اور سلامتی کا پھیلانا ہو نہ کہ صرف مادی عسکری کامیابی کا حصول۔ پس وہ لڑنے سے قبل داعی ہو اور ایک بہادر جانباز سے قبل انسانی صفات سے متصف ہو، فاتح بننے سے قبل ہدایت کے پیغام کا علم بردار ہو اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ایک مسلمان سپاہی یہ چاہتا ہے کہ جس دین کو وہ عالم میں لے کر جا رہا ہے وہ اس ملک میں باقی رہے جو اس کے ذریعے اسلام میں داخل ہوا ہے اور اس کے ذریعے جائے پناہ بنی ہے۔[1]

4۔ مسلم سپاہ کی نظریاتی تربیت کے ماخذ:

نبی اکرم ﷺ پر جوں جوں وحی اترتی چلی گئی۔ مسلمانوں کو احکام الٰہی پہنچتے گئے اور یوں رفتہ رفتہ ان کی نظریاتی تربیت ہوتی گئی۔ عرب کا بچہ بچہ جنگ جو تھا۔ تلوار کا دھنی تھا۔ شجاعت کے جوہر دکھانا اس کی گھٹی میں تھا۔ اس لئے ہر مسلمان نہ صرف دین اسلام کا پوری طرح پیروکار بنتا بلکہ دین کا سپاہی بھی بنتا اور یوں مسلم سپاہ اپنی نظریاتی پختگی کے ساتھ وجود میں آتی چلی گئی۔ اسلام نے نہ صرف ایک منظم نظام تربیت دیا بلکہ اس کے لئے ایسے ثقہ مصادر بھی دیئے جو نہ صرف مستند ہیں، بلکہ ان کی ابدیت و تسلسل کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ جن میں سے پہلا مصدر قرآن ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون"۔[2]

قرآن مجید کے بعد سنت رسول ﷺ دوسرا بڑا تربیتی مصدر ہے اور سیرت صحابہؓ تیسرا اہم مقصد تربیت

---

[1] عبداللہ بن فریح العقلاء، اعداد الجندی المسلم اعدادہ واسسہ، وزارۃ الدفاع والطیران، الریاض، 1993ء، ص 8

[2] القرآن - 9:15

ہے۔ آئندہ اوراق میں ان عام مصادر پر سیر حاصل بحث کی جائے گی اور دیگر عوامل کو بھی زیر مذاکرہ لایا جائے گا۔

الف۔ قرآن مجید:

تربیت کا بنیادی مصدر قرآن مجید ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جو مختلف مضامین کا دل نواز مجموعہ اور روح پرور مرقع ہے۔ اس میں وہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جو انسان کو زندگی میں پیش آسکتی اور اس کے لئے روحانی، علمی، فکری اور عملی طور پر مفید ہو سکتی ہیں۔ ان میں کچھ مفصل ہیں اور کچھ مختصر بعض معاملات سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض عبادات سے۔ [93] قرآن مجید کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ لوگوں کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

الر كتاب انزلنه اليك لتخرج الناس من الظلمت الى النور [94]

یہ ایک ایسی کتاب ہے جو ہم نے اس لئے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔

اى انما بعثناك يا محمد بهذا الكتاب لتخرج الناس مما هم فيه من الضلال والغى الى الهدى والرشد [95]

گویا قرآن مجید کا مقصد لوگوں کو گمراہی و ضلالت کی تاریکی سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے۔ [96]

قرآن کی اساسی فضیلت اور بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ شک و ریب سے پاک اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

ذلك الكتاب لا ريب فيه ○ هدى للمتقين [97]

یعنی یہ ایسی کتاب ہے کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ پرہیز گاروں کے لئے یہ ذریعہ ہدایت ہے۔

---

[93] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1978ء، ج 1/16، ص: 359

[94] القرآن۔ 14:1

[95] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء، 2/522

[96] امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر القرآن، المکتبۃ العربیہ، لاہور، 1988ء، ص: 29

[97] القرآن۔ 2-2

تربیت کی غرض سے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے لمبے عرصہ میں اتارا گیا۔

وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة ج کذلک ج لنثبت به فؤادک و رتلنه ترتیلا [1]

صحابہ کرام ہر سورۃ یاد کرتے اس پر عمل کرتے پھر مزید قرآن مجید پڑھتے، یاد کرتے اور ساتھ ساتھ عمل کرتے۔

قرآن عقل اور وجدان و شعور کی تربیت ہے اور فطرت انسان کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کی تربیت میں تکلف نہیں ہے۔ قرآن بارش، ہوا، نباتات، عمارات اور بجلی کی کڑک کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود، اللہ کی عظمت و قدرت اور اس کی کامل صفات کا ذکر کرتا ہے اور یہ بطور تذکیر یعنی یاد دہانی اور بطور غور و فکر کے لئے ہے۔ [2]

ارشاد ربانی ہے :

ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف الیل والنهار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها و بث فیها من کل دابة و تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایٰت لقوم یعقلون [3]

اللہ تعالیٰ گیارہ مرتبہ قسم کھا کر اس بات کا اظہار فرماتا ہے کہ انسان کے نفس کے اندر تربیت اور تزکیہ کا مادہ رکھا گیا ہے۔ جیسے فرمایا۔

فالهمها فجورها و تقوٰها ○ قد افلح من زکٰها ○ وقد خاب من دسها ○ [4]

پھر اس کی بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی کہ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا۔ یعنی خیر و شر کے راستوں کی نشاندہی کے بعد انسان چاہے تو اطاعت کی راہ اختیار کرلے اور چاہے تو نافرمانی اپنا لے۔

---

[1] القرآن - 32:25

[2] النحلاوی، عبدالرحمن، اصول التربیہ الاسلامیہ واسالیبہ دارالفکر، دمشق، 1979ء

[3] القرآن - 164:2

[4] القرآن - 8 91

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے : الذی علم بالقلم○ علم الانسان مالم یعلم○

جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اسے علم نہ تھا۔

اس طرح انسان کو لکھنے پڑھنے کے ذریعے مزید تربیت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی۔ نیز سورۃ العصر میں ایمان و اعمال صالحہ کی جامع تربیت کے ساتھ ساتھ حق و صبر کی باہمی تلقین و تربیت دی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ۔

والعصر○ ان الانسان لفی خسر○ الا الذین امنوا وعملوا الصالحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

قرآن کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی، قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب سے انسان نے خدا اور نظام کائنات، اپنی ہستی اور اپنی دنیوی زندگی کے متعلق جو غلط نظریات قائم کئے ہیں ان کو درست کیا جائے اور انسان کو صحیح رویہ اور صحیح نظریہ کی تربیت دی جائے جو انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بتا دی تھی۔ جب فرمایا :

انی جاعل فی الارض خلیفۃ

یعنی ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرنا اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرنا۔

انسانی غلط رویوں کی عکاسی قریش کی طرف سے عتبہ کی زبانی اس پیش کش سے ہوتی ہے۔ جو نبی اکرم ﷺ کو کی گئی۔ اسلام کے اساسی نظریہ توحید و رسالت کے اعلان کے مقابلہ میں قریش مکہ کا فوری اور شدید ردعمل شروع ہو گیا تھا۔ قریش مکہ متحیر تھے کہ نبی اکرم ﷺ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں؟ قریش نے اس کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش تصور کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا

یا ابن اخی ان کنت انما ترید بما جئت بہ من ھذا الامر مالا جمعنا لک من اموالنا حتی تکون اکثرنا مالا وان کنت ترید بہ شرفا سودناک علینا حتی لا نقطع امرا دونک وان کنت ترید بہ ملکا ملکناک علینا

القرآن ۔ 96: 4، 5

القرآن ۔ 103: 1، 3

القرآن ۔ 2: 30

مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1972ء، 1/ 19-20

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، السیرۃ النبویہ، دار المعرفہ، بیروت، 1976ء، 1/ 504

عتبہ کی طرف سے پیش کش کا خلاصہ یہ تھا۔ "اے محمدؐ! کیا چاہتے ہو! کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ کیا کسی بیماری کا علاج؟ ہم سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آجاؤ۔"[1]

نبی اکرم ﷺ نے ساری ترغیبات کے مقابلے میں قرآن مجید کی یہ آیات پڑھیں جو اسلام کے نظریہ توحید و رسالت کی عکاسی اور ان کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

حٰمٓ ۝ تنزیل من الرحمٰن الرحیم ۝ کتاب فصلت اٰیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون[2] ... حتی انتہی رسول اللہ ﷺ الی السجدۃ فسجد[3]

ان آیات کا مفہوم یہ ہے۔ "اے محمدؐ! کہہ دے کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں مجھ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ بس سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اس سے معافی مانگو۔" یوں قریش اور رہتی دنیا کے انسانوں کا نظریہ درست کیا۔ قرآن مجید میں اللہ نے زبردست قوت تاثیر رکھی ہے۔ اور تھوڑی سی توجہ کرنے والے انسان کو اپنے نظریہ کی خامی فوراً نظر آجاتی ہے۔ اس کے آثار اللہ نے عتبہ پر بھی مرتب کر دیئے حتیٰ کہ قریش نے واپسی پر اس کے چہرے کے آثار دیکھ کر کہا کہ عتبہ کا چہرہ وہ نہیں جس کے ساتھ گیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور طفیلؓ اندوسی کا اسلام لانا قرآن کے نظریاتی تربیت کے لئے ایک فعال مصدر ہونے کا ثبوت ہے۔

اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد اپنے غلط نظریہ کی حفاظت کے لئے انہوں نے کہا کہ ہم ایسی صورت پیش کرتے ہیں جس میں ہمارا تمہارا دونوں کا نفع ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ "ایک سال تم ہمارے دیوتاؤں لات و عزیٰ کی پرستش کرو۔ اور ایک سال ہم تمہارے خدا کی پرستش کریں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "میں اپنے رب کے حکم کا منتظر ہوں۔ پھر جواب دوں گا۔"[3] اس موقع پر لوح محفوظ سے یہ پوری سورت نازل ہوئی:

قل یاایھا الکٰفرون ۝ لا اعبد ما تعبدون ۝ و لا انتم عٰبدون ما اعبد ۝ و لا انا عابد ما عبدتم ۝ و لا انتم عٰبدون ما اعبد ۝ لکم دینکم ولی دین[4]

---

[1] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، آرام باغ کلب، 1979، 229/1

[2] القرآن۔ 41 :1-3

[3] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری (سیرت النبیؐ)، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1987ء، ص 101-102

[4] القرآن۔ 109 :1-6

جس کا مقصد یہ تھا کہ میں شرک میں آپ کا ساتھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ توحید تو نظریہ اسلام کی بنیاد ہے۔ مزید یہ تلاوت کی :

قل افغیر اللّٰہ تأمرونی اعبد ایہا الجاہلون سلہ

(اے نبیؐ) ان سے کہو پھر کیا اے جاہلو، تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لئے مجھ سے کہتے ہو"

سورۃ الکافرون میں ایک کمال کی بے نیازی جھلکتی ہے۔ یعنی دین اسلام کو قبول کرنے والا انسان باقی تمام نظریات سے بالکل بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ توحید کے مقابلے میں باقی سارے تصورات اسے بودے اور ناپائیدار نظر آتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح کے تمام نظاموں اور ان کے پیروکاروں سے علی الاعلان برات اور علیحدگی کا اعلان کرتا ہے۔ گویا قرآن مجید کی تلاوت اور تفہیم مسلم سپاہ کی تربیت کے لئے ہمیشہ معاون رہے گی۔

ب۔ سنت رسول ﷺ :

تربیت کا دوسرا ماخذ سنت رسول ﷺ ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ لغت میں سنت اس راستے کو کہتے ہیں جو کھلا ہو یا جس پر متواتر چلتے رہنے سے وہ راستہ صاف اور واضح ہو گیا ہو۔ طریقہ اور سیرت بھی اسی مفہوم میں شامل ہے۔ ای جی برل نے لکھا ہے کہ لفظ سنت اس راہ کے لئے بولا جاتا ہے جس پر چلنے کا کوئی عادی ہو۔ سلہ لیکن اسلام میں غیر مسلم آباء کے رسم و رواج اپنانے پر سنت کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ مسلمانوں کے ہاں سنت کا ایک نیا مفہوم ہے۔ جس کی رو سے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے طرز زندگی کو اپنے تمام تر معاملات میں نمونہ بنائیں۔

سنت کے اصطلاحی معانی کے بارے میں یوں تحریر ہے۔

"السنۃ فی عرف المحدثین وجمہور اہل الشرع کل ما صدر عن رسول اللّٰہ ﷺ من قول او فعل او تقریر سواء صدر عنہ باعتبارہ رسولا ام باعتبارہ انسانا من البشر" سلہ

سلہ القرآن۔ 39 64

سلہ E J Brills, First Encyclopaedia of Islam 1913 1936, E J Brill, London, 1987, 7/555

سلہ الشیخ محمد خضری بک، اصول الفقہ، المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، مصر، 1965ء، ص 257

"والسنة لغة العادة و الشريعة مشترك بين ما صدر عن النبی ﷺ من قول او فعل او تقرير و بين ما واظب عليه النبی ﷺ بلا وجوب"[1]

رسالت مآب ﷺ کا کوئی فعل یا قول یا تقریر سنت کہلاتی ہے۔ "تقریر" محدثین کی ایک اصطلاح ہے۔ اور اس تعریف میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کسی خاص فعل کو اختیار کیا اور اس کا یہ قول و فعل رسول اللہ ﷺ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں اس کی توثیق فرمائی یا ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ------ یا سکوت فرمایا۔ یہ سکوت رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ایک معنوی رضامندی ہے۔ اس لئے یہ بھی سنت کی اصطلاح میں داخل ہے۔

سنت کی ایک اور جامع تعریف یوں بیان کی گئی ہے کہ

السنة فی الاصل الطريقة و السيرة و فی الشرع يراد بها ما امر به النبی ﷺ و نهی عنه و ندب اليه قولا و فعلا مما لم يات به الكتاب العزيز[2]

یعنی سنت حقیقت میں طریقہ اور سیرت کا نام ہے اور شریعت اسلام میں اس سے مراد وہ امور ہیں جن کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے اور وہ جن سے منع کیا ہے اور جن امور کی طرف قول سے یا فعل سے مندوب قرار دیا جو قرآن مجید میں نہ آئے ہوں۔ علامہ شوکانی نے اس ضمن میں یوں فرمایا۔ :

اعلم ان قد اتفق من يعتد به من اهل العلم علی ان السنة المطهرة مستقلة بتشريع الاحكام و انها كالقرآن فی تحليل الحلال و تحريم الحرام[3]

تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ "سنت احکام کے اثبات اور تشریع میں مستقل اصل ہے اور حلال و حرام کے احکام بالاستقلال سنت میں موجود ہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔ عليكم بسنتی[4] و تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله و سنة نبيه[5]

---

[1] قاضی جرجانی، سید شریف علی، تعریفات، مکتبہ بیروت، لبنان، 1969ء، ص: 84

[2] علامہ محمد طاہر، مجمع بحار الانوار، مطبع نول کشور، لکھنؤ، 1283ھ، ص: 136

[3] شوکانی، محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبع المدنی، القاہرہ، 1992ء، ص 31

[4] ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 5/1

[5] مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی، الموطا، کتب خانہ دار الاشاعت، کراچی

حضرت محمد ﷺ کا اسوہ حسنہ یا آپ ؐ کی سنت قرآن کے منشاء کی توضیح و تشریح کرتی ہے حضرت محمد ﷺ کا کام یہ تھا کہ اپنے قول اور عمل سے قانون الٰہی کی تشریح کریں اس کا صحیح منشاء سمجھائیں اس کے منشاء کے متعلق افراد کی تربیت کریں پھر تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم جماعت کی شکل دے۔ معاشرے کی اصلاح کے لئے جدوجہد کریں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا نظام غالب آجائے رسول اللہ ﷺ نے اپنی 23 سالہ پیغمبرانہ زندگی میں یہی کام سرانجام دیا یہ سنت رسول مقبول ؐ جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکم اعلیٰ کے قانون برتر کی تکمیل کرتی ہے۔ اسی کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے۔ قرآن بتلاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ صرف نامہ بر ہی نہیں بلکہ ہادی کامل، حاکم اور معلم بھی تھے۔ ان کی زندگی کو قرآن نے مسلمانوں کے لئے نمونہ قرار دیا اور اس مبارک نمونے کی پیروی مسلمانوں پر لازم ہے۔ مسلمان اس نمونہ کامل کو 1400 سالوں سے واجب الاتباع ہر زمانے میں تسلیم کرتے رہے اور ان کے امر و نہی کو واجب الاطاعت مانتے رہے اور اس پر غیر مسلم بھی گواہ ہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ حضور ﷺ کی یہی حیثیت برقرار رکھی اور اسلام کے قانونی نظام میں اسے دوسرا بڑا ماخذ تسلیم کیا گیا۔

(1) <u>قرآن اور سنت کا باہمی ربط</u> : قرآن تمام جہاں میں ایسا ہے جیسے انسان کے اندر دل اور سنت ایسی ہے جیسے منہ کے اندر زبان۔ قرآن۔ قانون و قاعدہ اور کلیہ مقرر کرنے والا ہے جبکہ سنت اس کی شرح و تفصیل کرنے والی، اس کی جزئیات و فروعات کو کھولنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا اور اس میں صرف اصول بیان کئے اس کی توضیح و تشریح اللہ نے اپنے آخری نبی کے سپرد فرمائی اور یہ سارے احکام اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو سمجھائے ہم اسے سنت اور حدیث کہتے ہیں۔ قرآن پاک تو صرف اصولوں کا ذکر کرتا ہے جبکہ ان اصولوں کے (By-laws) یعنی تشریحات و تعینات سنت نبوی ﷺ کرتی ہے۔ قرآن پاک میں اس پر دلائل موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے :

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم [91]

(اے نبی ؐ) یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے واضح کرو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔ اس آیت سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام و ہدایات دی ہیں ان کی آپ ؐ توضیح و تشریح فرمائیں۔

91۔ القرآن۔ 44:16

امام اوزاعی کا قول ہے۔

الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب ؎

کتاب اللہ سنت کی زیادہ محتاج ہے بہ نسبت سنت کے کتاب اللہ کی طرف مطلب یہ ہے کہ قرآن کی عبارت میں کبھی دو باتوں کا اور کبھی اس سے زیادہ کا احتمال ہوتا ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی یہاں مراد کیا ہے؟ حدیث ان میں سے ایک احتمال متعین کر دیتی ہے اور وہی قرآن کی مراد سمجھی جاتی ہے اور پھر قرآن کے دوسرے احتمالات پر عمل نہیں کیا جاتا گویا سنت کتاب اللہ کی تشریح ہے۔ امام شاطبی لکھتے ہیں۔

فکان السنة بمنزله التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب ؎

گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر اور شرح ہے۔ قرآن مجید ایک ایسی علمی کتاب ہی نہیں جس کا مقصد صرف علمی طور پر دینی مسائل کا حل کرنا ہو بلکہ یہ اقوام و افراد کا ایسا دستور العمل ہے جس کے ذریعہ سے زندگی کا ایک ایک شعبہ قائم کرنا ضروری ہے اس لئے قرآن شریف کی تعلیم کے بعد عمل کی ایک اہم ضرورت باقی رہتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ عملی نقشہ بھی ساتھ ہو تاکہ عملی الجھنیں اس کے ذریعہ سے حل کی جا سکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عملی نقشہ علیحدہ نہیں بھیجا بلکہ جو قرآن کے ماننے والے ہیں ان کو عمل کا مجسمہ بنا دیا اور فرمایا۔

"لقد کان لکم فی رسول اللّٰه اسوة حسنه لمن کان یرجوا الله و الیوم الآخر" ؎

"تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک نمونہ تقلید ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو۔" قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی طرح امامت غزوات، جہاد، نظم و نسق اور فصل خصومات کی ہدایت مذکور ہیں لیکن ان کا عملی نقشہ صرف حضور ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں نظر آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اخلاق و شمائل، عادات و خصائل، گفتار و کردار، صورت و سیرت اور ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ سے انسانیت کا عظیم ترین نمونہ ہیں۔

؎ اوزاعی، ابو عمر یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضلہ، دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیہ السعودیہ، 1994ء، 191/2

؎ الشاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، مترجم عبدالرحمن گیلانی، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور، 10/4

؎ القرآن - 33 : 21

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "وانک لعلیٰ خلق عظیم۔[1] کہ "بے شک اے نبی ﷺ تم عظیم تر اخلاق کے مالک ہو۔" اسوہ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ الاسوۃ القدوۃ اور اس کے معنی پیشواء راہنما اور امام کے ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یوں رقم فرمایا ہے :

وھو مایتاسی بہ الحزین یتعزیٰ بہ[2] یعنی جس سے کوئی غمزدہ اور شکستہ دل تسلی حاصل کرے یعنی ایسے غمگسار، حضور کی ذات اقدس میں تمہارے لئے شان غم گساری ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔

الاسوۃ القدوۃ، والاسوۃ ما یتاسی بہ ان یتعزی و یقتدی بہ فی جمیع احوالہ و قد شج وجھہ و کسرت رباعیہ و قتل عمہ وجاع بطنہ ولم یلف الاصابرا محتسبا و شاکرا راضیا[3]

اسوہ کا ایک معنی راہنما ہے اور اس کو بھی اسوہ کہتے ہیں جو غمزدہ دل کی تسلی کا باعث ہو۔ حضور ﷺ کا رخ انور زخمی کیا گیا، دندان مبارک توڑے گئے۔ حضورؐ کے چچا کو شہید کیا گیا، بھوک برداشت کی، لیکن ان تمام حالات میں صابر و شاکر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار اور اس کی قضا پر راضی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لئے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا کہ وہ ارشادات خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگالیں۔[4]

(2) آنحضور ﷺ کی قیادت اور ذاتی مثال : جذبہ محرکہ پیدا کرنا قیادت کا کام ہے۔ قائد کی جرات، عزت نفس اور بے لوث خدمت اس کی تنظیم کا ذریعہ بنتی ہے۔ قائدین منصوبہ بندی، تنظیم، احتساب، دیکھ بھال اور تحریک پیدا کرنے کا کام کرتے ہیں۔ ماہر قیادت تصورات اور قدروں کے نظام کو تبدیل کر کے رکاوٹوں پر قابو پالیتی ہے۔ قیادت کا اہم کام تمام حوصلہ شکن عوامل اور اثرات کو ختم کرنا ہے۔ ہمارے لئے مثالی عسکری قائد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے خود اپنے دوستوں میں قربانی اور رفاقت کا جذبہ پیدا کیا۔ انہوں نے جنگ کی شدت میں اپنے جوانوں کی قیادت کی۔ احد میں انہوں نے مجاہد حضرت حمزہؓ کی تیروں سے مدد کی۔ انہوں نے انصار اور مہاجرین کو ایک

---

[1] القرآن - 4:68

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1980ء

[3] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 7/55

[4] پیر کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 4/33

اخوت میں پرو دیا۔ حنین میں وہ اکیلے ڈٹے رہے جب باقی سب گھبراہٹ کے عالم میں بھاگ گئے۔ یہ فتح صرف ان کی جرات کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں۔[1]

(3) تربیت اور اطاعت رسول : نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم پر ضروری اور لازمی ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسول کے تمام تر احکام، اوامر و نواہی، افعال و اعمال اور اخلاق کی اتباع اور پیروی کرے اور یہی اقوال و افعال اور اوامر و نواہی اس کی سنت ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

ارشاد باری ہے : من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ[2]

"جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا" غرض اگر کوئی نبی صاحب کتاب ہو تو پھر اس کی امت کے لئے دو چیزیں واجب الاتباع ہوں گی، ایک کتاب اور دوسری اس کی سنت، اور جس نبی پر کتاب نازل نہ ہو تو صرف اس کی سنت ہی قوم کے لئے راہ نجات اور ماخذ احکام شریعت ہوگی یعنی سنت پر عمل کئے بغیر دین پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے کتاب اور صحیفے چند انبیاء علیہم السلام پر بھیجے۔ باقی انبیاء کرام کو اللہ جل شانہ نے اپنے احکام خفی کے ہی ذریعہ سے بتلائے اور ان پر کوئی وحی متلو نازل نہ ہوئی تھی۔ لیکن ہر نبی کی امت پر اپنے نبی کی اطاعت اور اتباع ہر زمانہ میں فرض تھی۔ اس وحی کا نام قرآن کریم کی اصطلاح میں حکمت اور حدیث کی اصطلاح میں سنت ہے۔

یہی وحی مصدر تشریع احکام الہیہ ہے اور اس وحی کے ذریعہ نبی جو شریعت بتلائے اس کی اطاعت اور اتباع کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔[4] جیسے ارشاد ربانی ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ[5]

"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے"

"ای فرضت طاعۃ علی من ارسل الیھم"[6]

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، نور محمد، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 392/1

[2] القرآن - 80:4

[3] ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویہ، مکتبہ فاروقیہ، ملتان، ص: 351

[4] حبیب اللہ مختار، سنت نبویہ اور قرآن کریم، مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی، 1980ء، ص 22

[5] القرآن - 64:4

[6] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء، 519/1

قرآن مجید میں کئی مواقع پر فرمایا - انی لکم رسول امین ○ فاتقوا اللّٰہ واطیعون [1]

"میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو"

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے بڑے واشگاف الفاظ میں قرآن مجید کے ساتھ اپنی سنت کے اعتصام کا حکم دیتے ہوئے فرمایا :

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ و سنۃ نبیہ [2]

گویا قرآن مجید کی طرح دوسرا بنیادی مصدر جو مسلمان کی تربیت کے لئے ایک ٹھوس بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے وہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر [3]

اور کوئی فرقہ نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہیں آچکا۔ اس کی تشریح یوں کی گئی ہے ۔

ای وما من امۃ قد خلت بنی آدم الا وقد بعث اللّٰہ تعالٰی الیہم النذر وازاح عنہم العلل کما قال تعالٰی ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت فمنہم من ہدی اللّٰہ ومنہم من حقت علیہ الضلالۃ [4]

اس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ۔ "ولکل قوم ہاد" [5] "ہر قوم کے لئے ایک راہنما ہے۔"

اطاعت رسول کی تاکید کے لئے قرآن یوں گویا ہے :

وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نہکم عنہ فانتہوا [6]

"جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ" جیسے پہلی قوموں کے لئے رسول اور ہادی آتے رہے۔ ایسے ہی امت مسلمہ کے لئے بھی نبی اکرم ﷺ کو ہادی و رہبر بنا کر بھیجا گیا ہے اور اس کے اسوہ حسنہ کی پیروی کے لئے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] القرآن - 26:107-108

[2] مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی، الموطا، کتب خانہ دار الاشاعت، کراچی، ص:363

[3] القرآن - 35:24

[4] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء

[5] القرآن - 13:7

[6] القرآن - 59:7

جناب رسول اللہ ﷺ نے خود احکام الٰہی پر عمل کرتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے میں تعلیمات دیں اور عمدہ اخلاق اور بہترین معاملات پر ایک صالح معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(4) آنحضرت ﷺ بحیثیت معلم و مربی ۔ انبیاء علیہم السلام کے ذمہ یہ کام بھی ہوتا ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر کریں۔ اس کے عملی اطلاق کے طریقے بتائیں اور ایک ایسی عملی مثال قائم کریں جو کتاب اللہ کی ہدایت پر پورا اترتی ہو۔ ان کا فریضہ محض اللہ تعالیٰ کی کتاب کے صرف الفاظ پڑھ دینے پر مکمل نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اس کی تعلیم بھی دیں اور تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے لوگوں کی تربیت بھی کریں۔ قرآن پاک میں اس بات کا وضاحت سے اعلان فرما کر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہنے دی گئی۔ جیسے فرمایا :

لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ۔[1]

محولہ بالا آیت میں مندرجہ ذیل چار واضح اور جداگانہ فرائض کی ذمہ داریاں رسول اللہ ﷺ کو سونپی گئی ہیں ۔

(i) کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا (یتلوا علیھم ایتہ)

(ii) کتاب کی تعلیم (یعلمھم الکتاب)

(iii) حکمت کی تعلیم (والحکمۃ)---- امام شافعی نے حکمت سے مراد سنت لیا ہے۔[2]

(iv) تزکیہ نفس (ویزکیھم)

چنانچہ قرآن کی ان آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو کتاب اللہ کی تعلیم کے لئے بھی بھیجا گیا ہے۔ پھر چونکہ محض کتاب کی تعلیم ہی کافی نہ تھی لہذا آپ کے ذمے یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں جو کتاب کے علاوہ ایک اضافی چیز ہے۔ پھر اس پر بس نہیں بلکہ رسالتماب ﷺ کو لوگوں کا تزکیہ کرنے کا فریضہ بھی سونپا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ نظریات کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ اور حکمت کی عملی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے تاکہ لوگ کتاب اللہ

---

[1] القرآن۔ 164:3

[2] النحلاوی، عبدالرحمان، اصول التربیۃ الاسلامیہ و اسالیبھا، دارالفکر، دمشق، ص:23

اور حکمت کی تعلیمات پر اس طریقہ سے عمل پیرا ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق ہو۔

ج۔ سیرت صحابہؓ:

صحابہ کرامؓ کی سیرت امت مسلمہ اور سپاہ اسلام کے لئے مصدر کی حیثیت رکھتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ فرامین دینیہ کی پورے اہتمام کے ساتھ پیروی کرنے والے تھے سیرت نبویہ ﷺ اور سیرت صحابہؓ کی اہمیت کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی یوں رقمطراز ہیں۔

فان السيرة النبوية و سيرة الصحابة و تاريخهم من اقوى مصادر القوة الايمانية والعاطفة الدينية، التي لا تزال هذه الامة والدعوات الدينية تقتبس منها شعلة الايمان و تشعل بها مجامر القلوب التي يسرع انطفاءها و خمودها في مهب الرياح والعواصف المادية، والتي اذا انطفأت فقدت هذه الامة قوتها و حرارتها و تاثيرها، واصبحت جثة هامدة تحملها الحياة على اكتافها[1]

یعنی "ایمانی قوت اور دینی رجحانات کے مضبوط ترین ذرائع سیرت نبویؐ، سیرت صحابہؓ اور ان کی تاریخ ہیں۔ جب تک یہ امت ان خصائل کو اور دینی دعوت کو اختیار کیے رکھے گی تو اس سے ایمان کی حرارت حاصل کرتی رہے گی اور اس سے دلوں کے انگارے جلتے رہیں گے جو ہوا کے تیز جھونکوں سے اور مادی طوفان سے جلدی سے مدھم پڑ جاتے ہیں اور بجھ جاتے ہیں اور جب یہ بجھ جاتی ہے تو یہ امت اپنی قوت، اپنی تیز اور اثر بھی کھو بیٹھتی ہے اور اس کا وجود ساکت ہو جاتا ہے۔ جسے زندگی اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتی ہے۔

صحابہ ہمت و استقلال کے پہاڑ تھے ان کے خصائل میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا فتح و کامرانی کے لئے کافی ہے ان کی سیرت سے چند واقعات اس طرف راہنمائی کے لئے کافی ہیں :

(1) استقلال :۔ علامہ ابن اثیر اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

" وهم الذين سبقوا الى الاسلام ولا عشائر لهم تمنعهم ولا قوة لهم يمتنعون بها، فاما من كانت له عشيرة تمنعه فلم يصل الكفار اليه، فلما رأوا امتناع من له عشيرة و ثبت كل

---

[1] ابوالحسن علی الندوی، تقدیم الکتاب حیوۃ الصحابہ، محمد یوسف کاندھلوی، دار المعرفہ، بیروت، 1/2

قبيلة على من فيها من مستضعفي المسلمين فجعلوا يحبسونهم و يعذبونهم بالضرب والجوع والعطش و رمضاء مكة والنار ليفتنوهم عن دينهم، فمنهم من يفتن من شدة البلاء و قلبه مطمئن بالايمان و منهم من يتصلب في دينه و يعصمه الله منهم "[1]

اس کا مفہوم شبلی نعمانی نے بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے :

"اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہؓ کو ان کے قبیلہ نے اپنے حصار حفاظت میں لے لیا تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ ان میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں کچھ غریب الوطن تھے جو دو ایک پشت سے مکہ میں آ رہے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہیں رکھتے تھے۔ قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے۔ لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بے رحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں، ایک بھی مسلمان کو راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔"[2]

اسلام قبول کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ان مشکلات کے مقابلے میں جس استقامت کا نمونہ انہوں نے پیش کیا اور رہتی دنیا کے مسلمانوں کے لئے جو راہنمائی میسر کی۔ اس کے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت بلالؓ کی استقامت ضرب المثل ہے جس کی تفصیل یوں ہے :

کان بلال مولٰی ابی بکر صادق الإسلام طاهر القلب و کان امية بن خلف يخرجه اذا حميت الظهيرة ثم يأمر بالصخرة العظيمة فتوضع علٰی صدره ثم يقول له لا والله لا تزال هکذا حتٰی تموت او تکفر بمحمد ﷺ و تعبد اللات والعزٰی فيقول وهو في ذلک احد احد[3]

یعنی حضرت بلالؓ کے سینہ پر امیہ بن خلف بھاری چٹان رکھ دیتا اور کہتا کہ یا تو اسلام سے انکار کر دو یا اس حال میں مر جاؤ۔ اس کے جواب میں بلالؓ احد احد پکارتے یعنی اللہ کی وحدانیت پر اپنے پختہ ایمان کا اظہار کرتے رہتے۔

---

[1] ابن اثیر علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 1979، 2/66-69

[2] شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، آرمی بک کلب، راولپنڈی، 1979ء، 1/227

[3] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، السیرة النبویہ، دار المعرفہ، بیروت، 1976ء، 2/493

اس طرح حضرت عمارؓ بن یاسر نے امت مسلمہ کی تربیت کے لئے قربانی کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ ابن کثیر نے اسے یوں رقم کیا ہے۔ "وكانت بنو مخزوم يخرجون بعمار بن ياسر وبابيه و امه وكانوا اهل بيت اسلام اذا حميت الظهيرة يعذبونهم برمضاء مكة فيمر بهم رسول الله ﷺ فيقول صبرا آل ياسر موعدكم الجنة۔"[1] یعنی رسول اللہ ﷺ جب آل یاسر کو دیکھتے کہ کفار انہیں عذاب دے رہے ہیں تو انہیں صبر کی تلقین کرتے اور جنت کی خوشخبری سناتے۔

صحابہؓ نے دین کے لئے سارے جان و مال کو قربان کرنے اور جنت کے بدلے میں بیعت کی جب قوم (یثرب) رسول اللہ ﷺ کی بیعت کے لئے اکٹھے ہوئے تو عباس بن عبادہ انصاری نے کہا۔ اے قوم خزرج، کیا تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں تو اس نے خبردار کیا کہ تم تو عرب و عجم اور جن و انس سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو۔ تو انہوں نے عباس بن عبادہ کی طویل گفتگو کا جواب دیا کہ "ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد اس خطرہ سے قطع نظر باندھا ہے کہ ہمارے اموال تلف ہوں گے یا ہمارے معززین قتل ہوں گے۔ ہاں، انہوں نے یہ پوچھا۔ "فما لنا بذلك يا رسول الله ﷺ ان نحن وفينا"؟ قال "الجنة" قالوا "ابسط يدك"۔ "فبسط يده فبايعوه"[2] یعنی یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم اپنے اس عہد کی وفا کریں تو ہمارے لئے کیا بدلہ ہوگا۔ فرمایا "جنت" انہوں نے کہا ہاتھ بڑھایئے پس نبی اکرم ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بیعت کر لی۔

(2) <u>اطاعت قائد :</u> صحابہ کرامؓ اطاعت قائد میں کامل و اکمل تھے۔ انہوں نے بدر کے موقع پر اپنی منہج کو خوب واضح کیا۔ الکامل کی عبارت یوں ہے ۔ في غزوة البدر الكبرى استشار رسول الله ﷺ اصحابه فقام المقداد بن عمرو فقال يا رسول الله ﷺ امض لما امرك الله فنحن معك والله لا نقول لك كما قالت بنو اسرائيل لموسىٰ۔ "فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون"[3] ولكن اذهب انت وربك فقاتلا انا معكما مقاتلون" فوالذي بعثك بالحق لو سرت بنا الىٰ برك الغماد، يعني مدينة الحبشة، لجالدنا معك من دونه حتى تبلغه"[4]

---

[1] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، السیرۃ النبویہ، دار المعرفۃ، بیروت، 1976ء، 2/494
[2] نفس المصدر، 2/23 [3] القرآن 5 - 24
[4] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 2/564

یعنی صحابہ کرامؓ نے بنی اسرائیل کے برعکس اپنے نبیؐ کی مکمل اطاعت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اپنے مال و جان اور اولاد کو کلی طور پر نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیا۔ اور یہ طریق رہتی دنیا کے مسلمانوں کے لئے مقرر کر دیا۔ یعنی مہاجرین کے ساتھ ساتھ انصار نے بھی دل و جان سے اپنے نبی علیہ اسلام کی مکمل اطاعت کا اعلان کیا جس کا ہر موقع پر ثبوت بھی دیا۔[35]

سیرت صحابہ کرام مسلم سپاہ کی تربیت کے لئے اس لئے مصدر کا مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ صحابہؓ نہج نبوی سے سرمو انحراف کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوتے تھے۔ جیسے حضرت ابو بکرؓ کے عمل سے واضح ہوتا ہے۔ منکرین زکوٰۃ سے نمٹنے کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ - واللّٰہ لا جاھدنھم ما استمسک السیف فی یدی وان منعونی عقالا -[36] یعنی "جو جانور کے ساتھ رسی دینے سے انکار کرے گا اس سے بھی قتال کروں گا" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسی کے بغیر زکوٰۃ جائز نہیں تھی۔ یہ بات نہیں بلکہ نقطہ نگاہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں جو رسی کے ساتھ زکوٰۃ دیتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی کرے۔ معاملہ عمل میں تبدیلی کا تھا۔ جو ناقابل قبول تھا۔ صحابہؓ کا عمل یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے سے ذرہ بھر تبدیلی نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے سیرت صحابہؓ بھی ایک بنیادی مصدر ہے۔ جسے تعامل صحابہؓ بھی کہہ سکتے ہیں۔ صلح حدیبیہ میں ایک آزمائش والا مرحلہ تھا ظاہرا یہ معاہدہ بہت دب کر کیا گیا۔ مگر صحابہ کرامؓ نے کمال اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا۔ اور انجام کے لحاظ سے یہ "فتح مبین" رہا۔

اطاعت رسول کا اعلیٰ ترین معیار یہ ہے کہ قائد پر جان قربان کرنے کے واقعات سے سیر الصحابہؓ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔ احد میں ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟ زیادؓ بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کو ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ اسی طرح ابو دجانہؓ جھک کر سپر بن گئے۔ اب جو تیر آتے تھے ان کی پیٹھ پر آتے تھے حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا، ایک ہاتھ کٹ گیا۔[37] حضرت زید بن الدثنہ جب قتل ہو رہے تھے تو سب کہنے لگے کہو یہ پسند ہے کہ محمد ﷺ تمہاری جگہ ہوں۔ انہوں نے کہا۔ خدائے تعالیٰ کی قسم! میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کے پیر

---

[35] ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 267/2

[36] ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، 1387ھ، 317/1
و محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ، دار المعرفہ، بیروت، 419/1

[37] شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، آرمی بک کلب، راولپنڈی، 1979ء، 380-379/1

میں کانا چھے اور میں چھوڑ دیا جاؤں' وہ سب ہنس دیئے۔[91] احد کے روز سعدؓ بن ربیع کا آخری وقت تھا۔ ستر زخم تھے۔ شہادت کے وقت ساتھیوں کے لئے یہ پیغام دیا جسے زیدؓ بن ثابت نے پہنچایا کہ

انہ لا عذر لکم عند اللّٰہ ان خلص الی نبیکم و فیکم عین تطرف[92]

کہ اگر رسول اللہ کو کچھ ہو گیا اس حال میں کہ تم میں ایک آنکھ بھی حرکت کر سکتی ہو تو اللہ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں" عمروؓ بن جموح کے چار بیٹے تھے اور ان کو خود پیر میں لنگ تھا۔ انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ بدر میں روکا تھا احد میں نہ روکنا اور جذبات کا یوں اظہار کیا۔

واللّٰہ انی ارجو ان اطأ بعرجتی ھذہ فی الجنۃ[93]

"خدا کی قسم! میری تمنا ہے کہ میں اپنے اسی معذور پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں"

و ولی و "قال اللھم ارزقنی الشھادۃ و لا تردنی الی اھلی خائبا فقتل یوم احد"[94]

عمرو جہاد کے لئے نکلے اور دعا کی کہ "اے اللہ مجھے شہادت نصیب کر اور مجھے نامراد گھر نہ لوٹائیے گا" اور احد میں شہید ہوئے۔

صحابہ کرام میدان جنگ میں ایک ایک سنت کا اہتمام کرتے حتیٰ کہ اپنے مقصد کی حقانیت کے یقین کے ساتھ ساتھ دعوت کے مسنون طریقہ کو سختی سے اختیار کرتے جیسا کہ ایک واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے ربعیؓ بن عامر کو رستم کے پاس بھیجا۔ انہوں نے رستم کو اسلام کی پوری دعوت دی۔ ساری بات سننے کے بعد رستم نے اپنے امراء سے مشورہ کے لئے چند دن کی مہلت مانگی۔ ربعیؓ بن عمر نے جواب دیا۔

ما سن لنا رسول اللّٰہ ان نؤخر الاعداء عند اللقاء اکثر ثلاث[95]

یعنی ہمارے نبی علیہ اسلام کی سنت یہ ہے کہ ہم دشمن سے ملاقات کے بعد اسے تین دن سے زیادہ مہلت نہ دیں۔ اور یہ بھی کہا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے دین کی طرف مخلوق کو دعوت دینے کے لئے بھیجا ہے جو قبول کرلے وہ ہمارا بھائی ہے۔ اور جو انکار کردے ہم اس سے مسلسل جہاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ہم اپنے مقصود کو پہنچ جائیں۔ رستم نے

---

[91] ابن ہشام' عبدالملک' السیرۃ النبویہ مطبع شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور' 192/2

[92] ابن ہشام' عبدالملک' السیرۃ النبویہ' دار احیاء التراث العربی' بیروت' 100/3

[93] ابن الاثیر' علی بن محمد' اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ' المکتبۃ العربیہ' لاہور' 94/1-95

[94] نفس المصدر' 94/1-95

[95] ابن کثیر' اسماعیل بن عمر' البدایہ والنہایہ' المکتبۃ القدوسیہ' لاہور' 78/7

پوچھا تمہارا مقصود کیا ہے۔

"قال الجنة لمن مات علی قتال من ابیٰ ما الظفر لمن بقی"[51]

جواب دیا کہ اس کے لئے جنت ہے جو منکرین کے ساتھ قتال کرتے ہوئے مارا گیا (شہید ہوا) یا غازی ہوا جو بچ گیا۔[52] اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ نے فارس کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن تک انہیں اسلام کی طرف بلایا (جب وہ نہ مانے) تو مسلمانوں نے ایسا شدید حملہ کیا کہ وہ قلعہ فتح ہو گیا۔[53]

جنت کی طلب کے علاوہ دوزخ کے خوف کا عالم بھی عجیب تھا۔ صحابہ کرامؓ کے ایمان کا یہ معیار تھا کہ صنفت بشری کے زور پر غلطی سرزد ہوتی تو وہ شخص خود اقرار جرم کرتا اور سزا کے لئے برضا و رغبت اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے۔ ماعزؓ بن مالک اسلمی اور غامدیہ کا زنا کا اقرار کرنا اور بذریعہ سنگ باری، ان کی طہارت، تاریخ کا انوکھا نمونہ ہے۔ بلکہ غامدیہ کو جب رسول اکرم ﷺ نے لوٹانا چاہا تو اقرار جرم کی شدت میں اس کے ادا کئے گئے الفاظ حیران کن ہیں۔

فقالت اراک ترید ان ترددنی کما رددت ماعز بن مالک قال وما ذاک قالت انھا حبلی من الزنی۔ فقال اانت قالت نعم فقال لها حتی تضعی ما فی بطنک[54]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پختہ یقین۔ ان کی استقامت و ثابت قدمی، اطاعت رسول میں حد کمال، قائد پر جاں فدا کرنے کا جذبہ، شوق شہادت، سنت سے سر مو انحراف نہ کرنے کا عہد نیز جنت کی طلب کے ساتھ ساتھ جہنم کے خوف کا ادراک اور توکل و تقویٰ کی زندگی جیسے عوامل مسلمان سپاہ کی تربیت کے لئے عظیم سرمایہ ہیں۔

و۔ تعامل قائدین اسلام:

مصادر تربیت یعنی قرآن مجید، سنت نبوی ﷺ اور سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وضاحت کے بعد اب ہم مسلم قائدین کا تذکرہ کریں گے کہ انہوں نے اپنے اپنے عساکر کی کس طرح تربیت کی اور ان میں کیا کیا خصائل پیدا کرنے کا اہتمام کیا۔ جس سے ان کی عسکری استعداد میں اضافہ ہوا۔ اور انہوں نے سپاہ کو نئے حالات میں جہاد اور قتال پر کیسے آمادہ کیا۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ارتداد وقوع پذیر ہوا۔ داعیان نبوت کا ظہور ہوا۔ حضور اکرمؐ

---

[51] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبہ القدوسیہ، لاہور، 59/7

[52] نفس المصدر، 39/7

[53] ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبد الکریم الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 1978ء، 358/2
محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ، دار المعرفہ، بیروت، 229/1

[54] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دار المعرفہ، بیروت، 119/5

کے زمانہ میں تو کافروں سے مقابلہ تھا۔ مسلمان تو اپنے مذہب و دین پر پوری طرح قائم تھے مگر بعد میں کچھ نئے مسلمانوں نے دین سے لوٹنا شروع کر دیا۔ بعض نے زکوٰۃ دینے سے انحراف کر لیا۔ یعنی منکرین زکوٰۃ ایک عملی بنیاد سے انکار کر رہے تھے اور مدعیان نبوت ایک نظریاتی بنیاد سے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دونوں سے جہاد کرنے کے لئے اپنی سپاہ کو ذہنی اور عملی طور پر تیار کیا۔ جس سے رہتی دنیا تک راہنما اصول ملے کہ اسلام کی نظریاتی یا عملی بنیاد پر حملہ ہو تو جہاد کرنا لازمی ہے۔ اور اسلام کی نظری اور عملی بنیادوں کی حفاظت ہر قیمت پر کرنا امت مسلمہ اور عساکر اسلام پر فرض ہے۔ اسلام کی ابتدائی فتوحات کامل ایمان کی وجہ سے تھیں۔ مسلمان فارسی اور رومی افواج پر غالب آگئے اگرچہ موتہ، یرموک، قادسیہ، نہاوند اور حنین میں حالات مسلمانوں کے خلاف تھے۔ اس فصل میں میدان جنگ میں نئی نئی صورت حال میں قائدین کے رویے کو تفصیل سے ذکر کیا جائے گا تاکہ عساکر اسلام کی تربیت کے لئے راہنمائی حاصل کی جا سکے۔

(1) موتہ کی جنگ سے قبل حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے خطاب میں شہادت کو سپاہ کا مقصود قرار دیا اور فرمایا "لوگو جو تم پسند کرتے ہو اس کی تلاش میں تو نکلے ہو یعنی شہادت، ہم دشمن سے تعداد، قوت یا دبدبہ کی بنیاد پر نہیں لڑ رہے۔ بلکہ ہم تو ان سے اس دین کی بنیاد پر ٹکر لے رہے ہیں جو اللہ نے ہمیں بخشا ہے۔ اس لئے آؤ دونوں مواقع موجود ہیں۔ فتح یا شہادت" [1]

(2) اسی طرح حضرت اسامہؓ بن زیدؓ نے بھی مقصد کے حصول تک جدوجہد جاری رکھنے کے لئے اپنی فوج سے یوں خطاب فرمایا۔ "اے مجاہدین اسلام! حملہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دشمن اگر بھاگ پڑا تو اس کا پیچھا نہ کرنا۔ آپس میں متحد و متفق رہو۔ ہلکی آواز سے بولو۔ اللہ کو اپنے دلوں میں یاد کرو۔ اور تلواریں جب ایک مرتبہ نیام سے باہر نکال لو۔ تو پھر جب تک تم اپنے دشمنوں کا جو تم پر ہتھیار اٹھائے ہوں۔ سر قلم نہ کر دو۔ ان تلواروں کو نیام میں مت رکھو۔ [2]

(3) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جہاد پر روانہ کرتے وقت حضرت خالدؓ بن ولید کو نصیحت فرمائی اور موت سے بے پروائی کی تلقین کرتے ہوئے کہا "خالد عزت و جاہ سے بھاگو، عزت تمہارے پیچھے پیچھے پھرے گی۔ موت پر دلیر رہو زندگی تمہیں ملے گی" [2] گویا موت پر دلیر ہونا مسلم سپاہ کے لئے تربیت کے مرکزی نقطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

---

[1] ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 440/2

[2] ابن عساکر، علی بن الحسن بن عبداللہ، تاریخ ابن عساکر، دار صادر، بیروت، 1979ء، 1/123-124

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عمل سے جہاد کی ترغیب دی اور مسلم سپاہ کو تقویٰ کی وصیت کی آپؓ نے جب شام کی طرف لشکر روانہ کئے، جن پر امیر یزیدؓ بن ابی سفیانؓ، عمروؓ بن العاص اور شرجیلؓ بن حسنہ تھے۔ کچھ دور حضرت ابوبکرؓ بھی رخصت کرنے کے لئے امراء لشکر کے ساتھ ہوئے۔ ان حضرات کی طرف سے سواری کی پیش کش پر خلیفہ الرسول نے یہ جواب دیا۔

"انی سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول من اغبرت قدماہ فی سبیل اللّٰہ حرمہ اللّٰہ علی النار فقال انی احتسب خطای ہذہ فی سبیل اللّٰہ"[1]

یعنی میں ان قدموں سے اپنی خطاؤں کو بخشوا رہا ہوں، یہ میرے قدم اللہ کے راستے میں اٹھ رہے ہیں۔ پھر ابوبکرؓ نے لشکر کو ہدایات دیں۔

"و اوصٰی کل واحد منہم بوصیہ واحدۃ فقال اتق اللّٰہ فی السر والعلانیۃ فانہ من یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب"[2]

یعنی میں تمہیں ہر حال میں اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔

(4) لشکر اسامہؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی تحریض علی الجہاد کے الفاظ یوں نقل کئے گئے ہیں۔ جن میں کئی تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ "ایہا الناس اوصیکم بعشر فاحفظوہا عنی لا تخونوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا طفلا صغیرا ولا شیخا کبیرا ولا امراۃ ولا تعقروا نخلا ولا تحرقوہ ولا تقطعوا شجرۃ مثمرۃ ولا تذبحوا شاۃ ولا بقرۃ ولا بعیرا الا لماکلہ"[3]

"اے لوگوں میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کو محفوظ کر لو۔ خیانت مت کرو۔ مال غنیمت میں بددیانتی نہ کرو، دھوکہ نہ دو اور مثلہ نہ کرو چھوٹے بچے کو اور بوڑھے آدمی کو اور عورت کو قتل نہ کرو اور کھجور کو نہ اکھاڑو اور نہ اسے جلاؤ اور کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹو۔ بکری، گائے اور اونٹ کو کھانے کی ضرورت کے بغیر ذبح نہ کرو۔" اسی طرح ابوبکر صدیقؓ نے دشمن کو اسلام کی دعوت دینے کی ترتیب بھی یوں واضح کی "اگر بتقدیر الٰہی

---

[1] البیہقی، ابوبکر احمد الحسین، السنن الکبریٰ، مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، الہند، 1356ھ، 85/9

[2] ابن عساکر، علی بن الحسن بن عبد اللہ، تہذیب تاریخ دمشق کبیر، المہذب الشیخ عبد القادر بدران، دار المسیرہ، بیروت، 1979ء، 133/1

[3] مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی، الموطا، کتب خانہ دار الاشاعت، کراچی

مشرک دشمنوں سے سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی دعوت دینا۔ اگر انہوں نے تمہاری بات مان لی تو تم مان لینا اور جنگ سے رک جانا۔

(i) ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر انہوں نے اسلام اختیار کر لیا تو ان کے اسلام لانے کو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔

(ii) اگر انہوں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو ان سے جزیہ پر معاملہ طے کرنا، اگر وہ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے اور جزیہ منظور کر لیا تو تم منظور کر لینا اور ان سے جنگ و جدل نہ کرنا۔

(iii) اگر انہوں نے اس سے بھی انکار کیا تو اللہ سے ان کے خلاف امداد طلب کر کے جنگ شروع کر دینا پھر جیسی خدا کی مرضی ہو۔[1]

(5) اس طرح رومیوں کی کثیر تعداد کے مقابلے میں ابوبکرؓ نے مسلمان امراء کو اتحاد، اخلاص اور نماز کی پابندی کی تلقین ان الفاظ میں کی ۔ "تم سب مل کر ایک فوج ہو جاؤ اور مشرکین کی فوجوں کے ساتھ جنگ کرو، تم انصار اللہ ہو اور اللہ اس کا مددگار ہوتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔ اور جو اس کا انکار کرتا ہے اسے بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے۔ تم جیسے لوگ، قلت کے باعث ہرگز شکست نہیں کھائیں گے۔ لیکن گناہوں کے باعث شکست ہوگی۔ پس گناہوں سے بچو اور تم میں سے ہر آدمی اپنے اصحاب کو نماز پڑھائے۔ آخری جملہ بہت قابل غور ہے۔ یعنی - ولیصل کل رجل منکم باصحابہ۔"[2]

رومیوں نے شکست کھانے کے بعد ہرکولیس کو میدان جنگ میں صحابہ کے طرز عمل کے بارے میں یوں تحریر کیا "رات کو وہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ دن کو وہ روزہ سے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کی ایفاء کرتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور اپنے اندر مکمل مساوات قائم کرتے ہیں۔" مزید یہ لکھا : "دن کو وہ گھوڑ سوار ہوتے ہیں۔ اور رات کو عبادت گزار۔[3] وہ جو کچھ مفتوحہ علاقوں سے کھاتے ہیں اس کی قیمت ادا کرتے ہیں۔ وہ کسی مجلس میں پہنچنے سے پہلے سلام کرتے ہیں اور ہمارے جنگجو ہیں جو دشمن کا صفایا کر دیتے ہیں۔ رات کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ

---

[1] البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1356ھ، 85/9

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، 352/6

And Inam ul Haq, Islamic Motivation and National Defence, Vanguard Lahore 1991 P 90

[3] نفس المصدر ، 7/7

دنیا سے تعلق نہیں رکھتے اور نماز پڑھنے کے علاوہ ان کا کوئی کام نہیں۔ اور دن کو جب کوئی ان کو گھوڑوں پر سوار دیکھتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کے علاوہ زندگی میں اور کچھ کرتے ہی نہیں۔ وہ بہترین تیر انداز اور نیزہ باز ہیں پھر بھی وہ اتنے پکے دین دار ہیں اور خدا کو اتنا زیادہ کثرت سے یاد کرتے ہیں کہ آدمی ان کی مجلس میں مشکل سے ہی کسی اور بات کا تذکرہ سنتا ہے۔

(6) حضرت خالدؓ بن ولید نے عساکر اسلام کو یوں تحریضی خطاب فرمایا:

"متحد و مجتمع ہو جاؤ۔ تفرق و اختلاف سے اجتناب کرو۔ اپنے جہاد کو خالص کرو، اور اپنے عمل سے اللہ کی رضا مندی چاہو۔ بلاشبہ اس دن کا اثر بعد کے دنوں پر بھی پڑے گا۔ ہم انہیں آج ان کی خندق میں داخل کر دیں گے۔ اور ہمیشہ ہی انہیں پسپا کرتے رہیں گے ورنہ ہم اس کے بعد کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔"[1]

(7) روم کے مقابلے میں سپہ سالار اعظم ابو عبیدہؓ نے عساکر کو یوں نصیحت کی۔

عباد اللہ انصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم والزموا الصمت الا من ذکر اللہ فی انفسکم[2]

"اے بندگان خدا! اللہ کی مدد کرو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے پاؤں کو ثبات بخشے گا۔ اے گروہ مسلمین! صبر کرو، بلاشبہ صبر، کفر سے نجات دینے والا ہے۔ اور خاموشی اختیار کرو اور دلوں میں ذکر الٰہی کرو۔ یوں سپہ سالار نے جہاد، صبر اور ذکر الٰہی کے لئے ہدایات جاری کیں۔

(8) عمروؓ بن العاص نے جیش یرموک کو دشمن سے مقابلہ کے لئے یوں جوش دلایا۔

"یا ایہا المسلمون غضوا الابصار، وجثوا علی الرکب واشرعوا الرماح فلا یہولنکم جموعہم ولا عددہم......[3]

"اے مسلمانو! نگاہیں نیچی رکھو اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور نیزوں کو بلند کرو اور جب وہ تم پر حملہ کریں تو انہیں مہلت دو اور جب وہ نوک ہائے نیزہ کو سرمت کرلیں تو ان پر شیر کی طرح حملہ کر دو۔ پس ان کی فوجیں اور ان کی تعداد تمہیں خوف زدہ نہ کرے۔ اور اگر تم نے دلجمعی کے ساتھ ان پر حملہ کیا تو وہ چکور کے بچوں کی طرح اڑ

---

[1] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار القلم، بیروت، 409/3
[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، ایچ ایم سعید پریس، کراچی، 1387ھ
[3] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، 9/7

جائیں گے۔"

(9) رومیوں کے مقابلے میں ابوسفیانؓ نے جہاد و شہادت کے لئے اور عورتوں کو استقامت کے لئے ترغیب دی:

قال ابوسفیان: یا معشر المسلمین .... وقد واللّٰہ اصبحتم بازاء عدو کثیر عددہ .... واللہ لا ینجیکم الا بصدق اللّٰہ والصبر فی المواطن المکروھۃ [1]

"اے گروہ مسلمین! قسم بخدا تم ایک کثیر تعداد دشمن کے مقابلہ میں ہو جو تم پر بہت غضب ناک ہے۔ کل کو اللہ تعالیٰ مردانہ وار جنگ کرنے اور ناپسندیدہ مقامات پر استقلال دکھانے سے ہی تم کو ان سے نجات دے گا"

وحرض ابوسفیان النساء فقال من رأیتموہ فارا فاضربنہ بھذہ الاحجار والعصی حتی یرجع . واستقبل النساء من انھزم من سرعان الناس یضربنھم بالخشب والحجارۃ وجعلت خولۃ بنت ثعلبۃ تقول یاھاربا عن نسوۃ تقیات . فعن قلیل ماتری سبیات .. ولا حصیات ولا رضیات .... قال: فتراجع الناس الی مواقفھم [2]

یعنی یرموک میں ہی حضرت ابوسفیانؓ نے عورتوں کو ترغیب دی اور فرمایا ۔

"جسے تم فرار کرتا ہوا دیکھو اسے ان پتھروں اور لاٹھیوں کے ساتھ مارنا حتیٰ کہ وہ واپس لوٹ جائے ....

اور شکست کھانے والوں میں سے جو لوگ آگے آگے تھے۔ عورتوں نے لکڑیوں اور پتھروں سے انہیں مارتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور حضرت خولہ بنت ثعلبہ کہنے لگیں "اے پرہیزگار عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والے، عنقریب تو انہیں قیدی دیکھے گا وہ نہ عقل مند ہوں گی اور نہ پسندیدہ ہوں گی" اس پر لوگ اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے گئے۔

(10) قتیبہ بن مسلم 86ھ میں حجاج کی طرف سے خراسان کا عامل مقرر ہو کر آئے۔ اخرون اور شومان کے خلاف جہاد کرنے سے قبل قتیبہ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور انہیں جہاد پر برانگیختہ کیا اور کہا کہ "اللہ تعالیٰ نے کفار سے جہاد کرنے کو تمہارے لئے حلال کیا ہے۔ تاکہ اس کے دین کا غلبہ ہو۔ تم برائیوں سے بچو، زیادہ دولت مند ہو اور کفار تباہ و ہلاک ہوں۔[3] اور اللہ نے کلام پاک میں اپنے نبی محترم سے فتح کا یوں حتمی وعدہ فرمایا ہے۔

---

[1] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، 7/8-11

[2] نفس المصدر، 7/9-11

[3] ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 4/105

هو الذی ارسل رسولہ بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون [1]

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی یوں وضاحت کی ہے۔

ای و دین الحق هو الاعمال الصالحة الصحیحة النافعة فی الدنیا والاخرة لیظهره علی الدین کله ای علی سائر الادیان [2]

قتیبہ نے خطبہ جاری رکھتے ہوئے کہا "اس طرح خداوند برتر نے مجاہدین کے لئے بڑا ثواب اور اپنے پاس بڑے بڑے مراتب و مدارج دینے کا وعدہ فرمایا ہے :

ذلک بانهم لا یصیبهم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة فی سبیل اللہ [3]

یعنی یہ مدارج اور یہ انعامات انہیں اس لئے دیئے جائیں گے کہ اللہ کی راہ میں نہ انہیں پیاس معلوم ہوتی ہے نہ تھکن محسوس کرتے ہیں اور نہ کوئی دقت و دشواری ---- اس کے بعد قتیبہ نے شہداء کے متعلق کہا کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں برابر اللہ کی طرف سے رزق پہنچتا رہتا ہے۔ جیسے فرمان ربانی ہے :

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون [4]

اور آخر میں قتیبہ بن مسلم نے استقلال اختیار کرنے کی تلقین کے ساتھ اپنے عمل کی یوں یقین دہانی کرائی۔

"اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ اپنے رب کے وعدہ کو حاصل کیجئے اور اپنے تئیں انتہائی مصیبت و تکلیف کے برداشت کرنے کے لئے تیار رہئے اور خود میں ہمیشہ ڈھیل اور کاہلی سے گریزاں رہوں گا۔" [5]

(۱۱) طارق ابن زیادہ نے اسپین کے ساحل پر مدمقابل کی عسکری برتری کے پیش نظر اپنی سپاہ میں یکسوئی پیدا کرنے اور تن من دھن سے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ایک مشہور خطبہ دیا۔ سب سے پہلے اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کے بعد سپاہ میں جوش و جذبہ پیدا کرنے اور انہیں جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا :

---

[1] القرآن۔ 33:9

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء، 349/2

[3] القرآن۔ 120:9

[4] القرآن۔ 169:3

[5] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار القلم، بیروت، 59/8

"یاایها الناس این المفر البحر من ورائکم والعدو امامکم ولیس لکم، واللّٰہ الا الصدق والصبر"[1]

"اے لوگوں اب پناہ کی جگہ کہاں ہے؟ کیونکہ تمہارے پیچھے سمندر ہے اور تمہارے سامنے دشمن ہے خدا کی قسم آج تمہارے پاس حق کی پاسداری اور صبر و استقلال کے بغیر کوئی چارہ نہیں"۔ "تمہارا دشمن لشکر جرار، وافر اسلحہ اور پوری قوت سے سامنے کھڑا ہے۔ اور تمہارے پاس اپنی تلواروں کے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے تم جیسے جری نوجوانوں کا تمہاری بہادری اور سرفروشی کی بنا پر انتخاب کیا ہے۔ تاکہ اس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کے غلبے کے لئے تمہارے ثواب میں سے اسے بھی حصہ مل جائے۔ جان لو کہ جس کام کے لئے آپ کو دعوت دے رہا ہوں۔ اس کے لئے میں سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں اور دونوں فوجوں کے آمنے سامنے ہونے پر بڑھتے دشمن (لذریق) پر حملہ کروں گا اس لئے تم سب اس حملہ میں میرا ساتھ دو اگر میں نے اس کو قتل کر ڈالا تو ٹھیک ہے اور اگر میں قتل ہو گیا تو حصول مقصد کے لئے میرا قائم مقام مقرر کر لینا۔ تم سب خوش دلی کے ساتھ جہاد میں شرکت کرو اور بڑے شہنشاہ کو قتل کر کے جزیرہ کو فتح کرو۔ اس کے قتل ہونے سے وہ خود بخود ذلیل ہو جائیں گے۔"۔

طارق کی تقریر سے مجاہدین میں نیا ولولہ اور جذبہ جہاد پیدا ہو گیا اور وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے چنانچہ 27 رمضان المبارک 92ھ کی صبح کو اسلامی اور سپین کی افواج میں تاریخی معرکہ پیش آیا یہ اندلس کی تاریخ میں سب سے بڑی اور فیصلہ کن جنگ ثابت ہوئی حملہ کی ابتدا راذرک کی فوج کی طرف سے ہوئی۔ مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی پھر جلدی گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ تین روز تک لڑائی متواتر شدت سے جاری رہی۔ آخر موقع پا کر طارق نے اپنے ذاتی دستے کے ساتھ دشمن کے قلب پر، جہاں راذرک موجود تھا، زوردار حملہ کیا اور اندلسی قلب کی فوج کو منتشر کر دیا۔ راذرک خود کو غیر محفوظ پا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا مگر دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ دشمن کا ٹڈی دل لشکر پچاس ہزار لاشیں چھوڑ کر میدان سے فرار ہو گیا دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں کی جنگ میں ثابت قدمی اور جانفروشی کے بدلے میں یہ فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجاہدین کے لئے خصوصی انعام تھا۔ نیز اس جنگ نے سپین کی تقدیر

---

[1] تلمسانی، احمد بن محمد المقری، نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، دار الکتب العربیہ، بیروت، 1980ء، 1/240-241
، عبداللہ بن فرج العقاد، اعداد الجندی المسلم اعداده و اسسه، وزارت الدفاع والطیران الریاض، 1414ھ، ص:176
، نواب ذوالقدر جنگ بہادر، خلافت اندلس، مکتبہ القریش، لاہور، 1919ء، ص:57

کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر دیا اہل چین مسلمانوں سے اتنے مرعوب ہوئے کہ انہوں نے اس کے بعد کہیں جم کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کی اور اس طرح مسلمانوں نے سارا ملک باآسانی فتح کر لیا۔[1]

(12) حجاج بن یوسف نے قائد کے لئے پر خطر حالات میں اپنی سپاہ کے ساتھ رہنے کی مستقل ہدایات جاری کیں اخروں اور شورمان سے جہاد اور ان سے صلح کے بعد قتیبہ بن مسلم خود آبی راستے سے پہلے لوٹ آئے۔ اور باقی فوج خشکی کے لمبے راستے سے بعد میں آئی۔ حجاج بن یوسف کو جب اس واقعہ کا علم ہوا، اس نے قائد عساکر کی گرفت کی اور فوج کو پیچھے چھوڑ آنے پر اظہار ناخوشنودی کیا اور لکھا :

"اذا غزوت فکن فی مقدم الناس واذا قفلت فکن فی اُخریاتهم وساقتهم"[2]

"کہ اب جب بھی تم جنگ کرنے کے لئے جاؤ تو پیش قدمی کی صورت میں سب سے آگے رہو اور جب واپس پلٹنے لگو تو سب کے آخر میں پچھلے دستہ فوج میں رہو"

(13) سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب دشمن کے بیت المقدس پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تو اپنے تمام کمانڈروں کو حسب عادت مشورہ کے لئے جمع کیا اور ان میں قاضی ابن شداد بھی موجود تھے۔ سلطان صلاح الدین نے ان سے درخواست کی کہ وہ تمام حاضرین کو جہاد کے لئے ترغیب دیں چنانچہ انہوں نے حسب ذیل خطاب فرمایا۔

"جب حضور ﷺ کو کوئی مشکل امر پیش آتا تھا تو صحابہ کرامؓ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آپؐ کی بیعت کرتے تھے۔ ہمیں آپ ﷺ کی تقلید کرنی چاہئے ہمیں بیت المقدس کے مفادات اور تحفظ کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے حلف اٹھانا چاہئے۔ کمانڈروں نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا اور ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اس کے بعد صلاح الدین نے یوں خطاب فرمایا :

اعلموا انكم جند الاسلام اليوم و منعته و انتم تعلمون ان دماء المسلمين واموالهم وذراريهم معلقة بذممكم[3]

"میرے جانثار ساتھیو! تمہیں جان لینا چاہئے کہ آج تم ہی صرف اسلام کی سپاہ ہو اور اس کے محافظ ہو۔ لوگوں کی

---

[1] پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی، عبرت نامہ اندلس، مترجم مولوی عنایت اللہ دہلوی، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص 408

[2] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار القلم، بیروت، 8/ 60

[3] ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبد الکریم، الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 9/ 177

جان و مال اور عزت و آبرو اور ان کی اولاد کی حفاظت کا ذمہ تمہارے سپرد ہے۔ اس دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں میں سے صرف تم ہی ہو۔ بالفرض محال اگر تم نے ہمت ہار دی اور راہ فرار اختیار کی تو سارے شہر میں اس طرح دشمن کے قبضہ میں آجائیں گے جیسے کتابوں کے لئے کاغذ لپیٹا جاتا ہے۔ اور اس کا وبال تمہاری گردنوں پر ہو گا۔ آپ لوگوں نے ہی اس فریضہ کی سرانجام دہی کا ذمہ اٹھایا ہے اور بیت المال سے اس مقصد کے لئے فائدہ اٹھاتے رہے ہو۔ پورے ملک کے مسلمانوں کی حفاظت کا بوجھ تمہاری گردنوں پر ہے۔"

سلطان اور ابن شداد کی ان تقریروں کا مجمع پر بہت بڑا اثر ہوا۔ یہاں تک کہ بعض مجاہدین نے جواب دیا۔

"اے ہمارے آقا! ہمارے پاس سب سے قیمتی چیز ہماری گردنیں ہیں۔ جو آپ کے لئے حاضر ہیں۔ خدا کی قسم مرتے دم تک ہم میں سے کوئی آپ کی مدد و نصرت سے الگ نہیں ہو گا۔ یعنی ہم اپنی زندگی آپ پر نچھاور کر دیں گے۔"[51]

حطین کے بعد سلطان صلاح الدین نے 1187ء میں بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کیا اور اس آرزو کی تکمیل کی جو 90 برس سے مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کئے ہوئے تھی۔ سلطان صلاح الدین نے اس موقع پر نہایت عالی حوصلگی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا۔[52]

خلاصہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مشاہیر امت مسلمہ نے بھی دنیا پر توحید کے پرچم گاڑے اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنے جان و مال کو کھپایا۔ اپنی سپاہ کے لئے نمونہ بنے اور میدان جہاد میں تحریض کے لئے اللہ اور اس کے رسول اور اسلاف کے کارناموں سے مجاہدین کے قلوب کو گرمایا اور اس طرح اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو زیر کر کے اللہ کے کلمہ کو بلند کیا۔ ان مشاہیر اسلام کے میدان جنگ میں خطابات اور ان کا قائدانہ طرز عمل مسلم سپاہ کی تربیت کے لئے قیمتی سرمایہ ہیں۔

---

[51] ابن اثیر، علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 1979ء، 9/178

[52] اسٹینلے لین پول، سلطان صلاح الدین، مترجم مولوی عنایت اللہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص 205

فصل پنجم ----- مسلم سپاہ کی عملی تربیت

1- اسلامی تربیت کے ادارے :

اسلام نے اپنے پیروکاروں کی روز مرہ اور عسکری تربیت کے لئے ایک جامع نظام دیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف ادارے متعین کئے ہیں۔ مثلاً[1]

الف۔ الاسرہ :

خاندان ہی وہ بنیادی ادارہ ہے جو بچے کو یا فرد کو علم و تہذیب دیتا ہے۔ باپ کے ذریعے زندگی کے تجربات، اس کی ذاتی محنت و مہارت اور ضروری علوم منتقل ہوتے ہیں۔ قبیلہ والدین کے تربیتی عمل میں مدد دیتا ہے۔ اکثر و بیشتر خاندان ہی مختلف معاشروں میں اولاد کے علوم و تربیت کا ذریعہ ہے۔ اسلام میں خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بچے کو نماز اور اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ کرے جیسے ارشاد ربانی ہے :

وامر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها[2]

امام قرطبی نے اس کی تفسیریوں کی ہے۔ امره تعالى بان يامر اهله بالصلوٰة و يمتثلها معهم ويصطبر عليها و يلازمها[3] یعنی اللہ کا حکم ہے کہ مسلمان اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دے اور خود ان کے ساتھ اس کی پابندی کرے اس پر مداومت کرے اور اس کو لازم پکڑے۔ غزالی کہتے ہیں کہ بچوں کی تربیت میں بنیادی طور پر مشق کرانا ایک اہم اور ضروری امر ہے اور اس میں جو امور شامل ہیں ان میں سے ادب سکھانا، مہذب بنانا، ان کو اخلاق حسنہ سکھانا اور بری مجلس سے بچانا ہے۔[4]

تفسیر فی ظلال القرآن میں یوں مرقوم ہے۔

وامر اهلك بالصلوٰة فاول واجبات الرجل المسلم ان يحول بيته الى بيت مسلم و ان يوجه اهله الى اداء الفريضة التى تصلهم معه بالله واصطبر عليها على اقامتها كاملة، وعلى تحقيق آثارها۔ ان الصلوٰة تنهى عن الفحشاء والمنكر"[5]

---

[1] الدکتور حمید اللہ عبدالقادر، استاد ادارۃ العلوم الاسلامیہ، مجلہ "الاضواء" مرکز الشیخ زاید الاسلامی بجامعہ پنجاب، لاہور، پاکستان، ربیع الثانی 1415ھ ستمبر 1994ء تلخیص ص: 27 تا 45

[2] القرآن۔ 20: 132

[3] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 263/11

[4] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء العلوم دار المعرفۃ، بیروت، 1468/8

[5] سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1967ء، 506/5

خاندان پر اہم تربیتی ذمہ داریوں میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کی ایمانی تربیت کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کے میلان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی اولادوں کو بتدریج کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کریں، نماز کا حکم کریں، قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کروائیں اور بچوں کو حلال و حرام کی تمیز کروائیں۔ خاندان ہی وہ پہلا مقام ہے جس میں بچہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اس کے نیک والدین اس کو توجہ دیتے ہیں۔ اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس کی راہنمائی کرتے ہیں اور اس کی اچھی تربیت کرتے ہیں تو بچے ایسی حالت میں پرورش پاتے ہیں کہ وہ اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے نافع ہوتے ہیں اور اپنے رب کے مطیع ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو اور گھر والوں کو اللہ کے عذاب اور غصہ سے بچانے والے ہوتے ہیں۔ ان فضائل کے حاصل کرنے والا بچہ ہی جوان ہو کر مجاہد کا کردار ادا کرتا ہے۔

ب۔ المسجد:

تربیت کے لئے کسی محل کا ہونا ضروری ہے اسلام نے مسجد کو تربیت گاہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اہل اللسان نے مسجد کی تعریف یوں کی ہے کہ یہ ، سجد یسجد سے ظرف مکان ہے یعنی سجدہ گاہ یا عبادت کی جگہ ہے اور اسلام میں تو ہر عبادت کی جگہ مسجد ہے جیسے فرمایا :

کل موضع یتعبد فیہ فھو المسجد[1]

حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ؐ نے مسجد کی تعمیر شروع فرمائی اور تعمیر مسجد میں آپ ؐ نے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ خود بھی شرکت فرمائی۔ یہ مسجد نبوی اسلام میں پہلی تربیت گاہ اور عساکر کی قیام گاہ تھی۔ آپ ؐ اپنے صحابہ ؓ کو اسی مسجد میں جنگ کے لئے جمع کرتے غزوات اور جنگوں کی تیاری بھی مسجد میں ہوتی تھی اور میدان جنگ میں ثابت قدمی کے سبق بھی اسی مسجد میں دیئے جاتے تھے۔ جب کوئی پر خطر اور اہم معاملہ پیش آتا تو آپ ؐ صحابہ ؓ کو اسی مسجد میں اکٹھا کرتے۔ غزوات اور جنگوں سے فتح مند ہو کر اسی مسجد میں تشریف لاتے اور زخمیوں کی مرہم پٹی بھی یہیں ہوتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے دور میں مسجد مجاہدین کے اکٹھا ہونے کی جگہ تھی اور قائد کے اپنے عساکر کو جمع

---

[1] ابن منظور محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1980ء، 3/ 204

کرنے کا مقام بھی یہی تھا۔ جب کوئی خطرہ کی بات ہوتی تو منادی آواز دیتا کہ نماز کے لئے جمع ہو جایئے اس سے لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ کوئی خطرہ درپیش ہے۔ مجاہدین فوراً ذوق شوق کے ساتھ مسجد کی راہ لیتے اور مسلح ہو کر آیا کرتے تھے تاکہ خطرہ کا فوری مقابلہ کیا جا سکے۔

مسجد ایک ایسی جگہ ہے جہاں مسلمان دین اسلام کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مسجد ہی میں ایمان مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔ مسجد کی اصل روح اللہ کا ذکر ہے۔ جس سے روح کو سکون اور دل کو اطمینان ملتا ہے اور مسلمان اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان میں اسلام کی خدمت کا جذبہ اور تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

ج۔ المدرسہ:

مکتب یعنی مدرسہ۔ مکتب کی تعریف " کتب یکتب" سے ظرف مکان ہے یعنی معلم کا لکھنے کی جگہ والمکتب موضع الکتاب، موضع التعلیم [1] علم اور اس کی فضیلت کے بارے میں قرآن مجید میں بارہا ذکر آیا ہے مثلاً ایک جگہ ارشاد ربانی ہے ۔ علم الانسان مالم یعلم [2] دوسری جگہ فرمایا : "رب زدنی علما" [3] اور پھر اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک اور جگہ یوں ارشاد ہے "قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" [4]

اس طرح حدیث میں بھی علم کی فضیلت کے ذیل میں یوں ارشاد نبوی ﷺ ہے ۔ عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللّٰہ حتی یرجع [5]

اور دوسری جگہ فرمایا " طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم [6] یہ ساری عبارتیں علم کی اہمیت اور اس کے حصول کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور یوں مدرسہ یا مکتب کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

مدرسہ دنیا میں جدید معاشرتی ادارہ ہے۔ جیسا کہ اولاد کی تربیت میں خاندان اور مسجد کی اہمیت کا ذکر ہوا ہے۔

---

[1] ابن منظور محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1980ء، 499/1

[2] القرآن۔ 5:96

[3] القرآن۔ 114:20

[4] القرآن۔ 39 9

[5] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، باب العلم، دار الاشاعت، کراچی، 1967ء، ص 233

[6] ابن ماجہ، محمد ابن یزید، السنن، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، اشرف پریس، لاہور، 81/1

اسی طرح زندگی کی ترقی کی وجہ سے ایک ایسے مکان کی ضرورت پیش آئی جس میں چھوٹے بچوں کو پڑھایا جائے اور کچھ ایسے افراد کی ضرورت پڑی جو معاشرہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اس فریضہ کو ادا کریں۔ نیز ان کے کھانے پینے اور رہائش کے لئے جگہ کا مساجد کے ساتھ انتظام کرنا پڑا۔ اس طرح جامع مسجد ایک تعلیمی مرکز بن گئی۔ یوں طالب علموں کی ضرورت و استعداد کے مطابق ان کی دینی تربیت اور علوم کا انتظام کیا گیا۔ ان پر انفرادی توجہ ضروری تھی کیونکہ ایک ہی ضابطہ سب کے لئے مفید نہیں ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ امام غزالیؒ نے کہا ہے :

لو عالج جميع المرضىٰ بعلاج واحد قتل اكثرهم [1]

اگر طبیب ہر مریض کا علاج ایک ہی دوا سے کرے تو اکثر کو مار دے گا"

مدرسہ کے عمومی فرائض کچھ یوں ہیں : تدریس کے لئے اسلامی اسلوب اختیار کرنا، انسان کے لئے اس کی طبیعت اور مزاج کی رعایت کرنا، انسانی تجربات سے استفادہ کرنا، خیر و نیکی سے محبت اور برائی و شر سے کراہت کرنا۔

د۔ المجتمع (معاشرہ):

تربیت اجتماعی احوال اور ایک نظیف مسلم معاشرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی بر اور تقویٰ پر تعاون اور گناہ و سرکشی پر عدم تعاون اس کی بنیادی شرط ہے نیز ہر فرد معاشرہ کو معاشرے کی بہتری کے لئے مکلف کیا گیا ہے۔ جیسے ارشاد نبوی ﷺ ہے :

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه و ذلك اضعف الايمان" [2]

یعنی برائی کو حتی المقدور روکنے کی ذمہ داری ہر فرد معاشرہ پر ہے۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے متقین ہی اس کے بانی ہیں۔ متقی اللہ کے دوست ہیں اور معاشرے کے لئے سعادت اور اس کی بنیاد ہیں اور یہ رزق کا سبب ہیں۔ اقتصادی کشادگی کا ذریعہ ہیں۔ ہر ضعف کا مداوا ہیں اور ہر جنت تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ جو متقین کے لئے تیار

---

[1] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، دار المعرفہ، بیروت، 9/ 1473

[2] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1/ 69

کی گئی ہے۔ مسلم معاشرہ وہ معاشرہ ہے جس میں محبت و شفقت اور قربانی و ایثار کی مشق کرائی جاتی ہے۔

بے شک ہم صالح اولاد کی تربیت فاسد معاشرتی حالات میں نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم زمین کو تیار کیے بغیر اس میں بیج نہیں ڈال سکتے۔ معاشرتی برائیاں متعدی ہیں جو پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں۔ جیسا کہ امام غزالی نے کہا ہے ۔

لان ادواء المجتمع كلها معدية تنتقل اليهم شاؤا ام ابوا [53]

اس کا علاج قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ :

ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و اولئك هم المفلحون [54]

یعنی خیر کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کے عمل کے ذریعے سے ہی معاشرہ افراد کو ان بیماریوں سے بچا سکتا ہے۔

۵۔ الوراثة والبيئة (وراثت اور ماحول):

انسان کا اپنا جداگانہ ماحول اس کا گھر، مسجد، مدرسہ، دینی اعتقادات، زبان ورثہ اور اس قبیل کی چیزیں الوراثہ والبیئہ کے ضمن میں آتی ہیں۔ ماحول اور مطالع تربیت کا موثر ذریعہ ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیہ السلام ہے :

كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه [55]

گویا والدین ہی بچے کا رخ متعین کرتے ہیں۔ اس عمومی تربیت اور خاص اسلامی تربیت کے مسلمان پر خصوصی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جب انسان ایک صالح ماحول میں پرورش پاتا ہے، خاندان دیندار ہوتا ہے، مدرسہ ترقی یافتہ ہوتا ہے، دوست صالح ہوتے ہیں، امت شفیق ہوتی ہے، سیاسی نظام عادل ہوتا ہے اور تربیت ممتاز ہوتی ہے تو فرد مثالی ہوتا ہے۔ ایسے ماحول میں تربیت کا ہدف انسان کی ترقی اور باوقار زندگی ہوتا ہے۔

اور اگر اس نے برا ماحول پایا، کمزور خاندان، برے دوست، شرارتی قوم، ظالم سیاسی نظام، جابر و سرکش حاکم،

---

[53] الغزالی، محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن، الہند، 1356ھ، 241/3

[54] القرآن - 104:3

[55] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب الجنائز، دار الاشاعت، کراچی، ص 519

فاسد انسانی نظام اور ایسی قوم جس کی کوئی ترجیحی بنیاد نہ ہو تو نتائج کے اعتبار سے افراد ناکام ہوں گے اور نتیجہ اللہ کے اس قول کے مصداق ہوگا۔ والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ والذی خبث لا یخرج الا نکدا[1]

یعنی جو زمین پاکیزہ (ہے) اس میں سے سبزہ بھی پروردگار کے حکم سے (نفیس ہی) نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے۔

خلاصہ:

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصود اصلی مجتمع کی تربیت و اصلاح اور اس میں تقویٰ اور جذبہ عبودیت پیدا کرنا مطلوب تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم[2] پھر فرمایا

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون[3]

نبی اکرم ﷺ کے فرائض میں مومنین کا تزکیہ نفس کرنا بھی شامل ہے۔ عربی زبان میں تزکیہ کا مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا۔ اس کو نشوونما دینا اور اس کو پروان چڑھانا ہے۔ اس کا اصطلاحی معنی نفس کو غلط رجحانات و میلانات سے موڑ کر نیکی اور خدا ترسی کے راستے پر ڈال دینا اور اس کو درجہ کمال پر پہنچانے کے لائق بنانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا[4]

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کے مقصد کو سمجھنا چاہیں تو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ان کا اصلی مقصد تو لوگوں کے نفوس کا تزکیہ ہی ہوتا ہے اور اس نقطہ نظر سے وہ اپنی تمام روحانی اور اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہیں لیکن اس مقصد کی خاطر انہیں بہت سے ایسے دوسرے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں اس کے لئے وہ اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے لئے وہ کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے لئے وہ حکمت کا

---

[1] القرآن 7 58

[2] القرآن۔ 49 13

[3] القرآن۔ 51 56

[4] القرآن۔ 91:9-10

درس دیتے ہیں مگر مقصود ان سارے کاموں سے صرف تزکیہ ہوتا ہے جو شروع میں بھی ان کے پیش نظر ہوتا ہے اور آخر میں بھی وہی ان کی جدوجہد کی غایت بنتا ہے۔[1]

2- ارکان اسلام:

اسلام کے تربیتی نظام میں نظریاتی بنیاد، اس کے افکار و تصورات سے ہی متعلق ہے۔ مومن کی بنیاد اس کا ایمان ہے اور ایمان کی پہلی شرط اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھنا ہے گویا مومن شرک اور بت پرستی سے پاک ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی مکی سورتیں یہی درس دیتی ہیں کہ بت اور پتھر حاجت روائی نہیں کرسکتے بلکہ ایک اللہ مالک اور خالق ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کو متعارف کرانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا ہے یوں انبیاء علیہم السلام کو ماننے کی تربیت کا انتظام کیا گیا اور ذہن کو تیار کرنے کے لئے تلقین و نصیحت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اسلام میں تربیت کی دوسری بنیاد ارکان اسلام ہیں جن میں سے بعض عبادات بدنی ہیں اور بعض مالی اور کچھ ایسی ہیں جن میں بدنی اور مالی دونوں عناصر موجود ہیں۔ مثلاً نماز اور روزہ بدنی عبادت ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے جبکہ حج بدنی اور مالی دونوں عبادات کا مجموعہ ہے۔ دین اسلام میں ایمان اور اعمال صالحہ کا گہرا تعلق ہے قرآن مجید میں آمنوا وعملوا الصالحات کے الفاظ اکثر یکجا ہیں۔ عبادات سے انسان کے اعمال درست ہوتے ہیں۔ بدنی اور مالی عبادات سے مومن کا بدن اور مال پاک ہوتا ہے۔ بعثت کے بعد جو بنیادی حقیقت پیش کی گئی وہ توحید و رسالت پر ایمان تھا اس کے علاوہ باقی ارکان اسلام بشمول جہاد کو بنیادی لوازم کے طور پر پیش کیا گیا۔ مسلم سپاہ کی تربیت اور ترقی کے لئے ان عبادات یعنی ارکان اسلام اور جہاد کی مشق نے ہمیشہ بطور ایک زینہ کے کام کیا ہے۔ اسلام میں عبادات کے معنی محض چند مذہبی رسوم کی ادائیگی کے نہیں ہیں، بلکہ اسلام میں عبادات کے معنی بڑے وسیع اور جامع ہیں۔ اسلام میں دراصل تعلق باللہ کا نام عبادت ہے اور اس تعلق باللہ پر اسلام کا نظام تربیت استوار ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد اور تمام اعمال عبادت دراصل راستے میں ٹھہرنے اور از سر نو تیار ہو کر سفر جاری رکھنے کے "مقامات" ہیں۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، ملک سنز فیصل آباد، پاکستان، ص:150

حج، جہاد اور تمام اعمال عبادت دراصل راستے میں ٹھہرنے اور از سر نو تیار ہو کر سفر جاری رکھنے کے "مقامات" ہیں۔ جبکہ فی الحقیقت سارے کا سارا سفر ہی عبادت ہے اور دوران سفر واقع ہونے والے اعمال، راہ میں پیش آنے والی قربانیاں اور اس راہ کا تمام فکر و شعور عبادت ہے بشرطیکہ اس سفر کا مقصد وصول الی اللہ ہو، اور سالک راہ حق نہ صرف یہ کہ زبان سے اللہ سبحانہ کی وحدانیت اور اس کے معبود برحق ہونے اور محمد ﷺ کے خدا کے فرستادہ ہونے کا اقرار کرتا ہو بلکہ اس نے اپنی تمام زندگی اس اساس پر استوار کر لی ہو۔[91] اس لحاظ سے اسلام میں عبادت کا مفہوم انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے اور یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا بھی ہے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"[92] کہ "میں نے جن و انس کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔"

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں عبودیت کی اہمیت کو اس طرح واضح کرتے ہیں :

"ای انما خلقتهم لآمرهم بعبادتی لا لاحتیاجی الیهم" وقد ورد فی بعض الکتب الالهیة یقول الله تعالیٰ ابن آدم خلقتک لعبادتی فلا تلعب، وتکفلت برزقک فلا تتعب، فاطلبنی تجدنی فان وجدتنی وجدت کل شئی وان فتک فاتک کل شئی وانا احب الیک من کل شئی[93]

اسلام نے ارکان اسلام یعنی بدنی اور مالی عبادات کا ایک نظام مقرر کر کے تربیت کا ایک جامع لائحہ عمل دیا ہے ہر رکن اپنی جگہ مستقل تربیت گاہ ہے، اسلام گویا ان بنیادوں پر ہی قائم ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے ارکان اسلام کے بارے میں فرمایا :

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوة وایتاء الزکوة والحج، وصوم رمضان[94]

یعنی ابن عمر رضی اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ اسلام کے بنیادی عقیدہ کا تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے اب مسلم معاشرہ اور عساکر اسلام کی

---

[91] محمد قطب، اسلام کا نظام تربیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1980ء، ص: 48

[92] القرآن۔ 51-56

[93] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء، 4/238

[94] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1/9

تربیت کے ضمن میں ارکان اسلام کا اجمالی طور پر تذکرہ کیا جائے گا۔

الف۔ نماز اور نظام وحدت و اطاعت:

اسلام سے پہلے بھی دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں آیا جس میں نماز کو اہمیت نہ دی گئی ہو۔ مگر موجودہ حیثیت یہ ہے کہ اسلام کے سوا وہ کہیں نمایاں واضح اور موکد صورت میں باقی نہیں رہی ہے یہ اسلام کا وہ فریضہ ہے جس سے کوئی مسلمان متنفس، جب تک اس میں کچھ بھی ہوش و حواس باقی ہے کسی حالت میں بھی سبکدوش نہیں ہو سکتا، قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی تعریف، اس کی بجا آوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے، اس کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی نفاق کی علامت اور اس کا ترک کفر کی نشانی بتائی گئی ہے اسلام میں پہلا فرض ایمان اور اس کے لوازم ہیں اور اس کے بعد دوسرا فرض نماز ہے چنانچہ فرمایا۔

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا[1]

یعنی "اپنا منہ ہر طرف سے پھیر کر دین توحید پر سیدھا رکھ وہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے۔"

اس کے بعد دوسرا حکم اس سے ملحق یہ ہے واقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین[2] اور نماز کو کھڑا رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ۔

اسلام کی حاصل حقیقت صرف ایک ہے اور وہ توحید ہے، اسلام کے دوسرے احکام کی طرح نماز بھی اس حقیقت اور کیفیت کی مظہر ہے نماز کی خاص شکل و صورت کا مقصد اسلام کی وحدت کے نظام کو قائم رکھنا ہے جسمانی اداؤں سے توحید کا راز آشکارا ہوتا ہے اور کل روئے زمین کے لاکھوں کروڑوں مسلمان واحد جماعت کی مجسم صورت بن جاتے ہیں۔ نماز کی غرض وحدت کا آشکارا و ہویدا کرنا ہے اور یہ توحید کا سب سے بڑا رمز اور شعار ہے۔ چنانچہ انسان کے تمام جماعتی نظامات کی وحدت اس اصول پر مبنی ہے۔ قوم کی وحدت، فوج کی وحدت، کسی بزم و انجمن کی وحدت، کسی ملک و سلطنت کی وحدت، غرض ہر نظام وحدت اسی اصول پر قائم ہے، اسی طرح قائم ہو سکتا ہے۔

---

[1] القرآن - 30:30

[2] القرآن - 30: 31

انسان کی کامیاب عملی زندگی کا سب سے بڑا راز ہے کہ اس کے تمام کام مقررہ اوقات پر انجام پائیں۔ وہ لوگ جو نماز کے خصوصاً نماز باجماعت کے پابند ہوتے ہیں ان کے اوقات خود بخود منظم ہو جاتے ہیں۔ مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کا مقولہ ہے :

الصلوٰۃ مکیال فمن اوفی اوفی بہ ومن طفف فقد علمتم ما للمطففین [1]

یعنی "نماز ایک پیمانہ ہے جس نے اس سے پورا ناپا اس کو پورا ناپ کر دیا جائے گا اور جس نے ناپنے میں کمی کی تو تمہیں کم ناپنے والوں کی سزا معلوم ہے۔" حضرت عمرؓ نے تمام دین کی بقا کو نماز کی بقا میں اور تمام دین کی اضاعت کو نماز کی اضاعت میں سمجھا۔ اپنے خلافت کے حکم کے ساتھ نماز کے حکم کا یوں اعلان فرمایا :

ان اہم الامور من دینکم عندی الصلوٰۃ فمن ضیعہا فہو لما سواہا اضیع [2]

تمہارے دینی امور میں میرے نزدیک سب سے اہم نماز ہے جس نے اسے ضائع کر دیا وہ دوسری اطاعت کو اس سے زیادہ ضائع کریگا۔

نماز اور جہاد کے معاملات میں ہم آہنگی موجود ہے نماز میں ایک امام ہوتا ہے، جہاد میں سالار ہوتا ہے۔ دونوں طرف صف بندی ہوتی ہے اور پہلی صف دونوں میں اولیٰ ہے۔ صفوں میں یمین اور یسار ہوتا ہے اور جنگ میں بھی میمنہ اور میسرہ ہوتا ہے۔ امام کے پیچھے کا نمازی محاذی کہلاتا ہے، اور جنگ میں درمیانی لشکر قلب ہے نماز میں صفوں کو ملا کر رکھنا اور فوجی صفوں کا سیسہ پلائی دیوار ہونا ضروری ہے۔ نماز میں جنگ کی طرح کچھ قواعد و ضوابط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً آسمان کی طرف نہ دیکھنا، جانوروں کی سی ہیئت نہ بنانا، نماز کے یہ جملہ قواعد، جنگ کے قواعد و ضوابط کی طرح ہیں، نماز میں تکبیر جنگ کے نعرہ اللہ اکبر کی طرح ہے۔ نماز تمام عبادات میں جامع اور مکمل عبادت ہے۔ نماز جہاد کی ہمہ گیر تربیت کا سبب ہے۔

ب۔ زکوٰۃ اور تزکیہ نفس:

نماز کے بعد جس کا اصل تعلق خالق و مخلوق کے باہمی سلسلہ اور رابطہ سے ہے، اور جس کا ایک بڑا فائدہ نظام

---

[1] علی المتقی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مندوبات الصلوٰۃ، حیدر آباد دکن، 1313ھ، 230/4

[2] محمود شیت خطاب، القائد الفاروق، دار حیہ للطباعہ والنشر والتوزیع، دمشق، 1985ء

جماعت کا قیام ہے، اسلامی عبادت کا دوسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ جو آپس میں انسانوں کے درمیان ہمدردی، اور باہم ایک دوسرے کی امداد اور معاونت کا نام ہے۔ اور جس کا اہم فائدہ نظام جماعت کے قیام کے لئے مالی سرمایہ بہم پہنچانا ہے

زکوٰۃ کا دوسرا نام صدقہ ہے۔ جس کا اطلاق تعمیم کے ساتھ ہر مالی اور جسمانی امداد اور نیکی پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن فقہی اصطلاح میں "زکوٰۃ صرف اس مالی امداد کو کہتے ہیں جو ہر اس مسلمان پر واجب ہے، جو دولت کی ایک مخصوص مقدار کا مالک ہو۔

نماز اور زکوٰۃ میں باہمی ارتباط کی ایک اور وجہ بھی ہے، اسلام کی تنظیمی زندگی صرف دو بنیادوں پر قائم ہے۔ جن میں سے ایک روحانی اور دوسری مادی ہے۔ اسلام کا نظام روحانی نماز باجماعت سے، جو کسی مسجد میں ادا ہو، قائم ہوتا ہے، اور نظام مادی زکوٰۃ سے جو کسی بیت المال میں جمع ہو کر تقسیم ہو، مرتب ہوتا ہے۔ رمضان ۸ھ میں مکہ کی فتح نے تمام عرب کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا اور اب وہ وقت آیا کہ اسلام اپنا خاص قومی نظام قائم کرے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی :

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا[1]

(اے محمد رسول اللہ) ان کے مال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو کہ اس کے ذریعہ سے تم ان کو پاک و صاف کر سکو۔ گویا زکوٰۃ مسلمان کو مالی جہاد کی تربیت دیتی ہے۔

ج۔ روزہ اور تقویٰ:

روزہ اسلام کی عبادت کا تیسرا رکن ہے۔ روزہ درحقیقت نفسانی ہوا و ہوس اور بہیمی خواہشوں سے اپنے آپ کو روکنے اور حرص و ہوا کے ڈگمگا دینے والے موقعوں میں اپنے آپ کو ضابطہ اور ثابت قدم رکھنے کا نام ہے۔

قرآن مجید نے روزہ کے احکام، روزہ کی تاریخ، روزہ کی حقیقت، رمضان کی ماہیت اور روزہ پر اعتراض کا جواب بڑی صراحت سے دیا ہے۔

---

[1] القرآن - 103:9

یاایها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون [۱۹]

مسلمانو! روزہ تم پر اسی طرح فرض ہوا جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کیا گیا' تاکہ تم پرہیزگار ہو۔

روزہ کی غرض و غایت "تقویٰ" ہے' یعنی اپنی خواہشوں کو قابو میں رکھنا اور جذبات کے تلاطم سے اپنے کو بچا لینا' اس سے ظاہر ہوا کہ روزہ ہمارے لئے ایک مثالی قسم کے روحانی علاج کے طور پر فرض ہوا' لیکن آگے چل کر قرآن پاک اسلامی روزہ کی دو اور مخصوص حقیقتوں کو بھی واضح کرتا ہے۔

لتکبروا اللّٰہ علی ماھدٰکم ولعلکم تشکرون [۲۰]

تاکہ خدا نے جو تم کو ہدایت کی ہے اس پر اس کی بڑائی اور عظمت ظاہر کرو۔ اور تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔

انسان گو کتنا ہی نعمت و ناز کے گودوں میں پلا ہو اور مال و دولت سے مالا مال ہو' تاہم زمانہ کا انقلاب اور زندگی کی کشمکش اس کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ اپنے جسم کو مشکلات کا عادی اور سختیوں کا خوگر بنائے' جہاد کے ہر متوقع میدان کے لئے بھوک اور پیاس کے تحمل اور صبر و ضبط سے اپنے آپ کو آشنا رکھنے کی ضرورت ہے' یہی سبب ہے کہ مسلمان مجاہد اور سپاہی میدان جنگ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو جس طرح ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے دوسرا نہیں کرتا۔ یہ گویا ایک قسم کی جبری فوجی ورزش ہے جو ہر مسلمان کو سال میں ایک مہینہ کرائی جاتی ہے تاکہ وہ ہر قسم کی جسمانی مشکلات کے اٹھانے کے لئے ہروقت تیار رہے۔ اور دنیا کی کشمکش' جدوجہد' سختی و محنت کا پوری طرح مقابلہ کر سکے۔ اس لئے روزہ کو قرآن پاک نے کبھی "صبر" کے لفظ سے بھی ادا کیا ہے۔ تاکہ اس سے روزہ کی یہ حیثیت بھی ظاہر ہو جائے۔ جبکہ صبر جہاد کا خاصہ ہے۔

د۔ حج و قربانی۔ ایک جامع تربیت:

اسلامی نقطہ نظر سے حج بیت اللہ کا ایک ایمان افروز تاریخی پس منظر ہے جس کو ذہن میں رکھے بغیر اس کی عظمت و حقیقت کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ جب کفر و شرک کے زبردست ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندہ مومن نے توحید خالص

---

[۱۹] القرآن۔ 183:2

[۲۰] القرآن۔ 185.2

کا برملا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم قوتوں اور گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود ایمان و تقویٰ اور کامل اطاعت و سپردگی کے بے مثال جذبات و اعمال سے دین اسلام کی ایک مکمل تاریخ تیار کی اور توحید و اخلاص کا ایک مرکز (خانہ کعبہ) تعمیر کیا تاکہ رہتی دنیا تک انسانیت کو اس سے توحید باری تعالیٰ کا پیغام ملتا رہے۔

اسی تاریخ کو دہرانے اور توحید الٰہی کے ولولہ انگیز جذبات سے دلوں کو گرمانے کے لئے فرزندان توحید ہر سال دور دراز سے آکر اس مرکز پر جمع ہوتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور چند مخصوص عبادات بجا لا کر خود کو پورے طور پر اللہ کے حوالے کر دیتے اور کامل فدائیت کا مظاہرہ پیش کرتے ہیں۔ انہی اعمال کی انجام دہی کا نام حج ہے۔ حج کی فرضیت کے لئے ارشاد ربانی ہے:

ولله على الناس حج البيت [1]

لوگوں پر اللہ کے لئے حج بیت اللہ فرض کیا گیا۔

حج کی ابتدا ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام سراپا قربانی کی مثال ہیں اور دین اسلام کا نمونہ ہیں۔

اسلام کے لفظی معنی اپنے آپ کو کسی دوسرے کے سپرد کر دینا اور اطاعت اور بندگی کے لئے گردن جھکا دینا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ اسلام اور اسماعیل علیہ اسلام کے اس ایثار اور قربانی سے ظاہر ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ ان باپ بیٹوں کی اس اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبہ کو صحیفہ محمدیؐ میں اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا: "فلما اسلما وتله للجبين" [2] یعنی "جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اسلام لائے اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو پیشانی کے بل زمین پر لٹا دیا۔" "اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمين۔ [3] یعنی "جب اس کے رب نے اس سے کہا اسلام لا' اس نے کہا میں نے پروردگار عالم کی فرمانبرداری کی۔" الغرض ملت ابراہیمی کی یہی حقیقت اور یہی اسلام ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دیا اور اپنا رخ پوری طرح خالق کی طرف پھیر لیا جس کا یوں اعلان کیا گیا۔

---

[1] القرآن - 97:3

[2] القرآن - 103:37

[3] القرآن - 131:2

انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین[1]

"میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اس کی طرف منہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا موحد بن کر اور میں ان میں نہیں جو خدا کا شریک بناتے ہیں۔" یہی حج کی حقیقت اور یہی اس عظیم الشان عبادت کے مراسم اور ارکان ہیں۔

حج ایک مکمل سپردگی کی علامت ہے نیز اس میں باقی زندگی کو صحیح نہج پر گذارنے کے لئے راہنمائی ہے جیسے ارشاد ربانی مومن کی زبانی یوں ہے :

ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین لا شریک لہ و بذلک امرت وانا اول المسلمین[2]

"میری نماز اور میری قربانی، اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے، جو تمام دنیا کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور یہی حکم مجھ کو ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبرداری (اسلام) کے اقرار کرتا ہوں۔" حج اسلام کا صرف مذہبی رکن نہیں بلکہ وہ اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی یعنی قومی و ملی زندگی کے ہر رخ اور ہر پہلو پر حاوی اور مسلمانوں کی عالم گیر بین الاقوامی حیثیت کا سب سے بلند منارہ ہے۔

حرم کی سرزمین پر پہنچ کر انسان قدم قدم پر ان لوگوں کے آثار کا مشاہدہ کرتا ہے جنہوں نے دنیا بھر کے مصائب جھیلے، ظلم سہے اور جلا وطن تک ہوئے مگر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سرگرم رہے اور خدا کے مقابلے پر آنے والے ہر باطل کا سر کچل کر رکھ دیا۔ ان علامات اور آثار کے مشاہدے نیز حج میں جسمانی محنت اور صبر آزما مشقتوں سے جو اس دوران پیش آتی ہیں ایک خدا پرست انسان عزم و ہمت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو درس اور تحریکی جذبہ حاصل کر سکتا ہے وہ اتنی ہمہ گیری کے ساتھ کسی اور عمل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ :

ارکان اسلام یعنی عبادات اسلامیہ مشکلات برداشت کرنے اور جہاد کی مشق کا ذریعہ بنتی ہیں۔ یہ بات اظہر من

---

[1] القرآن - 6 : 80

[2] القرآن - 6 : 163-164

الشمس ہے کہ عبادات اسلامیہ میں وہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو مشکلات برداشت کرنے کا خوگر بنا دیں۔ جب تک مسلمانوں کی افواج ان سختیوں کو برداشت کرتی رہیں ان کے سر پوری دنیا میں بلند رہے اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر عہدہ برا ہوتے رہے۔

3- جہاد فی سبیل اللہ:

میدان جنگ مسلم سپاہ کی ایک تربیت گاہ ہے جس سے عساکر اسلام کی نہ صرف دینی اور نظریاتی تربیت ہوتی ہے بلکہ تربیت کے مقاصد کا تعین اس کا حصول اور استقلال جیسے تمام امور طے پاتے رہتے ہیں۔ جہاد کو اسلام، اسلامی معاشرہ اور اسلامی سپاہ میں ایسی مرکزی حیثیت حاصل ہے کہ ساری زندگی گویا اس محور کے گرد گھومتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وجاهدوا في الله حق جهاده [1]

اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

علامہ ابن کثیر اس کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں۔

اى باموالكم والسنتكم وانفسكم [2]

یعنی "اپنے اموال سے، اپنی زبانوں سے اور اپنی جانوں سے"

جہاد کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے جہاد اور مجاہدہ فعال اور مفاعلہ کے وزن پر اس جہد سے مصدر ہے۔ اور لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں اسی کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنی بھی ہیں۔ یہ حق کی بلندی، اس کی اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار گوارہ کرنا، ان تمام مالی و جسمانی و روحانی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں، اس راہ میں صرف کرنا، یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی، اپنے عزیز و اقارب کی، اہل و عیال کی اور خاندان و قوم کی جان

---

[1] القرآن 22: 78

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء، 263/3

تک قربان کر دینا۔ حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوشش کو توڑنا، ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا۔ ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لئے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا۔ یہی جہاد ہے اور یہ اسلام کا ایک رکن اور بہت بڑی عبادت ہے۔

جہاد کی فضیلت کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوا ہے :

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللّٰہ باموالھم وانفسھم فضل اللّٰہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القٰعدین درجة وکلا وعد اللّٰہ الحسنٰی وفضل اللّٰہ المجاھدین علی القٰعدین اجرا عظیما [1]

"مسلمانوں میں سے وہ جن کو کوئی جسمانی معذوری نہ ہو اور پھر بیٹھے رہیں اور وہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کر رہے ہوں برابر نہیں۔ اللہ نے اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر درجہ کی فضیلت عطا کی ہے اور ہر ایک سے خدا نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے اجر کی فضیلت بخشی ہے۔"

الف۔ جہاد کی غرض و غایت

(1) اللہ کے دین کا قیام : جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :

وقٰتلوھم حتٰی لا تکون فتنة ویکون الدین للّٰہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظٰلمین [2]

"تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔"

دین کے معنی اطاعت کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو کسی کو بالاتر مان کر اس کے احکام و قوانین کی پیروی میں اختیار کیا جائے گویا سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی، فرماں روائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے فتنے کی حالت ہے اور اسلامی جنگ کا مطمع نظر یہ ہے

---

[1] القرآن - 4 : 95
[2] القرآن - 2 : 193

کہ اس فتنے کی جگہ ایسی حالت قائم ہو جس میں بندے صرف قانون الٰہی کے مطیع بن کر رہیں۔

(2) ظلم و جبر کا استیصال : اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ [1]

"آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبائے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے"

اللہ کی راہ میں اس غرض کے لئے لڑنا کہ زمین پر اللہ کا دین قائم ہو، یہ اہل ایمان کا کام ہے اور جو واقعی مومن ہے وہ اس کام سے کبھی باز نہ رہے گا۔

صحابہؓ کے طرز عمل سے اعلاء کلمۃ اللہ اور ظلم و جبر کے استیصال کی عملی مثال ملتی ہے۔ صحابہؓ نے اللہ کی شہنشاہیت اور اس کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا اور اپنے کو رعایا، بندہ اور مطیع مطلق مان لیا تھا ان لوگوں کی صلح و جنگ، دشمنی و دوستی، خوشی و ناراضگی، عطاء و محرومی، صلہ و قطع رحمی سب اللہ کے حکم کے تابع بن چکی تھی حکم خداوندی سے سرتابی اور قانون الٰہی سے بغاوت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ خدا کے حکم کے بعد اختیار باقی نہیں تھا۔ نہ غیر اللہ کے سامنے مقدمہ جا سکتا تھا اور نہ اپنے رائے کے مطابق فیصلہ ہو سکتا تھا۔ جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے جاہلانہ زندگی کو اس کی تمام خصوصیات، عادات اور رسوم کے ساتھ ترک کر دیا اور اسلام کو پوری خصوصیات تعلقات اور لوازم کے ساتھ اختیار کیا۔ اس سے ان کی زندگی میں بلا تاخیر مکمل انقلاب رونما ہو گیا۔

ربعیؓ بن عامر کی رستم کے دربار میں کیفیت اور گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پھٹے پرانے لباس میں پہنچے۔ مختصری

---

[1] القرآن - 75:4

ڈھال، چھوٹا سا گھوڑا، یہ ان کی حیثیت تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار فرش کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ پھر گھوڑے سے اترے۔ قیمتی گاؤ تکیہ سے گھوڑا باندھ دیا اور خود رستم کے پاس جانے لگے۔ آلات حرب ساتھ، سر پر خود، جسم پر زرہ بھی موجود تھی لوگ بولے جنگی لباس اتار دو، کہنے لگے میں خود سے نہیں آیا، مجھے بلایا گیا ہے۔ اگر تم کو منظور نہیں تو ابھی واپس چلا جاتا ہوں۔ رستم نے کہا آنے دو۔ وہ اسی فرش پر نیزے سے سہارا لیتے ہوئے بڑھے نیزے کی نوک سے فرش کو جا بجا سے کاٹ دیا۔ لوگ بولے تمہارا کیسے آنا ہوا؟ بولے : "ہم کو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں۔ اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے لے آئیں۔"[1]

ب۔ التحریض علی القتال:

اسلامی تعلیمات میں مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کی ترغیب دینے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

یاایھا النبی حرض المومنین علی القتال[2]

"اے نبی مومنین کو قتال پر آمادہ کیجئے۔" آنحضور ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے، دیکھا تو مہاجرین اور انصار سردی کے دنوں میں صبح صبح اس کو کھود رہے ہیں۔ ان کے پاس غلام بھی نہ تھے جو یہ کام کر لیتے، جب آپ ؐ نے ان کی محنت اور بھوک کی حالت دیکھی تو یہ شعر فرمایا۔

"اللھم ان العیش عیش الآخرۃ فاغفر للانصار و المھاجرۃ"[3]

یعنی "اے اللہ در حقیقت جو مزہ ہے آخرت کا ہی مزہ ہے، بخش دے انصار اور پردیسیوں کو"۔

جواب میں انہوں نے یہ پڑھا۔

"نحن الذین بایعوا محمدا علی الجھاد ما بقینا ابدا"

---

[1] ابن اثیر، علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 1979ء، 316/2

؎ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار صادر، بیروت، 519/3

[2] القرآن - 65:8

[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 588/2

کہ "اپنے پیغمبر محمدؐ سے بیعت ہم نے کی۔ جب تک ہے زندگی اسلام پر قائم سدا"

اسی طرح احزاب میں حضرت محمد ﷺ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

"لو لا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا"

یعنی "تو ہدایت نہ دیتا تو کہاں ملتی نجات۔ کیسے پڑھتے ہم نمازیں کیسے دیتے زکوۃ"

"فانزل السكينة علينا وثبت الاقدام ان لاقينا"

کہ "اب اتار ہم پر تسلی اور شہ عالی صفات۔ پاؤں جموا ہمارے دے لڑائی میں ثبات"

ان الاولیٰ قد بغوا علينا اذا ارادوا فتنة ابينا [53]

یعنی "بے سبب ہم پر یہ کافر ظلم سے چڑھ آئے ہیں۔ جب وہ بہکائیں ہم سنتے نہیں ان کی بات"

ج۔ ثابت قدمی و استقلال:

عساکر اسلام کی تربیت کے لئے خداوند قدوس نے ایک اہم اصول یہ عنایت فرمایا کہ دشمن کا مقابلہ کرتے وقت میدان جنگ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور پوری جرات و شجاعت اور جوانمردی کا عملی مظاہرہ کرنا چاہئے۔ ارشاد خداوندی ہے :

يايها الذين آمنوا اذا لقيتم فئة فاثبتوا واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون [54]

"اے ایمان والو! جب بھی تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پانے والوں سے ہو جاؤ۔" اسی طرح مجاہدین کو بزدلی اور فرار سے منع کیا گیا۔ ارشاد ہوا :

يايها الذين آمنوا اذا لقيتم الذين كفروا زحفا فلا تولوهم الادبار [55]

"اے ایمان والوں اگر تم لڑو کافروں سے میدان جنگ میں تو ان سے پیٹھ مت پھیرو۔"

اس آیت میں دشمن کے شدید دباؤ پر بزدلی اور شکست خوردگی سے منع فرمایا ہے کیونکہ بھگوڑے آدمی کو اپنے

---

[53] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، قرسعید پبلشرز لاہور، 75/2

[54] القرآن۔ 45:8

[55] القرآن۔ 15:8

مقصد کی نسبت جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ ایک شخص کا بھگوڑا پن بسا اوقات ایک پوری پلٹن کو اور ایک پلٹن کا بھگوڑا پن ایک پوری فوج کو بدحواس کر کے بھگا دیتا ہے اور پھر جب ایک دفعہ کسی فوج میں بھگدڑ پڑ جائے تو کہا نہیں جا سکتا کہ تباہی کس حد تک جا کر ٹھہرے گی۔ علامہ ابو یعلی لکھتے ہیں کہ مجاہدین پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور اپنے سے دوگنی طاقت سے منہ نہ پھیریں۔

د۔ فتح کا مدار نصرت خداوندی پر:

قرآن پاک کی آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوجوں کی فتح و شکست کا دارومدار ان کی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ اس کے جذبہ ایمانی اور نصرت خداوندی پر ہے۔ مندرجہ ذیل غزوات رسول ﷺ اس حقیقت کا عملی ثبوت ہیں۔

(1) بدر :- اس غزوہ میں خود قریش مسلمانوں پر چڑھ کر مدینہ آئے تھے۔ ایک ہزار قریش کی تعداد کے مقابلہ میں مسلم مجاہدین صرف تین سو تیرہ تھے۔

(2) احد :- اس میں بھی قریش مکہ خود چڑھ کر مدینہ آئے تھے۔ اس میں لشکر قریش کی تعدد تین ہزار اور مسلم مجاہدین سات سو تھے۔

(3) احزاب :- قریش مکہ نہ صرف صرف خود چڑھ کر آئے تھے بلکہ دوسرے عرب قبائل کو بھی چڑھا لائے تھے۔ اس میں ان کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی اور مسلمان تین ہزار تھے۔

(4) موتہ :- اس میں بھی ابتدا رومی گورنر شرجیل بن عمرو نے کی کہ آپ ؐ کے قاصد کو قتل کر دیا۔ اپنے قاصد کے خون بہا کی خاطر آپ ؐ نے یہ سریہ روانہ فرمایا اور یہ معرکہ پیش آیا اس میں مسلم تین ہزار اور غیر مسلم تین لاکھ تھے۔

(5) خیبر - جنگ کی ابتدائی تیاریاں یہودیوں کی طرف سے ہوئیں۔ حضور اکرم ﷺ ان تیاریوں سے بذریعہ وحی باخبر رہے۔ اس میں ان کی تعداد دس ہزار اور مسلم مجاہدین سولہ سو تھے۔

ابو یعلی محمد بن عیسیٰ الفراء الحنبلی، الاحکام السلطانیہ، مصر، 1938ء، ص 1 ، 76

ابن ہشام، عبد الملک، سیرۃ النبی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 607/1

ابن خلدون عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1986ء، ص: 99

الطبری ابو جعفر محمد ابن جریر، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص: 61

نفس المصدر، ص: 380

ابن خلدون، عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1986ء، ص: 149

(6) فتح مکہ :- اس میں آنحضرت ﷺ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ جنگ کو روکنے کی شروع سے تدبیر اختیار کی اور اس کی بڑی نگرانی رکھی کہ مسلمانوں کی طرف سے پہل نہ ہو۔ اس میں مکہ کے قرب و جوار کے تمام مشرکین اور مسلمان دس ہزار تھے۔[51]

ھ- مسلم سپاہ کی تربیت صلح حدیبیہ کی روشنی میں :

صلح حدیبیہ کئی اعتبار سے مسلم سپاہ کی تربیت کا سامان تھی۔ اس موقع پر سفارت کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ انہیں وہاں قید کر لیا گیا۔ اور خبر پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔ یہ اطلاع مسلمانوں کے کیمپ میں آئی تو رسول اکرم ﷺ اس وقت مجبور ہو کر جنگ کا انتظام کرتے ہیں اور سارے مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ آئے تو ہم عمرہ کرنے کے لئے تھے۔ لیکن دشمن نے ہمارے سفیر کو قتل کر دیا ہے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے ہمیں جنگ کرنی پڑے گی۔ لہذا بیعت کرو کہ جان کے نکلنے اور آخری قطرہ خون جسم میں رہنے تک ہم دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ یہ "بیعت رضوان" ہے۔ جو ایک درخت کے نیچے رسول اکرم ﷺ نے سب لوگوں سے لی تھی قرآن میں بھی اس کا ذکر یوں آیا ہے۔۔

اذ یبایعونک تحت الشجرۃ[52]

گویا عساکر اسلام کے ایک مجاہد کے ناحق قتل کا بدلہ پوری ملت اسلامیہ کے ذمہ ہے۔

دوسری طرف حضرت عثمانؓ نے اپنے قائد کی فکر کے ساتھ کلی مطابقت کا ثبوت دیا۔ جب حضرت عثمانؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا پیغام اہل مکہ کو پہنچا چکے تو قریش نے کہا کہ اگر آپ طواف کعبہ کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ تو انہوں نے یوں جواب دیا، کہ فقال ما کنت لا فعل حتی یطوف بہ رسول اللہ ﷺ و احتبستہ قریش عندھا[53] نبی ﷺ کو تو قریش نے محبوس کر رکھا ہو۔ اور عثمان طواف کر لیں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اور انہوں نے اپنے قائد کی معیت کے بغیر طواف کعبہ کرنا گوارا نہ کیا۔ گویا مسلمان سپاہی

---

[51] البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 613/2

و ابن خلدون، عبدالرحمن، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1986ء، ص:186

و ڈاکٹر رؤف اقبال، عہد نبوی کے غزوات و سرایا، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص.30-32

[52] القرآن - 18:48

[53] السہیلی، عبدالرحمن بن عبداللہ، الروض الانف ملسیرۃ النبویہ لابن ہشام، المکتب الفاروقیہ، ملتان، 1977ء، 229/2

کو اپنے امیر کی منشاء کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔

و۔ اطاعت امیر حرب اور جھنڈوں کا استعمال:

تسلیم و اطاعت تربیت کی روح ہے قائد کے احکامات کو بے چوں و چرا تسلیم کرنا ہی کامیابی کا زینہ ہے۔ اسلام نے اس جذبے کو لازمی قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے :

یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم [1]

یعنی اللہ اس کے رسول اور اپنے امیر کی اطاعت کرو۔ اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات یوں ہیں :

فمن اطاع محمدا ﷺ فقد اطاع اللّٰہ من عصیٰ محمدا ﷺ فقد عصیٰ اللّٰہ و محمد ﷺ فرق بین الناس [2] اس کا ترجمہ یہ ہے :

"پس جس نے محمد ﷺ کا کہا مانا اس نے اللہ کا کہا مانا اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی بے شک اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ کافر اور مومن لوگوں میں باعث فرق ہیں یعنی آپ کے فرماں بردار مومن اور مخالف کافر ہیں۔ مزید ارشاد فرمایا :

کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابیٰ قالوا یا رسول اللّٰہ ومن یابیٰ؟ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابیٰ [3]

میری امت کا ہر فرد جنت میں جائے گا۔ مگر جس نے انکار کیا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ انکار کرنے والا کون ہوگا؟ فرمایا جس نے میرا اتباع کیا جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ ایک اور موقع پر یوں فرمایا :

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصیٰ اللّٰہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن

---

[1] القرآن - 4:59

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 3/115

[3] نفس المصدر، 3/114

بعص الامیر فقد عصانی۔[1]

جس نے میری اطاعت کی بیشک اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی پس میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

صحابہ کرامؓ بے چوں و چرا نبی اکرم ﷺ کے ہر امر کی دل و جان سے پیروی کرنے والے تھے۔ بعض مواقع پر ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ شاید کوئی سریہ اپنے مقصد میں ناکام رہا یا شاید اس کے جانے میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی۔ قریش کے قافلوں کے لئے مدینہ منورہ سے کئی دفعہ سرایا بھیجے گئے مگر بعض اوقات قریش کا قافلہ نکل گیا، ہاتھ نہیں آیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ منصوبہ بندی ناقص تھی یا معلومات نامکمل تھیں یا مقاصد ادھورے رہ گئے بلکہ کئی اور مقاصد پورے ہوئے۔ محمود شیت خطاب جو موجودہ دور کے مشہور عرب جنرل ہیں ان کی نظر میں ان سرایا کے نتیجہ میں "کتمان" کی نئی اصطلاح ایجاد ہوئی جس کی وجہ سے قریش راستوں کو استعمال کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔[2] یہ سارے فوائد اپنی جگہ مگر صحابہ کرامؓ تو "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ"[3] کے تصور سے ہمہ تن گوش بہ آواز رہتے اور اطاعت کے لئے مستعد رہتے۔

عمار بن یاسر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ یہ پسند فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص اپنے اپنے دستے کے جھنڈے کے نیچے رہ کر لڑے۔ اس پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تو اس وقت آپؐ کے علم مبارک کا رنگ سفید تھا۔ اور جھنڈے پر یہ حروف لکھے ہوئے تھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(ا) <u>خیبر کے دن جھنڈا عطا کرنا</u> : خیبر کے دن حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کل (سرداری) کا جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ خیبر کو فتح کرا دے گا۔ صبح سب لوگ انتظار میں تھے آپؐ نے جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا[4]

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 60/2

[2] محمود شیت خطاب، آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۲۱۰

[3] القرآن - 53:4

[4] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ﷺ، مکتبہ الکلیات الازھریہ بالازھر، 1918ء والبخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع کراچی، 1961ء، 605/2

(2) غزوہ تبوک میں جھنڈا عطا کرنا : جب حضور ﷺ ثنیۃ الوداع سے تبوک کی طرف چلے تو بڑے اور چھوٹے جھنڈے باندھے گئے۔ سب سے بڑا جھنڈا اسد بن حضیرؓ کو دیا اور خزرج کا جھنڈا ابو دجانہؓ کو یا حباب بن منذرؓ کو دیا، اور حضور ﷺ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا اور دس ہزار گھوڑے تھے اور آپ ﷺ نے انصار کے ہر قبیلہ کو حکم دیا تھا کہ اپنے بڑے اور چھوٹے جھنڈے لے لیں۔ اس طرح قبائل عرب کے پاس بھی بڑے اور چھوٹے جھنڈے تھے۔ [1]

(3) جنگ موتہ میں جھنڈا اٹھانا : حضرت عروہؓ بن زبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے موتہ کی طرف ایک لشکر جمادی الاول 8ھ میں روانہ کیا اور اس لشکر پر زیدؓ بن حارثہ کو امیر مقرر کیا اور آپ ؐ نے فرمایا اگر زیدؓ شہید کر دیئے جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب لوگوں پر امیر ہوں گے اور اگر جعفرؓ شہید کر دیئے جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ لوگوں پر امیر ہوں گے۔ لوگوں نے تیاری کی، اس کے بعد نکلنے کا عزم کیا۔ موتہ میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور بہت زور کی جنگ چھڑی۔ [2]

حضرت زیدؓ بن حارثہ نے رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا لیکر خوب ہی جہاد کیا۔ آخر کو مشرکین کے تیروں میں گھر گئے۔ اس کے بعد اس جھنڈے کو حضرت جعفرؓ نے لے لیا اور دشمنوں سے لڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت عبداللہ ؓبن رواحہ نے اٹھایا اور وہ اس کو اپنے گھوڑے پر لے کر آگے بڑھے اور اشعار پڑھتے تھے "جو کچھ تم نے تمنا کی تھی وہ پوری ہو گئی۔ اے نفس اگر تو نے ان دونوں شہیدوں جیسے کام کئے تو ہدایت پائے گا۔" جنگ و قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ [3]

(4) بنو تمیم کا جھنڈا اور بخارا کی فتح : 90ھ میں قتیبہ بن مسلم بخارا پر جہاد کرنے کے لئے بڑھے۔ شروع شروع میں بنی ازد کو ترکوں کے مقابلہ میں پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ لیکن جلد ہی مسلمانوں نے انہیں پہلی جگہ پر پسپا کر دیا۔

---

[1] الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، دار الکتاب العربی، بیروت، 1003/3
و علامہ محمد احمد باشمیل، غزوہ تبوک، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص:108

[2] ابو الحسن علی ابن الاثیر الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مکتبہ نبویہ، لاہور، 1407ھ، 29/4

[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 611/2

اور ترک ایک بلند جگہ پر جا کر ٹھہر گئے۔ قتیبہ بن مسلم نے کہا کون ان قوتوں کو اس جگہ سے ہٹائے گا؟ اس وقت تمام قبائل کھڑے تھے۔ مگر کسی نے حامی نہیں بھری۔ قتیبہ خود چل کر بنی تمیم کے پاس آئے اور ان سے کہا :

"یا بنی تمیم انکم انتم بمنزلة الحطمیه فیوم کایام کم ابی لکم الفداء۔"[54]

"میرا باپ تم پر قربان ہو۔ آپ لوگ کفار کے لئے بمنزلہ دوزخ کے ہیں اس لئے آج بھی آپ اپنے سابقہ معرکوں کی سی جرات و بسالت دکھایئے۔" اس پر وکیع سردار تمیم نے خود اپنے ہاتھ میں جھنڈا لے لیا اور بنی تمیم کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا آج آپ لوگ میرا ساتھ نہ دیں گے اور مجھے تنہا چھوڑ دیں گے؟ سب نے کہا ہرگز نہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قتیبہ نے بخارا کو فتح کیا اور دشمن کی تمام طاقت کو جو اس نے وہاں جمع کی تھی شکست فاش دی۔

ز۔ میدان جنگ میں حملہ سے پہلے اسلام کی دعوت :

بیہقی میں یونس ؒ سے منقول ہے کہ حضرت خالد ؓ نے اہل حیرہ سے فرمایا کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ سوائے اللہ واحد کے کوئی عبادت کے قابل نہیں اور بلاشک و شبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نمازوں کو قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو اور مسلمانوں کے احکامات کا اقرار کرو پھر نفع نقصان میں مسلمان اور تم برابر کے شریک ہو۔ ہانی (امیر حیرہ) بولا! اگر میں یہ نہ مانوں تو پھر کیا ہوگا؟ حضرت خالد ؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس سے انکار کرتے ہو تو تمہیں اپنے ہاتھوں جزیہ دینا ہوگا۔ اس نے کہا اگر ہم اس کا بھی انکار کریں تو؟ حضرت خالد ؓ نے فرمایا اگر تم اس پر بھی راضی نہ ہوگے تو میں تم کو ایک ایسی قوم کے ذریعے روند ڈالوں گا کہ ان کو موت اس سے زیادہ محبوب ہے جتنا کہ تم کو زندگی پیاری ہے۔

ہانی نے کہا ہمیں آج کی اس رات مہلت دیں۔ جب صبح ہوئی سویرے ہی ہانی نے آپ ؓ کی خدمت میں آکر کہا کہ ہم لوگوں نے بالاتفاق جزیہ دینا منظور کرلیا ہے پس آیئے ہم آپ سے صلح کرتے ہیں۔[55]

مولانا صدر الدین اصلاحی کے بقول جہاد کی کل غایت صرف اللہ کے کلمہ کی بلندی ہے۔ اس کی تفصیل میں وہ

---

[54] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار القلم، بیروت، 8/ 68
و تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی، کراچی، 6/ 442

[55] البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، الہند، 1356ھ،
و محمد یوسف کاندھلوی حیات الصحابہ، دار المعرفہ، بیروت، 1/ 226

رقمطراز ہیں : کہ اسلام نے جنگ و جہاد کی جو حقیقی غایت بتائی، اس سے نہ اب تک عرب واقف تھا اور نہ عجم۔ پوری دنیا یہ جانتی اور سمجھتی تھی کہ لڑائی یا تو سلطنتوں کے قیام کے لئے لڑی جاتی ہے یا ملک گیری کے لئے ہوتی ہے۔ یا مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے برپا کی جاتی ہے۔ لیکن اسلام آیا تو اس نے لڑائی کا مقصد بالکل ہی بدل ڈالا اور اسے شخصی یا قومی اغراض کی گندگیوں سے پاک کر کے انسانیت کی فلاح کا ذریعہ اور ایک بلند ترین عبادت بنا دیا۔ اس نے کہا کہ ملک یا دولت حاصل کرنے کے لئے تلوار اٹھانا ظلم اور فساد ہے۔ بڑی معصیت ہے۔ اخلاق اور انسانیت کے حق میں زہر ہے۔ تلوار کو ان جیسی برائیوں کی خاطر نہیں بلکہ بھلائیوں کی حفاظت اور ان کے فروغ کے لئے اٹھنا چاہئے اور تلوار اٹھانے والوں کے سامنے اصل مقصد صرف اپنے اس خدا کی رضا ہونی چاہئے جو برائیوں کو ناپسند اور بھلائیوں کو پسند کرتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کہ اس کی زمین سے فتنہ و فساد مٹے اور باطل کی جڑیں کاٹ دی جائیں، یہ مقصد ہر دنیوی لاگ سے پوری طرح پاک ہونا چاہئے یہ بالکل یک طرفہ سودا ہے۔ یہاں محض سر دینا ہے اور کسی خون بہا کے خیال سے اوپر اٹھ کر دینا ہے۔ یہاں مال خرچ کرنا ہے اور بدلے میں کسی دنیوی منفعت کی توقع اور خواہش سے بلند ہو کر کرنا ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ حریف سے صف آرائی کسی ذاتی یا قومی دشمنی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کی صرف حق دشمنی کی بنا پر ہو۔ اور اس لئے ہو کہ اسے ظلم و فساد سے روک دیا جائے اور صرف اسی وقت تک رہے جب تک حریف حق اور امن و اصلاح کی راہ کو چھوڑ کر ہٹ نہ جائے۔ غرض لڑائی وہی صحیح اور برحق ہوتی ہے جو دنیا کمانے کے لئے نہیں بلکہ صرف آخرت کمانے کے لئے ہو، جس کے اندر بظاہر انسان قتل ہوتے نظر آئیں، مگر فی الواقع انسانیت کو زندگی مل رہی ہو۔ [سلہ]

نعیم صدیقی اسلام کے نظریہ جہاد اور حضور ﷺ کی اختیار کردہ جنگی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اسلام اپنے مخالفین کو زیادہ سے زیادہ حد تک بات کو سمجھنے اور تبدیلی قبول کرنے کا موقع دیتا ہے، اپنے پیروں کو دور صبر سے گذارتا ہے مگر ان کو مستقل مظلومی کا شکار رہنے کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ وہ انہیں تیار اس لئے کرتا ہے

سلہ صدر الدین اصلاحی، معرکہ اسلام اور جاہلیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1990ء، ص: 94، 95

کہ وہ ظالم طاقتوں کا استیصال کر کے انسانیت پر فلاح کی راہیں کھول دیں۔ ظالم اور تخریب پسند قوتوں کا استیصال اس بنا پر ایک نہایت ہی تمدنی ضرورت ہے کہ اگر فاسد گروہوں کو مسند اقتدار سے ہٹا نہ دیا جائے اور ان کو کام کرنے کی چھوٹ ہمیشہ کے لئے حاصل رہے۔ تو خدا پرستی، نیکی اور شرافت کی ساری قدریں غارت ہو کر رہ جائیں۔ اسلامی نظریہ انقلاب بوقت ضرورت قوت شمشیر کا استعمال کر کے اقتدار کو اپنے ہاتھوں سے سلب کر لینا چاہتا ہے جو انتشار، جہالت، بدی اور ظلم کے پشت پناہ ہوں اور ایسے ہاتھوں میں دینا چاہتا ہے جو خدا پرستی اور نماز و زکوٰۃ کے نظام کو قائم کریں جو نیکیوں کو فروغ دیں اور برائیوں کا سدباب کریں۔

قرآن مجید کے اس حکم کہ "ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے خلاف لڑیں" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کبھی مخالفین تمہارے اوپر چڑھائی کر دیں تو تم کچھ تھوڑا بہت بچاؤ کر لیا کرو بلکہ ان کے خلاف تو تلوار اٹھائے بغیر چارہ نہیں۔ ضروری نہیں کہ اسلامی ریاست پر ان کے حملہ آور ہو جانے ہی کا انتظار کیا جائے اسلامی تحریک اور اسلامی نظام کے خلاف فتنہ یا مزاحمت کی بڑی برائی سے بچنے کے لئے خنجر جہاد کو متحرک کیا جائے۔ اس وقت تک پوری قوت سے معرکہ آرائی کی جائے۔ کہ راہ حق کو مزاحم طاقتوں کی سرکوبی ہو جائے اور پورے کے پورے دائرہ حیات میں خدا کا پورے کا پورا دین جاری ہو جائے۔ دینی شعائر کی حرمتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ ہاں اگر مخالفین ان حرمتوں کو توڑ کر دراز دستی سے کام لیں تو انہیں بھرپور جواب دیا جائے۔

اسلامی نظام کا فرض ہے کہ انسانیت کے مظلوم اور کمزور طبقے اگر ظالم طاقتوں سے نجات پانے کے لئے تڑپ رہے ہوں تو ان کی پکار پر لبیک کہے۔ یعنی اسلامی تحریک جملہ بنی آدم کے لئے نجات دہندہ بنائی گئی ہے اور اس کا حقیقی وسیع فریضہ تہذیب و دین کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ ہے۔ مزاحمتوں کو توڑنے کے لئے عہد و پیمان بھی ایک پر امن ذریعہ ہے البتہ عہد شکنی کرنے والوں کے بارے میں قرآن نے سخت تاکید کی کہ ان کا دفاع قوت سے درست کیا جائے وہ اگر اعلان جنگ نہ بھی کر چکے ہوں تو بھی ان کی ہر حرکت ایک اعلان جنگ ہے۔ ان کو پھلنے پھولنے نہیں دیا جا سکتا۔

مسلم حکومت کی جنگی کارروائیوں کا اصل مقصود عوام کی جانیں لینا نہیں بلکہ آئمہ کفر اور انقلاب دشمن قیادتوں کو کچلنا ہے۔ جہاد کے فریضہ کی ادائیگی میں تغافل کرنے کے یہ معنی بتائے گئے ہیں کہ تمہاری یہ ریاست تمہارا یہ اقتدار، تمہارا یہ نظام ختم ہو جائے گا۔ تم آگے نہیں بڑھو گے تو مخالف قوتیں دوڑ کے آئیں گی اور تمہیں مٹا کر اپنا

سکہ چلائیں گی۔ پھر سوچ لو کہ ایسی صورت میں تم کتنے بڑے دردناک عذاب سے گزرو گے۔ [۹۱]

ح۔ موجودہ دور میں مجاہدین کی ذمہ داریاں:

عصر اسلام کی ابتدا میں تمام مسلمان اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے دیوان بنایا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے دو حصے بن گئے۔ ایک رضا کار مجاہدین کا حصہ اور دوسری ہمہ وقتی مجاہدین کی جماعت۔ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ اللہ نے اس کے ذریعہ امت کو شرف بخشا۔ جہاد اور عسکریت کا آپس میں ایک گہرا تعلق اور رشتہ ہے۔ اسلامی عقیدہ خود بخود پروان نہیں چڑھتا۔ جب تک کہ ایک مسلمان جو اس کا جواب دہ ہے خود اس پر عملدرآمد نہیں کرتا۔ اسلامی عقیدے کا دفاع فوجی لحاظ سے بھی ایک ضرورت ہے اور فکری لحاظ سے بھی اور یہ امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے جس کا ہراول دستہ مسلم سپاہ ہے۔

شرطہ یا پولیس یعنی داخلی امن کے لئے فوج کا وجود زمانہ نبوی ﷺ میں نہیں تھا۔ اس لئے اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ تمام مسلمان سپاہ کا حصہ تھے۔ پہلی دفعہ یہ نام حضرت عمرؓ کے زمانے میں سامنے آیا اس کے بعد بعض دیگر ریاستوں میں اس کی ابتدا ہوئی۔ پھر اس میں ترقی ہوتی گئی۔ حتیٰ کے ہمارے وقت میں یہ ایک مکمل محکمہ بن گیا ہے۔ جس کی ذمہ داری داخلی امن ہے۔

معاشرے کے اندر مجاہد کے فرائض کچھ اس طرح سے ہیں ---- معاشرے کے افراد کے درمیان ظلم کو ختم کرنا اور اس میں امن اور عدل قائم کرنا اور داخلی فتنوں کو ختم کرنے کے لئے سعی کرنا۔ نیز اداروں اور فیکٹریوں کی حفاظت کرنا۔ اور ایسی تمام چیزوں کا سدباب کرنا جو روزمرہ زندگی میں انسان اور اس کی متاع کے لئے خطرے کا باعث ہو جائیں، کسی انسانی فعل سے ایسا اندیشہ ہو یا قدرتی عوامل سے مثلاً آفات وغیرہ۔

مجاہد کے خارج از معاشرہ واجبات کچھ اس نوشت کے ہیں --- کسی حملہ آور کے مقابلہ میں سرحدوں کی حفاظت اور ان کا دفاع، کیونکہ دشمن سرحدوں میں سے نفوذ کر سکتا ہے۔ تاکہ داخلی امن کو تباہ کرے۔ دشمن کے مقابلہ میں پوری قوت کا اظہار کرنا۔ اور دشمن کو مسلم سپاہ کی مادی قوت اور تنظیم کے معیار سے آگاہ کرنا تاکہ دشمن کو دفاع کی اہلیت کا اندازہ ہو جائے۔ دشمن کے ساتھ معاہدات اور مواثیق کی پاسداری کرنا زیادتی کرنے والے کا راستہ روکنا اور

---

[۹۱] نعیم صدیقی، محسن انسانیت، اسلامک علی کیشنز، لاہور، 1990ء، ص 339، 363

مستقل دفاع اور احتیاطیں اختیار کرنا۔

ط۔ مسلم سپاہ کی داخلی اور خارجی دفاعی قوت کے عوامل:

داخلی دفاعی قوت کا انحصار خارجی دفاع قوت پر ہے۔ اور خارجی دفاعی قوت کا دارومدار دشمن کی ترکیبوں کے مقابلہ میں دین اسلامی کی حفاظت پر ہے۔ جس کے بڑے مقاصد میں سے یہ ہے کہ وہ سپاہ کو تیار کرے۔ جس کے ذمہ چند امور ہیں۔

(1) دعوت و نصرت ۔ آباد دنیا کے چپہ چپہ پر دعوت دین کا اہتمام کرنا۔ حتیٰ کہ ہر انسان تک پہنچے۔ اس کے امراء کے لئے اعتقاد و تدین کی آزادی کو حقیقت کا روپ دینا جو ردو قبول کے عوامل سے مبرا ہو۔ کمزور مسلمانوں کی پشت پناہی کرنا اور ان کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے عزائم کو قوی کرنا۔

(2) عقیدہ کی پختگی اور عسکری اعداد ۔ اسلام میں مجاہد کی تیاری مربوط بنیادوں پر مبنی ہے۔ پس عقیدہ اسلامی اس کی تیاری کی بنیاد ہے۔ اور اس میدان میں اس کا اعلیٰ مقام ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ راسخ ہو اور علم و ادراک پر قائم ہو۔ اور یہی وہ طاقت ہے جس کی راہنمائی میں مجاہد متحرک ہوتا ہے۔ اور یہی وہ بنیاد ہے جو اسے قوت اور اعتماد سے کھینچی چلی جاتی ہے۔ فتح ایمان کے وجود اور عدم وجود سے منسلک ہے۔ پس نہ تو اسے اسلحہ کی قوت دبا سکتی ہے اور نہ دشمن کی کثرت۔ البتہ ایمان کے ساتھ ساتھ تائیدی اسباب کے اختیار کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔

ی۔ جہاد میں شرکت کرنے والے مختلف شعبوں والے جنود:

اسلام کا داعی جب بھی اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس جہت میں اپنی کاوشیں صرف کرتا ہے تو وہ مسلم جندی کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اس غرض کے لئے تیار کر لیا ہے۔ اہل فکر و علم بھی جند ہیں کہ وہ افکار ضالہ کو رد کرتے ہیں۔ اور باطل نظریات کو غلط ثابت کرتے ہیں اور اسلام کے بارے میں جو شبہات ابھرے ہیں ان کی وضاحت کرتے ہیں۔ پس مسلم سپاہی ان لوگوں سے لڑتا ہے جن کا مقصود مسلمانوں کو ختم کرنا ہوتا ہے جبکہ مفکرین ان افکار اور زہریلے پروپیگنڈہ کا رد کرتے ہیں جن کا مقصود مسلمانوں کو اس کے دین سے نکالنا ہوتا ہے اور اس کے دل میں شک ڈالنا ہوتا ہے۔

رجال الحسبہ یعنی محتسین امر بالمعروف اور اس کی طرف ترغیب نیز نہی عن المنکر اور اس سے ڈرانے کے فریضہ کو ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح معلم اپنے آپ کو مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے تیار کرتا ہے۔ جو مستقبل کے جنود ہیں۔ پس وہ جنود کی تیاری میں اور ایک مضبوط قلعہ کی تعمیر میں کوشاں رہتا ہے۔ جس پر امت مسلمہ اللہ کے بعد بھروسہ کر سکتی ہے۔ مسلم طبیب بھی ایسی ہی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ جنود کا علاج کرتا ہے اور اللہ کے بعد ان کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے فریضہ کو ادا کر سکیں۔ اور جب بھی اس کی معرکہ میں ضرورت ہوتی ہے تو وہ لبیک کہتا ہے اور اللہ کے حکم سے وہ جندی کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جو اس کی موت سے بہتر ہے گویا وہ بھی جندی ہے اس طرح ایک انجینئر بھی اپنے علم اور تجربہ کو خرچ کرتا ہے۔ اور قلعے مورچے، حصار، مساجد، مدارس اور اس قبیل کی تمام چیزیں بناتا ہے جو فوجی کو اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں درکار ہوتی ہیں۔ پس وہ بھی جندی ہے۔

گویا تمام ایسے لوگ جنہیں اللہ نے علم اور فضیلت عطا کی ہوئی ہے۔ جس کی بنا پر وہ امت مسلمہ کے اہداف کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ اسلام کے جنود میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

خلاصہ:

امت مسلمہ کے لئے ذلت اور ہزیمت سے چھٹکارا کی صرف ایک ہی سبیل ہے اور وہ یہ کہ وہ اس راہنمائی سے روشنی حاصل کرے جو کتاب و سنت میں آئی ہے۔ اور سیرت مصطفیٰ ﷺ سے نیز خلفاء راشدین اور اس امت کے سلف صالحین کی سیرت سے۔ نیز مجاہد کی تیاری اسلامی اطوار پر ہونی چاہئے جس کی اساس ایک مضبوط اور راسخ عقیدہ پر ہو۔ دین اسلام میں ایمان باللہ کو اولین اہمیت دی گئی ہے۔ دین جس نظام زندگی پر اسلام کو چلانا چاہتا ہے یا جو نتائج حاصل کرنا چاہتا ہے وہاں ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن نہیں۔ ایمان دراصل دل کی کیفیت کو درست سمت و صراط مستقیم کی طرف موڑنے کا نام ہے۔ ہر قسم کی بھلائیاں اور خوبیاں جس ایک جڑ کی شاخیں ہیں وہ ایمان ہے اور اسی لئے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے۔ ایمان نہ ہو تو انسان نیکیوں کی ساری عمارت بے بنیاد ہے ایمان اصل ہے اور عمل صالح اس کی فرع ہے۔ ایمان ملزوم اور اعمال حسنہ اس کے لوازم ہیں۔ جس طرح ایمان کے بغیر عمل درست نہیں ہو سکتا اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے برگ و بار درخت ہے۔

---

[1] عبداللہ بن فرج العقلاء، اعداد الجندی المسلم اہدافہ و اسسہ، وزارت الدفاع والطیران، الریاض، 1983ء

افواج پاکستان کا تعلق ایک نظریاتی اسلامی مملکت سے ہے اس کے افسروں اور جوانوں میں ایمان کامل کی صفت کا ہونا ازحد ضروری ہے کیونکہ ان کا واسطہ ہمیشہ ان دشمنوں سے رہے گا جو تعداد اور اسلحہ میں ان سے زیادہ ہوں گے انہیں جدید ترین اسلحہ کے حصول اور تربیت کے اعلیٰ ترین معیار کے ساتھ ساتھ ایمان کو اول درجے کی اہمیت دینا ہے۔ اللہ کی مدد کا وعدہ ایمان والے مسلمانوں سے ہے نام کے مسلمانوں سے وعدہ ہرگز نہیں۔ اگر صرف نام کے مسلمان ہوں تو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہتھیار ڈال دیں گے اور ان کے لئے اللہ کی مدد بھی نہ آئے گی۔ لہٰذا ایمان کو درست کئے بغیر اگر صرف جہاد اور جہاد کی ترغیب پر زور دیا گیا تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی پہلی سیڑھی کی پرواہ کئے بغیر چھلانگ لگا کر اوپر جانا چاہے تو یہ ناممکن ہے وہ گر سکتا ہے زخمی ہو سکتا ہے نیز یہ کہ یہ دانش مندانہ طریقہ بھی نہیں۔

لہٰذا اہم مذہبی فریضہ یہ ہے کہ قوت ایمانی کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔ اپنی تمام توانائیاں اس عظیم مقصد کے حصول پر صرف کر دیں۔ اپنی تمام کاوشیں اس پر وقف کر دیں اور ساتھ ہی ساتھ مادی تیاری کے لئے ہر ممکن تیاری کرنے میں بھی سستی نہ کریں اور پھر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ انشاء اللہ، اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی۔ وگرنہ یہ ارشاد ربانی ان کے پیش نظر رہے کہ :

وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم [له]

یعنی "اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے"

اسلام میں عسکریت کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو اسلام کی نصرت کے لئے عسکری بنائے اور اسلام کی قولی اور عملی خدمت کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس پیشہ سے منسلک کرلے۔

مسلم سپاہی اسلام کا محور اور مرکزی ستون ہے۔ مسلم معاشرہ کے ذمہ مسلم سپاہی کی پرورش، اسلام کو پہنچانے کے لئے اس کی تربیت اور اس کا دفاع ہے اسلام نے اس کے لئے ایک منظم نظام تربیت دیا ہے جس کے اہم مصادر قرآن مجید، سنت رسول ﷺ ، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم اور تعامل قائدین اسلام ہیں۔ ان عوامل کو اختیار کرنے سے مجاہدین

له القرآن - 47-38

اسلام نے دنیا میں توحید کے پرچم گاڑے اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنے جان و مال کو کھپایا۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد اصلی مجتمع کی تربیت و اصلاح اور ان میں تقویٰ اور جذبہ عبودیت پیدا کرنا تھا۔

اسلام نے عملی تربیت کے لئے ارکان اسلام کا ایک جامع نظام دیا ہے۔ ان کی ادائیگی سے مشکلات برداشت کرنے اور جہاد کی مشق کی راہیں کھلتی ہیں۔ جب تک عساکر اسلام ان سختیوں کو برداشت کرنے کے عادی رہے۔ ان کے سرپوری دنیا میں بلند رہے اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر عہدہ برا ہوتے رہے۔

باب دوم

برصغیر اور پاکستان کے مسلم عساکر کی تربیت میں کارفرما عوامل اور نظریاتی سپاہ پر ایک نظر

ابتدائیہ:

پاکستان برصغیر پاک و ہند کے شمالی مغربی حصے پر واقع ہے۔ اس خطے میں جہاں ہندوؤں کی تہذیب کا ایک بڑا اور قدیم مرکز دریائے سندھ پھیلا ہوا ہے جس نے ہندو قومیت کو جنم دیا وہاں افغانستان اور ایران کی طرف سے وارد ہونے والی مسلم سپاہ نے اس خطے کے عساکر کی تشکیل اور تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس خطے کی ہندو آبادی میں سے اسلام قبول کرنے والے باسیوں نے ہی آگے چل کر مسلم سپاہ کا روپ دھارا۔ بالخصوص ایران کی طرف سے محمد بن قاسم کی سپہ سالاری میں آنے والی مسلم فوج نے نہ صرف اس علاقے میں اسلام کی مستحکم بنیاد رکھی بلکہ یہاں کی آبادی کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ اس خاصیت کی بنا پر اس خطے کو باب الاسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلامی فوج نے یہاں مقامی طور پر ایسی قوت نافذہ تیار کی کہ ایک دفعہ اسلام کا مرکز بننے کے بعد باقی برصغیر میں اس کے اثرات پھیلتے چلے گئے حتیٰ کہ اس نے برصغیر کو کسی نہ کسی درجے میں اپنے زیر اثر لے لیا۔

کئی صدیوں پر محیط پورے ہندوستان پر اسلامی حکومتوں کے قیام کے بعد حالات نے کروٹ لی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جس کی حکومت پورے برصغیر بشمول افغانستان پر قائم تھی، ایک طرف سیاسی قوت رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے انگریزوں کے قبضہ میں آئی تو دوسری طرف دانش ورانہ قوت حکمران طبقہ کے ہاتھ سے نکل کر علماء کی طرف منتقل ہو گئی جن میں سے نمایاں ترین شاہ ولی اللہؒ تھے جنہوں نے مستقبل کے مسلم دانش وروں کی نسل پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ ہسپانیوں سے علی الرغم جنہوں نے ایک مسلمان کو بھی نہ چھوڑا، انگریزوں نے اپنے پیچھے ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان چھوڑے۔ مسلمانوں کی یہ عظیم بقا گویا ہندوستانی مسلمانوں کی قوت اور استقامت کو خراج تحسین کی طالب ہے۔ انہیں اپنی پہچان کا اتنا احساس تھا کہ انہوں نے بیک وقت دو دشمنوں یعنی انگریزوں اور ہندوؤں کا مقابلہ کیا۔

مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں نے صورت حال کو سیاسی سطح پر سنبھالا جبکہ علماء نے اسلام کے آہنی حصار کو قائم رکھنے میں مدد دی۔ ظاہری شکل اتنی ہی اہم تھی جتنی کہ روح۔ علماء نے انگریزوں کو باہر نکال پھینکنے کی تحریک میں اپنا کردار ادا کیا اور عام آدمی کو غربت اور آزمائش کی گھڑیوں میں ثابت قدم رہنے میں مدد دی۔ ہندوستان کے مسلمان گویا ایک جہنم سے گذرے مگر وہ اس جنت کے خوابوں کو نہ بھولے جو وہ ماضی میں دیکھ چکے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنی سرزمین کو یعنی پاکستان کو جنم دیا۔

پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک مختلف ادوار میں برصغیر میں اسلام کی دعوت کا ذریعہ بننے والے اور مقامی آبادی کو اسلام سے روشناس کرانے والوں بالخصوص عساکر اسلام کو نبی اکرم ﷺ نے یوں بشارت دی ہے :

قال رسول اللّٰہ ﷺ عصابتان من امتی احرزھما اللّٰہ من النار عصابۃ تغزو الھند و عصابہ تکون مع عیسیٰ بن مریم علیھما السلام[91]

کہ "اللہ تعالیٰ میری امت میں سے دو طبقوں کو دوزخ سے محفوظ رکھے گا ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔"

دوسرے موقع پر یوں آتا ہے :

عن ابی ھریرۃؓ وعدنا رسول اللّٰہ ﷺ غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی ومالی وان قتلت کنت افضل الشھداء وان رجعت فانا ابو ھریرۃ المحرر[92]

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں غزوہ ہند کی بشارت دی پس اگر میں نے اسے پالیا تو میں اس میں اپنی جان اور مال لگا دوں گا۔ اگر میں مارا گیا تو شہدا میں افضل مقام پاؤں گا اور اگر غازی ہوا تو دوزخ سے آزاد ہو جاؤں گا۔

۹۱ـ النسائی، احمد بن شعیب، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 370/2

۹۲ـ نفس المصدر، 370/2

فصل اول ---- برصغیر کے مسلم عساکر کی تربیت میں جیش عرب، مسلم فاتحین اور دیگر عوامل کا کردار

1- عرب افواج کی یلغار اور اس کے تربیتی پہلو:

الف- مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں عساکر اسلام کا کردار:

سندھ کی سرحد پر مکران کے مسلمان اور سندھ کے راجے میں کاہے کاہے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ لیکن عربوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے تک ہندوستان پر باقاعدہ چڑھائی نہیں کی۔ مگر بعض واقعات نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ لنکا سے کچھ جہاز ان تحائف سے لدے ہوئے عرب آ رہے تھے جو لنکا کے راجہ نے حجاج کو بھیجے تھے۔ ان کے ساتھ کئی مسلمان تھے جو حج کو جا رہے تھے اور ان مسلمانوں کی بیویاں اور بچے بھی تھے جو لنکا میں وفات پا گئے تھے۔ باد مخالف ان جہازوں کو ساحل دیبل پر لے گئی جو (موجودہ کراچی سے تھوڑی دور) مملکت سندھ کی بڑی بندرگاہ تھی۔ یہاں دیبل کے میدلوگوں نے ان جہازوں کا مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں اور مردوں کو گرفتار کر کے اندرونی علاقے میں لے گئے۔ محبوس مسلمانوں میں سے ایک عورت نے حجاج بن یوسف گورنر عراق سے امداد طلب کی۔ الفاظ یہ ہیں :

فنادت امرأة منهم وكانت من بني يربوع يا حجاج، وبلغ الحجاج ذلك فقال يا لبيك، فارسل الى داهر يسئله تخلية النسوة؛ [1] جب حجاج کو یہ خبر ملی تو اس نے سندھ کے راجہ داہر کے پاس ایک سفیر بھیجا تاکہ گرفتار شدہ مردوں اور عورتوں کو رہا کرائے اور تحفے دارالخلافہ پہنچائے۔ راجہ نے سفیر کو جواب دیا۔ فقال "انما اخذهن لصوص لا اقدر عليهم" [2] کہ "یہ سب کام بحری ڈاکوؤں کا ہے اور میرا ان پر کوئی زور نہیں"

---

[1] البلاذری، امام احمد بن یحییٰ بن جابر، البلدان فتوحها واحکامها، فتوح السند، دار الفکر، بیروت، 1992ء، ص 88، 29
وشیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1984ء، ص: 21-23

[2] البلاذری، امام احمد بن یحییٰ بن جابر، البلدان فتوحها واحکامها، فتوح السند، دار الفکر، بیروت، 1992ء، ص 88، 29
وابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمہ، طبع الہند، 1938ء، 55/3

حجاج اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا اور اس نے راجہ داہر کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے مکران سے عبید اللہ اور بدیل کو باری باری جہاد کے لئے بھیجا مگر دونوں شہید ہوئے۔ اس پر حجاج نے پورے انتظامات کے ساتھ ایک خاص لشکر ہندوستان بھیجنے کے لئے خلیفہ ولید سے اجازت لی۔ اس کی قیادت کے لئے اپنے داماد اور چچا زاد بھائی محمد بن قاسم کو چنا۔ اور گویا قرآن مجید کے اس حکم پر عملدر آمد کیا۔

"ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا"[91]

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جنگ نہیں کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں" کم سنی کے باوجود محمد بن قاسم ایک بہادر جنگجو تھا۔ اس کے دوست احباب اس کے لئے یہ دعائیں مانگ رہے تھے کہ اللہ تعالی اسے ہر مصیبت سے بچائے اور اپنی مدد سے نوازے۔ اس طرح اہل عراق نے اس کے جیش فتوح کو بڑے اعزاز و اکرام سے وداع کیا تاکہ محمد بن قاسم دیبل پر حملہ کرے اور مسلم مستورات اور اسلامی وقار کا بدلہ لے۔ سندھ پہنچنے کے بعد محمد بن قاسم کو حوصلہ دلاتے ہوئے حجاج بن یوسف نے اسے خط لکھا کہ اس نے عربوں میں سے ممتاز لوگوں کو مقرر کیا ہے۔ یہ لوگ میدان معرکہ و جہاد میں بڑے تجربہ کار اور اہل فن ہیں تاکہ یہ آپ کے قریب کھڑے ہوں اور اس مہم میں آپ کی مدد کریں۔[92]

محمد بن قاسم نے ارادہ کیا کہ پہلے دیبل کا قلعہ فتح کرے۔ جب اس پر حملہ کی ابتدا کی تو قلعہ سے ایک برہمن نکلا، اس نے امان طلب کی۔ محمد بن قاسم نے اسے امان دے دی۔ اس شخص نے بتایا کہ ان کے علم نجوم کی کتابوں میں آیا ہے کہ ملک سندھ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گا لیکن جب تک مندر پر لہرانے والا جھنڈا موجود ہے اہل سندھ اپنے سحر کے عقیدے کے مطابق یہ سمجھتے رہیں گے کہ عربوں کے لئے اسے فتح کرنا مشکل ہے۔ اس لئے ضروری ہے

---

[91] القرآن - 75:4

[92] علی بن حامد بن ابی بکر الکوفی، چچنامہ فی تاریخ بلاد السند، طبع حیدر آباد دکن، الہند 1939ء، ص 99
و ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ حوادث 89ھ، دار صادر، بیروت، 1979ء، ج 4،
و احمد بن یعقوب بن جعفر المعروف بالیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر، بیروت، 1885ء ص: 443
و میر معصوم بکری السندی، تاریخ معصومی، طبع السند، 1938ء، ص: 21
و ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، مقدمہ، طبع مصر، 1284ھ، 60/3

کہ اس جھنڈے کو گرایا جائے تاکہ شہر کے لوگوں میں رعب طاری ہو جائے اور شکست کو یقینی جان لیں اور عربوں کو فتح نصیب ہو جائے محمد بن قاسم نے اسے گرانے کا حکم دیا۔ قائد منجنیق نے پہلے گولے سے اسے توڑ دیا اور دوسرے سے گرا دیا۔ اس سے شہر کے باسیوں پر رعب طاری ہو گیا اور اس طرح محمد بن قاسم نے قلعہ فتح کر لیا۔ امان طلب کرنے والے براہمنی سے مقید لوگوں کی جگہ پوچھی گئی۔ ان کو نکالا گیا پھر ان سب کو حجاز اور دارالخلافہ بھیج دیا گیا۔ محمد بن قاسم نے دیبل میں ایک جگہ کا انتخاب کیا اس میں چار ہزار عرب آباد کیے اور جامع مسجد بنوائی۔[91] اس طرح محمد بن قاسم نے مسلم عساکر کے لئے یہ سبق مہیا کیا کہ چاہے جتنے ہی کٹھن حالات ہوں عساکر اسلام کی ذمہ داری ہے کہ مظلوم مسلمانوں کی مدد کو پہنچیں۔

ب۔ جہاد کی اصل غایت اعلاء کلمہ اللہ:

مسلمانوں کی فتح سے مقامی لوگوں نے اسلام کی طرف مائل ہونا شروع کر دیا اور وہ رفتہ رفتہ مسلمان ہونے لگے۔ جس کی تفصیل یوں ہے۔

(1) دیبل کے داروغہ جیل کا محمد بن قاسم کے ہاتھ پر اسلام ۔ قبلہ بن مہتراج جیل کا داروغہ تھا۔ جب محمد بن قاسم نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عرب قیدیوں نے داروغہ کے حسن سلوک کی بنا پر اس کی جان بخشی کی سفارش کی۔ محمد بن قاسم نے اسے معاف کر دیا اور وہ اسلام لے آیا۔ اس طرح مسلمان اپنے محسنوں پر احسان کرتے تھے۔ یہ دیبلی پہلا مسلمان تھا۔[92]

(2) بدھوں کی بڑی جماعت کا قبول اسلام ۔ بدھوں میں سے پہلی بڑی جماعت اہل سندھ میں سے فتح کے دنوں میں اپنی رغبت سے اسلام میں داخل ہوئی۔ یہ صوبہ سیوستان کی چند قوم تھی ان کے اسلام کا بڑا عجیب واقعہ ہے۔ پہلے پہل انہوں نے عرب چھاؤنی میں حالات معلوم کرنے کے لئے اپنا جاسوس بھیجا۔ جاسوس نے دیکھا کہ اسلامی سپاہ

---

[91] میر معصوم بکری السندی، تاریخ المعصومی، طبع السند، 1938ء، ص: 21

[92] علی بن حامد بن ابی بکر الکوفی، چچنامہ فی تاریخ بلاد السند، طبع حیدر آباد دکن، بالسند، 1939ء، ص 112
واحمد بن یعقوب بن جعفر المعروف بن یعقوبی، تاریخ یعقوبی، دار صادر، بیروت، 1885ء، ص: 289

نہایت خشوع سے اپنے نوجوان اور صالح قائد محمد بن قاسم الثقفی کے پیچھے کھڑے اپنے واحد و قہار رب کے سامنے نماز باجماعت کی شکل میں رکوع اور سجدے میں مشغول ہے تو وہ دہشت زدہ اور حیران ہوگیا۔ اس روحانی منظر کو دیکھ کر اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی جو اس کی سمجھ سے باہر تھی وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا اور جو کچھ حرکات و سکنات منظم اور خشوع والی دیکھیں ان کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔

و قالوا اذا کان العرب یعبدون الرب و یطیعونه و لا یترکون صلاتهم حتی فی اخطر الاوقات و یودونها بایمان و عزم و یقین، وهم متحدون بهذا الشکل فلا یمکن لنا مقاومتهم و هذا یدل علی ان دینهم هو الدین القیم [1]

انہوں نے کہا جب اس طرح عرب اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اپنی نماز نہایت خوف کی حالت میں بھی نہیں چھوڑتے اور اسے ایمان اور عزم و یقین کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور نماز کی اس شکل میں بہت متحد ہوتے ہیں تو پھر ان کا مقابلہ ہمارے لئے مشکل ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا دین قیم ہے۔

پھر انہوں نے اپنے بڑوں کا ایک وفد تشکیل دیا اور اسے محمد بن قاسم کے پاس ہدایات دے کر بھیجا اور اطاعت کی پیش کش کی۔ جب ان کی ملاقات محمد بن قاسم سے ہوئی تو ان کی محبت اور اخلاص میں اور اضافہ ہوا نیز اس کے اخلاق فاضلہ سے مطلع ہونے پر یقین کر لیا کہ دین اسلام دین حق و ہدایت و کمال ہے۔ پس انہوں نے ادھر ہی مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ پھر اپنی قوم کے پاس واپس آئے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور سب نے اسلام قبول کر لیا۔

(3) <u>برہمنوں میں سے پہلی بڑی جماعت کا اسلام میں داخل ہونا :</u> جنگ کے دوران سندھ کے بڑوں میں سے ایک جماعت اور ان کے عساکر نے محمد بن قاسم سے امان طلب کی جو ان کو دے دی گئی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور یہ راجہ داہر کے سالاروں میں سے برہمن مذہب کے پیروکاروں کی پہلی بڑی جماعت تھی جو اپنے عساکر

---

[1] میر معصوم بکری السندی، تاریخ المعصومی، طبع الهند، 1938ء، ص 22-23

سمیت اسلام میں داخل ہو گئے یہ سب لوگ فتوحات کے اس زمانہ میں اپنی رغبت سے مسلمان ہوئے۔ ان لوگوں نے اپنے ایمانوں کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے یہ منصوبہ پیش کیا کہ وہ راجہ داہر کے لشکر کے عقبی حصہ پر جو کہ غافل ہو گا اچانک حملہ کریں گے۔ جبکہ محمد بن قاسم سامنے سے حملہ کریں گے۔ اسے محمد بن قاسم نے قبول کر لیا۔[1]

طبری نے 90ھ کے واقعات میں لکھا ہے "قتل محمد بن القاسم الثقفی داهر بن صعصه ملك السند وهو علی جیش من قبل الحجاج بن یوسف"[2] کہ محمد بن قاسم نے سندھ کے حکمران داہر بن صعصہ کو قتل کر دیا۔

ج۔ عساکر کے اقدام کا ہدف انسداد فتنہ اور قیام امن:

محمد بن قاسم نے سرست کے شہر کی طرف جو قوم سید کا مسکن تھا لشکر بھیجا یہ لوگ خشکی پر ڈاکے مارنے اور بحری جہازوں کو لوٹنے میں اور مسافروں کو ایذا پہنچانے میں مشہور تھے۔ انہوں نے عربوں کے ساتھ معاہدے کے بعد بری اور بحری راستوں کی سلامتی کی ضمانت دی اور اس طرح بلاد عرب سے سندھ کے علاقوں میں واقع تجارتی جہازوں کے راستے محفوظ ہو گئے۔[3]

اس نوجوان فاتح نے سارے بلاد سندھ کو تین سال کے عرصہ میں فتح کر لیا اور اس میں عمدہ اسلامی آثار چھوڑے۔ محمد بن قاسم نے ہر شہر میں عربوں کی جماعت کو آباد کیا اور مساجد تعمیر کرائیں مثلاً بدھوں کے علاقے میں اور اسی طرح ملتان میں بھی مسلمانوں کے لئے ایک عظیم مسجد تعمیر کی۔ اس شہر کے معززین سے اطاعت گزاری نیز عوام کی بھلائی کے لئے باہم عمل کرنے کے مختلف قسم کے عہد لئے۔

محمد بن قاسم کو جب خلیفہ نے واپس بلا لیا تو اس نے سندھ کے نئے والی کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ یزید بن کبشہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، محض خلیفہ کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے حالانکہ اس کے ساتھ ایک مضبوط قوت تھی اور

---

[1] علی بن حامد بن ابی بکر الکوفی، چچنامہ، حیدر آباد دکن، 1939ء، ص: 173-175

[2] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار العلم، بیروت، 59/8
و شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1984ء، ص: 21-23

[3] البلاذری، امام احمد بن یحییٰ بن جابر، البلدان فتوحہا و احکامہا، بیروت، 1992ء، 539/3
و ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، 1979ء، حوادث 95ھ، ج: 4

بلاد سندھ میں اس کی حمایت میں ایک بڑی قوم بھی موجود تھی جس میں مسلم بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔[سلہ]

محمد بن قاسم کی عمر سترہ سال تھی۔ ایک آزمودہ کار سپاہ کا ایک کم عمر قائد کی اطاعت کرنا اور حصول مقصد تک اس پر قائم رہنے میں مسلم عساکر کے لئے ایک بڑا تربیتی سبق پنہاں ہے کہ مقرر کردہ امیر کی ہر حال میں اطاعت لازم ہے۔ اس طرح شامی اور عرب افواج نے گویا دین اسلام کے اس حکم پر پوری طرح عمل کیا جس کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ارشاد ہے :

اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم[سلہ]

اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے مقرر کردہ امیر کی۔

و۔ قائد میں تحریض علی الجہاد کا ملکہ :

عربوں نے حملہ کے دن کی صبح کو اپنے نوجوان اور صالح قائد محمد بن قاسم کی امامت میں گھوڑوں کے پیچھے لمبی صفوں میں نماز فجر کی ادائیگی سے اور اللہ واحد و قہار کے سامنے سجدہ سے شروع کی۔ پھر قائد کھڑا ہوا اور اپنے سالاروں اور مجاہدوں کو جرات مندانہ خطاب کیا جو مختلف عربی قبائل پر مشتمل تھے۔ لشکر کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اور مشقتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار کیا اور سب کو حکم دیا کہ میدان جنگ میں اپنے اپنے مراکز پر جمے رہیں اور جنگ جاری رکھیں، چاہے حالات کیسے ہی ہوں تاکہ صفیں مضطرب نہ ہوں اور ان میں خلل واقع نہ ہو اور دشمن کو صفوں میں داخل ہونے کی راہ نہ ملے تاکہ وہ ان کی اجتماعیت کو نہ توڑ سکیں اور جنگ کے دوران ہر لمحہ اللہ کی یاد کرتے رہیں اور اس چیز پر ایمان رکھیں کہ اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا اور اس نے اس بات کا اپنے مومن بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔

راجہ داہر کے ساتھ جنگ میں ہاتھیوں کی وجہ سے عربوں کو شروع میں کچھ ہزیمت اٹھانا پڑی لیکن جب محمد بن قاسم

سلہ البلاذری، امام احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، لتوصار دانکاماء دارالفکر، بیروت، 1992ء، 539/3

سلہ القرآن۔ 59:4

نے ان کو پکارا اور اونچی آواز سے ان کو صبر اور جہاد پر ابھارا۔ تو جلد معرکہ پر قابو پالیا۔ راجہ داہر کا خوفناک لشکر، دس گنا سے زیادہ تھا۔ چچنامہ کے مورخ نے عربوں کے جذبات کا یوں ذکر کیا ہے :

ولکن ایمان العرب بالجہاد و ایمانہم بالنصر الموزر من عنداللّٰہ کان اکبر قو ۃ لہم و تبشرھم بانھم لمنتصرون باذن اللّٰہ ما داموا قد اخلصوا النیۃ لا علاء کلمۃ اللہ و رفع رایۃ الاسلام عالیۃ خفاقۃ[1]

ترجمہ : لیکن عربوں کا جہاد پر ایمان اور اس اللہ کی مدد پر ایمان دشمن کی قوت سے زیادہ تھا۔ ان کا ایمان ان کو اس چیز کی بشارت دے رہا تھا کہ وہ ضرور اللہ کے حکم سے کامیاب ہوں گے جب تک کہ وہ اپنی نیتوں کو خالص اللہ کے دین کو سربلند رکھنے کے لئے اور اسلام کے جھنڈے کو اونچا رکھنے کے لئے برقرار رکھیں گے۔

۵۔ میدان جہاد میں نعرہ تکبیر سے تقویت:

راجہ داہر کے ساتھ دوسرے معرکہ میں خوفناک حملہ کی وجہ سے لشکر اسلام گھبرا گیا۔ محمد بن قاسم نے پانی منگوایا، پیا اور اونچی آواز سے مجاہدین کا حوصلہ بڑھایا۔ تمام سالاروں کو نام لے لے کر پکارا اور کہا اے اللہ کے لشکرو تم کہاں ہو۔ ڈٹ کر مقابلہ کرو اور اللہ پر توکل کرو، اللہ تمہارا ناصر ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، آگے بڑھو اے بہادرو۔

جب سالاران اور مجاہدین نے اپنے بہادر مومن قائد کی آواز سنی تو ان کے دل میں فتح کی نئی کرن پھوٹی۔ انہوں نے زوردار حملہ کیا اور ان کے نعرے بلند ہوئے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر حتیٰ کہ ان کی آوازوں نے آفاق کو رعب دار کڑک سے بھر دیا۔ پس اہل سندھ حیرت زدہ ہو گئے اور خوف زدہ ہو گئے۔ ہتھیار ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ نیزہ سے نیزہ، تلوار سے تلوار اور ہتھیار ٹوٹ ٹوٹ گئے۔ ہاتھی بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ مسلمانوں نے لاتعداد سندھی اور ان کے ہاتھی مار ڈالے حتیٰ کہ راجہ داہر کے گرد اس کے سالاران اور امراء میں سے،

---

[1] علی بن حامد بن ابی بکر الکوفی، چچنامہ فی تاریخ بلاد السند، حیدر آباد دکن، بالسند، 1939ء، ص: 173

بہادروں میں سے 50 ہزار میں سے ایک ہزار رہ گئے۔ داہر سندھی لشکر کی اس ہزیمت سے بہت گھبرایا اور جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں اس کو یقین نہیں آرہا تھا۔ اس دوران عربوں نے ہمت کی اور جنگ میں انوکھی بہادری کی مثال قائم کی کہ ان کا مقصود یہ تھا کہ "یا تو فتح اسلام کے راستے میں یا شہادت اللہ کے راستے میں" حتیٰ کہ فتح نے مسلمانوں کے اس معرکہ میں قدم چومے۔ [1]

و۔ سپہ سالار کی اعلیٰ عسکری صلاحیت اور اخلاق حمیدہ:

راجہ داہر سے مقابلہ کرنے کے لئے محمد بن قاسم نے لشکر تیار کیا اور موتہ میں صحابہؓ کی سنت پوری کرتے ہوئے جس میں یکے بعد دیگرے زید بن حارثؓ، جعفرؓ طیار اور عبداللہؓ بن رواحہ کو سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا، محمد بن قاسم نے اعلان کیا کہ اس کی شہادت کی صورت میں محرز بن ثابت قائد ہوں گے اور ان کے بعد اس فتح و نصرت کے لشکر کے سعید سپہ سالار ہوں گے۔ یہ ان کی بالغ نظری اور دور اندیشی کی وجہ سے تھا تاکہ عرب قائدین میں وحدت اور نظم و ضبط کو برقرار رکھا جاسکے اور یہ عمل ان کی نصرت کی ضمانت بن سکے۔ [2] محمد بن قاسم اپنی اعلیٰ عسکری صلاحیت کے سبب اگر چاہتا تو شمالی ہندوستان کے مرکز قنوج کو بھی باآسانی فتح کر لیتا لیکن اس نے مزید علاقوں کو فتح کرنے کی بجائے اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کرنے اور اسے مضبوط کرنے پر زیادہ توجہ دی۔ بلکہ ایک مورخ نے کہا ہے۔

لو اراد ابن القاسم، ان یستمر بفتوحاته حتی الصین لما عاقه عائق [3]

یعنی اگر ابن قاسم اپنی فتوحات کو چین تک لے جاتا تو کوئی چیز اس کا راستہ نہ روکتی۔

محمد بن قاسم کے اخلاق حسنہ کا مورخین نے یوں اختصار کیا ہے۔ کہ جب محمد بن قاسم سندھ سے جانے لگے اور اس نے مقامی لوگوں کی اس درخواست کو رد کر دیا کہ وہ یہیں ٹھہرے اور یہ کہ وہ سب اس کے دفاع کے لئے اس کا ساتھ دیں گے، تو لاکھوں مسلم، بدھ اور برہمن اپنے دکھ کے آنسوؤں کے ساتھ وداع کرنے نکلے۔ پھر انہوں نے اس کے قتل

---

[1] احمد بن یعقوب المعروف بالیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر، بیروت، 1885ء، 2/277

[2] علی بن حامد بن ابی بکر الکوفی، چچنامہ فی تاریخ بلاد السند، حیدر آباد دکن، بالسند، 1939ء، ص 172

[3] احسان حقی، تاریخ شبہ الجزیرہ الہندیہ الباکستانیہ، موسسہ الرسالہ، بیروت، 1978ء، ص: 48

کی خبر سنی تو وہ اس کی جوانی پر اور اس کی سپہ سالاری کے انجام پر خون کے آنسو روئے۔ انہوں نے اس کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے، اس کے جہاد کی نشانی کے طور پر اور اس کی اسلام اور انسانیت کے لئے خدمات عالیہ کی پہچان کے طور پر کیرج میں اس کی خوبصورت تصویر بنائی۔[1]

ہندوستان کے عوام و خواص اپنے اس عادل، منصف اور بے نظیر امیر کے فراق میں مدتوں تڑپتے رہے۔ ان کی آنکھیں یوں روئیں کہ ان کے آنسو محمد بن قاسم کے مرثیہ خواہ بن گئے۔ اور ان خونی قطروں کو مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں چن چن کر محفوظ کر دیا۔ بقول صاحب فتوح البلدان کے الفاظ یہ ہیں:

انه لما عزل ابن القاسم و ارسل محمولا الى العراق اخذ اهل السند يبكونه و نصب له اهل "كيرج" تمثالا تخليدا لذكراه و مدحه الشعراء[2]

یعنی اہل کیرج (علاقہ کچھ) نے اس کی یادگاری تصویر بنائی اور شعراء نے اس کی مدح میں اشعار کہے۔

2۔ جیش عرب کے تعامل میں عساکر کے لئے تربیتی اسباق:

الف۔ اخلاق حمیدہ کا اہتمام:

عرب سالاران اپنے عساکر کے حسن سلوک کو یقینی بناتے تھے۔ جو مجاہد نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرتا یا اہالیان بلاد مفتوحہ سے بداخلاقی کا معاملہ کرتا اسے کڑی سزا دی جاتی۔ ان کے حسن سلوک کی بنیاد ان کے اخلاق حمیدہ تھے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایک سپاہی چار ماہ سے زیادہ اپنے خاندان سے دور نہیں ٹھہر سکتا تھا بلکہ اس کو رخصت دینا یا تبدیل کرنا ضروری تھا۔[3]

ب۔ قرآن و سنت کا التزام:

سندھ میں وارد ہونے والے عساکر عرب نے اسلامی تعلیمات کو پوری طرح اپنایا اور اسلام کے اختیار کردہ مستقل

---

[1] البلاذری، امام احمد بن یحییٰ بن جابر، ابحد ان فتوحا دانکاما دار الفکر، بیروت، 1992ء، 538/3

[2] نفس المصدر، ص: 2995

و قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت امویہ اور ہندوستان، فکر و نظر علی کیشنز، سکھر، سندھ، 1986ء، ص 123

[3] Syed Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P.54 55

و السیوطی، علامہ جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ذکر مناقب عمر بن خطاب، نفیس اکیڈمی، 1983ء، ص 143

نظام جنگ، قرآن مجید میں دیئے گئے واضح احکام اور سنت پر عمل سے پوری راہنمائی حاصل کی اس ارشاد ربانی کی فضیلت کو حاصل کرنے کی سعی کی جس میں فرمایا :

ان اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص [91]

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح لڑتے ہیں۔

اس طرح عہد رسول اللہ ﷺ میں مسلمان جنگ کے لئے منظم صفیں بنا کر میدان جنگ میں کھڑے ہوتے تھے اور باہم مل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ کسی کو کسی غیر مناسب طریقہ سے آگے بڑھنے یا پیچھے رہنے یا مرکز کو چھوڑنے کی اجازت نہ تھی۔ اس وقت شجاعت، آگے بڑھنا اور استقامت ان کا شعار بن گیا اور فرار یا خوف ان کے نزدیک عیب بن گیا۔ عربوں نے اسے پوری طرح اپنایا۔ عربوں کا اپنے دشمنوں پر میدان جہاد میں تفوق ان کے اسلحہ یا طریقہ جنگ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کے روحانی اور معنوی اسلحہ یعنی ایمان اور عزیمت کی وجہ سے تھا نیز وہ امور اس کا سبب بنے جن میں عرب ممتاز تھے یعنی خفیہ اور سریع تھے نقل و حرکت، مصائب پر صبر و تحمل اور جرات اور اللہ کے دین کی نصرت میں جذبات کی قربانی حالانکہ اکثر و بیشتر وہ افرادی قوت اور اسلحہ کی قلت کا شکار رہے اور جب سے مسلمان ایمان میں کمزور ہوئے تو اکثر معرکوں میں شکست کھا گئے چاہے وہ تعداد میں زیادہ بھی تھے۔ [92]

ج۔ ولولہ جہاد اور شہادت کی تمنا:

اسلحہ اور جنگی وسائل یا صرف بہادری، فتح کا ذریعہ نہیں بن سکتے، اس طرح کثرت سپاہ بھی اگر اس میں شجاعت کا عنصر نہ ہو، نیز اگر عسکری تنظیم بھی، اگر وہ دشمن کی تنظیم سے بہتر نہ ہو اور خفیہ تدابیر دشمن سے مختلف نہ ہوں۔ اور اس سے بڑھ کر اگر اعلیٰ معنوی جذبہ اور عدل پر مبنی انسانی بنیادیں یا معقول اجتماعی دینی تحفظات عساکر کا سرمایہ نہ ہوں تو فتح کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا۔

---

[91] القرآن، 4:61

[92] حسن ابراہیم حسن، الدکتور، تاریخ الاسلام السیاسی، القاہرہ، 1959ء، 1/ 489

عرب باوجود اپنی قلت تعداد کے معنوی اور مادی اسلحہ سے لیس تھے اس چیز کا سندھ کی فتح میں بڑا حصہ اور کردار تھا اور ہر چیز سے بڑھ کر عربوں میں اللہ کے راستے میں جہاد کا اعلیٰ جذبہ اور اس کے دین کی مدد تھی نیز اسلامی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرنے کی تمنا تھی کہ جب بھی وہ جہاد میں فتح سے ہمکنار ہوئے تو اجر کے مستحق ہوں گے اور اگر شہید ہو گئے تو کامیاب ہو جائیں گے کہ اللہ کی رضا بھی ملے گی اور جنت بھی۔ اسی لئے فتح ہر مقام پر ان کے حصے میں آتی تھی۔

محمد بن قاسم مفتوحہ شہر میں عربوں کی خاصی تعداد اس کی حفاظت کے لئے چھوڑتے تھے تاکہ اس کا انتظام ہو سکے۔ دیبل میں چار ہزار عرب شہر کے ایک کونے میں ٹھہرائے ان کے لئے مسجد بنوائی اور ان کے تمام نظام یعنی دینی اور عسکری انتظامات کو ترتیب دیا اور ان پر فوجی حاکم مقرر کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جیش عربی تعداد اور ساز و سامان کی قلت کے باوجود، جغرافیائی مشاکل کے باوجود، ہر طرف سے ان پر حملہ آور سندھ کے کثیر تعداد لشکروں کے باوجود، اپنی بہادری اور عسکری اہلیت کی بنا پر کامیاب ہو گئے۔ اور اسلامی جھنڈا بلاد سندھ پر بہت بلندی سے لہرانے لگا۔[91]

د۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی دعوت اور تربیت عساکر:

محمد بن قاسم کے بعد خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو تبلیغ اسلام کا بڑا خیال تھا۔ 99ھ میں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ملوک کو اسلام کی دعوت دی اور سندھی امیروں کے نام بھی خط تحریر کئے جن میں ان کو دعوت اسلام دی گئی تھی۔ البلاذری نے یوں عبارت لکھی ہے۔

كتب عمر بن عبدالعزيز الى الملوك يدعوهم الى الاسلام والطاعة على ان يملكهم ولهم ما للمسلمين وعليهم ما عليهم[92]

---

[91] البلاذری، امام احمد بن یحیٰی بن جابر، البلدان فتوحہا واحکامہا، دار الفکر، بیروت، 1992ء، 3/535

[92] ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، 1376ھ، 5/355

اس لئے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے ایماء پر سندھ کے عرب گورنر نے اعلان کیا کہ اگر سندھ کے حکمران مسلمان ہو جائیں تو انہیں عرب حکمرانوں اور مسلمانوں کے مساوی حقوق ملیں گے۔ یعنی دائرہ اسلام میں داخل ہونے پر ان کا ملک اور ان کی جائیداد ان کو دینے، عفو و تقصیر کا معاملہ کرنے اور مسلمانوں جیسا مساویانہ سلوک و برتاؤ کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے نتیجے میں بعض سندھی قبائل اور سندھی امراء نیز جیسیہ (جے سنگھ) ابن داہر مسلمان ہوا اور اس نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ عمر بن عبدالعزیز کو سندھی نو مسلموں کی تربیت کا اتنا خیال تھا کہ انہوں نے اہم شہروں کی مساجد میں جید علماء کو خطیب بنا کر بھیجا۔[1]

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے خطوط سے عساکر کے لئے دو امور مترشح ہوتے ہیں ایک یہ کہ عساکر اسلام کی کل مساعی اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور دوسرے یہ کہ مفتوحہ علاقوں میں اسلام کو مضبوط کرنے کے لئے دینی تعلیم کے اہتمام کی بڑی ضرورت ہے۔

خلاصہ:

محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے عرب خاندانوں نے دین کی دعوت کا اپنا معمول بنایا۔ سندھ کے شہروں کے علاوہ بحر ہند کے مغربی اور مشرقی ساحلوں پر یہ عرب قبائل آباد ہوئے۔ لنکا اور مالدیپ میں بھی ان نقل مکانی کرنے والے مسلمانوں کی وجہ سے اسلام پھیلا۔ یوں سندھ نے اسلام کی اشاعت کے لئے ایک مرکز کا کام کیا۔ مسلمان تاجروں نے اور جہازرانوں نے کئی شہر آباد کئے۔ مالابار کے علاقے میں مسلمان کثیر تعداد میں ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں جاوا، سماٹرا اور ملایا میں اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔[2]

3۔ مسلم فاتحین کا ورود اور عساکر کی تربیت:

افغانستان کے بعض علاقے غور اور ہرات شروع سے مدینہ کی طرف سے فارس میں مقرر کردہ گورنر کے تحت

---

[1] احمد بن یعقوب جعفر المعروف بالیعقوبی، تاریخ یعقوبی، دار صادر، بیروت، 1985ء، 407/2
و اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1976ء، 238/1

[2] نفس المصدر، 1/ 231
و شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1984ء، ص: 49-50

رہے۔ 31ھ میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے مقرر کردہ سپہ سالار عبداللہ بن عامر نے خراسان فتح کیا۔ غور اور ہرات (افغانستان) کا علاقہ بھی اس دور میں فتح ہوا اور سیستان و خراسان میں شامل ہوا۔

کابل چونکہ ہندوستان میں آتا تھا اس لئے کابل میں آنے والے مسلمان سپہ سالاروں کا ورود گویا ہندوستان میں قدم ہی متصور ہوا۔ 44ھ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں کمانڈر عبدالرحمن بن ربیعہ نے کابل کو فتح کیا۔ کابل کو بصرہ کے حاکم کے تحت کر دیا گیا۔ حکومت افغانیوں کے پاس ہی رہی۔ 63ھ میں یزید بن معاویہؓ نے مسلم بن زیاد کو سیستان و خراسان کا حاکم بنا کر اس کے چھوٹے بھائی یزید بن زیاد کو کابل کا حاکم بنایا اور مہلب بن ابی صفرہ کو ان کے ساتھ کیا۔ مہلب بن ابی صفرہ پہلا نامور عرب سپہ سالار ہے جس نے کابل سے آگے بڑھ کر ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی اور جہاد کیا۔ کچھ لوگ توحید اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے۔

یوں گویا مسلمان سپہ سالاروں کی طرف سے غور و ہرات کے بعد کابل میں ورود کی وجہ سے برصغیر کے شمال میں افغانستان کے شہر کابل میں اسلام کی بنیاد پڑی۔ اور اس بنیاد کی مضبوطی کے بعد آئندہ تادیر اسی راستے برصغیر کی طرف مسلمان سپاہ پیش قدمی کرتی رہی۔ مسلم بن زید نے بعد میں خالد بن عبداللہ کو حاکم کابل مقرر کیا۔ خالد بن عبداللہ نے معزولی کے بعد عراق و عرب کی طرف واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور کوہ سلیمان پر دیگر عرب النسل متعلقین کے ساتھ ڈیرہ جما لیا۔ جو ملتان اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔ افغانیوں سے بیٹی کا رشتہ کرنے سے اولاد کا سلسلہ چلا جن میں سے دو بیٹے لودھی اور سور بہت مشہور اور ممتاز ہوئے جن کی اولاد نے آگے چل کر ہندوستان پر حکومت کی۔[1] شمالی ہند کی طرف سے وارد ہونے والے مسلمان عساکر نے رفتہ رفتہ اپنا رسوخ پورے ہندوستان پر قائم کر لیا اور مقامی آبادی کو اسلام کی طرف متوجہ کیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور کئی علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت وجود میں آئی۔

آئندہ چند صفحات پر اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ مسلم عساکر نے دین اسلام کے کون سے اصولوں کو مد نظر رکھا اور کس طرح عساکر اسلام کی تربیت کی اور یہی اصول آگے چل کر برصغیر میں وجود پانے والی سپاہ کے لئے راہنمائی کا ذریعہ بنے۔ اس ذیل میں اہل غزنہ کو کلیدی مقام حاصل ہے۔ اس کے بعد غوری، بلبن اور مغلیہ خاندان نے اس سلسلہ

---

[1] محمد ابوالقاسم الہندی المعروف بفرشتہ، تاریخ فرشتہ، طبع بمبئی، ہالنڈ، 1832ء، 1/79-81

کو کسی نہ کسی شکل میں برقرار رکھا۔

الف۔ عساکر غزنہ کے اقدام میں تربیتی اسباق:

(1) اعلاء کلمۃ اللہ 351ھ میں الپتگین خراسان کا امیر تھا۔ بعض اختلافات کی وجہ سے اس نے خراسان کی حکمرانی چھوڑ کر غزنی فتح کیا اور مستقل حکومت کرلی۔ اس کے سپہ سالار سبکتگین نے کئی بار ہندوؤں سے جہاد کیا اور فتح پائی اور جہاں جہاں قلعے فتح کئے وہاں اکثر جگہوں پر مسجدیں تعمیر کرائیں اور یوں اللہ کی وحدانیت اور عبادت کے مراکز قائم کیے۔

امیر سبکتگین نے سب سے بڑا یہ کام کیا کہ اس نے ہندوستان کی سرحد پر غزنی میں ایک ایسا اہم عسکری اور حکومتی مرکز قائم کیا جس نے برصغیر کی فتح کے لئے ایک Base یعنی فوجی صدر مقام کا کام دیا۔ اس کے علاوہ اس نے کابل سے لے کر پشاور تک کا علاقہ فتح کیا اور اپنے تدبر اور حسن انتظام سے وہاں کامیاب حکومت قائم کر کے راستوں اور قلعوں کی درستی سے آئندہ فتوحات کی بنیاد ڈالی۔[1]

(2) کثرت عدو کو خاطر میں نہ لانا جب امیر سبکتگین 976ء میں غزنی میں تخت نشین ہوا اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے ہندو راجا جے پال کے زیر نگین تھا۔ جے پال کو سبکتگین کی کشور کشائی ناگوار ہوئی۔ لمغان اور غزنی کے درمیان 979ء میں جنگ ہوئی جس میں جے پال کو شکست ہوئی۔ جے پال نے صلح کی درخواست کی۔ کچھ خراج پر صلح ہوئی۔ مگر لاہور پہنچ کر جے پال وعدہ بھول گیا بلکہ امیر کے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ پشاور کے قریب دوبارہ معرکہ ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب شمالی ہندوستان کے تمام حکمرانوں نے متحد ہو کر ایک لاکھ سوار اور ان گنت پیادہ سپاہ لے کر مقابلہ کے لئے آئے۔ ہندوستانی فوج کی اس قدر کثرت تھی کہ سبکتگین کے سردار بھی گھبرا گئے۔ سبکتگین ان کی کثرت سے مرعوب نہ ہوا اور باوجود کم سپاہ کے مقابلہ کے لئے اترا۔ لیکن اس کے باوجود وہ بھانپ گیا کہ خاص داؤ پیچ اور نئے طریقے سے لشکر آرائی کی ضرورت ہے چنانچہ ایک تو اس نے اپنے سرداروں کو بلا کر جہاد و غزا کی ترغیب دی اور بہادروں کے کارنامے سنا کر ان کے دل بڑھائے اور دوسرے اپنے لشکر کو پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم کیا تاکہ جب ایک دستہ دشمن سے لڑتا لڑتا تھک جائے تو پانچ سو تازہ دم سپاہیوں کا دوسرا دستہ مقابلے میں ڈٹ جائے تاکہ دشمن پر

---

[1] اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، مرکزی اردو بورڈ لاہور، 1976ء، 316/1
ابو عمرو منہاج الدین عثمان معروف بہ منہاج سراج، طبقات ناصری (مترجم)، مرکزی اردو بورڈ لاہور، 1975، ص 407

اپنی کمزوری عیاں نہ ہو۔ جب کچھ دیر اس طرح لڑائی جاری رہی اور دشمن کی صفیں ڈھیلی پڑ گئیں تو تمام دستوں نے یکبارگی پورے زور کا حملہ کیا اور اس انبوہ عظیم کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ سبکتگین نے کابل اور پشاور کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔ پشاور میں اپنا ایک نائب متعین کر کے اسے مقبوضات غزنی میں داخل کر لیا۔[1]

(3) بت شکنی اور شرک کا استیصال : 402ھ میں سلطان محمود نے ہندوؤں کی بت پرستی کے بڑے مرکز تھانیسر پر حملہ کیا وہاں کے بڑے بت "جگ سوم" کے بارے میں ہندوؤں کا یہ ایمان تھا کہ اس بت کا وجود انسان کے ظہور کے ساتھ دنیا میں ہوا۔ تھانیسر کے راجہ انندپال نے اس بت کے نہ توڑنے کی درخواست کی اور بیش بہا عوضانہ کی پیش کش کی۔ سلطان محمود نے ان باتوں کا یہ جواب دیا کہ

"ہم مسلمانوں کا اس امر پر اعتقاد ہے کہ ہم دنیا میں جس قدر مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کریں گے۔ اگلے جہاں میں ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جب دنیا سے بت پرستی کے رواج کو ختم کرنا ہی ہمارا مقصد ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تھانیسر جیسے بت پرستی کے مرکز کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کو فتح کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ سلطان محمود نے تھانیسر کی فتح کے بعد "جگ سوم" کو غزنی بھجوا دیا اور راستے میں توڑ ڈالنے کا حکم دیا تاکہ پامال ہو جائے۔"[2]

(4) نظریاتی مقاصد کے حصول کا اہتمام : ہندوستان والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ (موت کے بعد) انسان کی روح بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومنات ہر روح کو اس کے اعمال اور کردار کے مطابق (از روئے تناسخ) نیا جسم عطا کرتا ہے۔ محمود کے دل میں ہندوؤں کے اس مشرکانہ عقیدہ اور بت پرستی کے خلاف جہاد کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے 415ھ میں سومنات پر حملہ کیا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ ہندو لشکروں کے یکے بعد دیگرے آنے سے محمود نے بڑے خلوص سے خدا تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگی اور اللہ نے فتح دی۔

برہمنوں نے معززین سلطنت کی وساطت سے بہت بڑی دولت کے عوض بڑے بت کو نہ توڑنے کی درخواست کی مگر محمود نے کہا کہ میں تاریخ میں بت فروش کہلانے کی بجائے بت شکن کہلوانا پسند کروں گا۔[3] سلطان محمود نے 412ھ میں لاہور کو فتح کیا اور اسے قابل اعتماد امیر ایاز کے سپرد کیا۔ پنجاب کے دوسرے مقبوضات کی حکومتیں بھی قابل اور دیانتدار عاملوں کے سپرد کر کے غزنی واپس آگیا۔ حکم ربانی (لا اکراہ فی الدین) پر عمل کرتے ہوئے سلطان محمود

---

[1] ابو عمرو منہاج الدین معروف بہ منہاج سراج، طبقات ناصری (مترجم)، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1975ء، ص:408

[2] محمد ابو القاسم الہندی المعروف بفرشتہ، تاریخ فرشتہ، طبع بمبئی، ہند، 1832ء، ص:133

[3] نفس المصدر، ص:137

نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

(5) مظلوم مسلمانوں کی نصرت : 424ھ میں سلطان مسعود بن محمود نے ہندوستان کا رخ کیا۔ درہ کشمیر میں سرستی کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ ہندوؤں کی صلح کی درخواست زیر غور تھی کہ قلعہ میں ہندوؤں کی سختیوں کے شکار مسلمان تاجروں کی درخواست پہنچی کہ "ہم چند مسلمان تاجر اپنے وطن سے نکلے اور بدقسمتی سے ان کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان ہندوؤں نے تعصب کی بنا پر ہم پر طرح طرح سے تشدد کیا اور ہم سے سارا مال تجارت اور دولت چھین کر ہمیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا۔ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر آپ نے ان ہندوؤں سے ان کی پیش کردہ شرائط پر صلح کر لی تو آپ کے جاتے ہی یہ ہندو ہم پر مصیبت ڈھائیں گے اور زندہ نہ چھوڑیں گے۔

سلطان مسعود نے محاصرہ جاری رکھا، قلعہ فتح کیا اور مسلمان تاجروں کا مال واپس کروایا۔[سلہ]

(6) اطاعت امیر کی برکات : سلطان مسعود کی وفات کے بعد ہندوؤں نے تھانیسر، ہانسی اور نگر کوٹ کے قلعے مسلمانوں سے واپس لے لئے۔ پھر وہ لاہور کی طرف آئے۔ اس وقت پنجاب میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں اور مسلمان جاگیردار اور امراء، مودود والی کابل کی اطاعت سے منہ موڑ کر آپس میں لڑ رہے تھے۔ جب ہندوؤں نے لاہور کا محاصرہ کیا تو پھر ان سوئے ہوئے مسلمان امراء کی آنکھیں کھلیں۔ ان مسلمانوں نے مصلحت وقت کا خیال کرتے ہوئے آپس میں مل کر متحدہ لشکر تیار کیا اور امیر مودود بن مسعود بن محمود کی اطاعت کا اقرار کر کے ہندوؤں سے معرکہ آراء ہونے کے لئے شہر سے باہر نکلے۔ جب ہندوؤں نے مسلمانوں کا باہمی اتفاق دیکھا اور ان کے لشکر کی کثرت کا اندازہ کیا تو بدحواس ہو کر بغیر جنگ کرنے کے میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔[سٹہ]

(ب) سلطان غیاث الدین بلبن کے تربیتی گوشے اور اعداد الجنود:

(1) عسکری استعداد کا حصول : اسلامی ہندوستان کے بادشاہوں میں بلبن ایک خاص رنگ اور شان کا بادشاہ تھا بلبن کا قول تھا کہ نبوت کے بعد خلق خدا کا سب سے عمدہ ذریعہ بادشاہت ہے۔ بلبن نے فوج کی باقاعدہ تنظیم کی اور ارشاد ربانی "واعدوا لھم ما استطعتم"[سلہ] کی روشنی میں عہدہ داروں اور امیروں کو مجبور کیا کہ وہ سپاہی،

سلہ احمد بن یعقوب بن جعفر المعروف ابن یعقوبی، تاریخ یعقوبی، دار صادر، بیروت، 1940، ص 324.

سٹہ محمد ابو القاسم الہندی المعروف بفرشتہ، تاریخ فرشتہ، طبع بمبئی، الہند، 1832ء، ص 164

سلہ القرآن - 8:60

سوار اور ان کا ساز و سامان باقاعدہ رکھیں۔

بلبن نے توسیع حکومت کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اصل کام حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنا ہے۔ البتہ اسے شکار کا بڑا شوق تھا اور اس میں وہ بڑا اہتمام کرتا۔ سردی کے موسم میں وہ ہر روز ہزاروں سواروں کے ساتھ شکار کو جاتا اور دہلی سے ریواڑی تک بلکہ اس سے بھی پرے گھوڑ دوڑ اور شکار کے بعد واپس آتا۔ کسی نے ہلاکو خان سے بغداد میں بلبن کے شکار کا ذکر کیا تو ہلاکو خان نے کہا کہ بلبن ایک پختہ کار بادشاہ ہے بظاہر تو وہ شکار کے لئے جاتا ہے، لیکن اس کا اصل مقصد سواری، نشانہ بازی اور سخت محنت کی مشق جاری رکھنا ہے تاکہ جب لڑائی کا موقع آئے تو وہ اور اس کے سوار اور ان کے گھوڑے تیار رہیں۔

(2) دینی زندگی کا التزام : مذہب کی نسبت بھی سلطان غیاث الدین بلبن کا ایک خاص نقطہ نظر تھا۔ وہ باقاعدہ نماز پڑھتا، روزے رکھتا، رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتا، سفر و حضر کی حالت میں اپنے ورد و وظیفے جاری رکھتا۔ ہمیشہ باوضو رہتا۔[1]

بلبن کے بیٹے بغرا خان نے ہندوستان کے بادشاہ اپنے بیٹے کو دین کی پاسداری کے لئے سختی سے یوں نصیحت کی۔

"میں نے سنا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتے اور ماہ رمضان میں روزے نہیں رکھتے اور ایک حیلہ گر نے درہم و دینار کے طمع میں تم کو روزے ناغہ کرنے کی اجازت دے دی ہے اور تم سے کہہ رکھا ہے کہ اگر تم ایک روزے کے بدلے ایک غلام آزاد کر دو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو تو تم کو روزے کا ثواب پہنچ جائے گا۔ تم نے یہ بات مان لی ہے۔ لیکن ایمان داروں کی یہ بات نہیں سنی کہ جو شخص ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھتا وہ جوانی میں ہی چل بستا ہے۔

میرے بیٹے! تمہارا دادا (سلطان غیاث الدین بلبن) اکثر کہا کرتا تھا کہ بادشاہوں بلکہ تمام مسلمانوں کو آخرت پر اپنا اعتقاد و عمل رکھنا چاہئے اور حیلہ گر تاویلیوں کو اپنے سامنے ہی نہیں آنے دینا چاہئے اور نہ ہی ان کے حیلہ و تاویل کو اپنا اساس کار بنانا چاہئے۔

میری آخری نصیحت یہ ہے کہ رمضان میں روزے رکھو اور جس طرح بھی ہو سکے نماز پڑھو اور ایک خدا طلب عالم کو اپنے پاس سے دور نہ کرو۔ کیوں کہ اتنے ہزار لوگ غم دنیا میں ہلاک ہوتے ہیں اور وہ تمہارے دین کا فکر کرتا

---

[1] ولیم ایل لینگر، انسائیکلو پیڈیا تاریخ اسلام، مترجم غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1958ء، ص 83/1

[2] محمد بن عبداللہ محمد بن ابراہیم الطنجی، عجائب الاسفار، قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت اسلام آباد (مترجم مولوی محمد حسین)، 1983ء، ص:62

ہے۔"[۹۰]

ج۔ سلطان معز الدین محمد غوری کی استقامت اور عساکر کی تربیت:

ہندوستان میں مسلم عساکر کے ورود اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قائد عساکر کی استقامت اور ذاتی مثال نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کی دینداری نہ صرف نصرت خداوندی کا ذریعہ بنی بلکہ اس سے اس سپاہ کے حوصلہ اور جذبہ جہاد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

سندھ اور ملتان کا علاقہ تو مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں فتح کر لیا تھا البتہ دہلی پونے پانچ سو سال بعد فتح ہوا۔ جس مرد مجاہد نے شمالی ہندوستان کے عسکری نظام کو درہم برہم کیا اور اسلامی نظام حکومت کی مستحکم بنیادیں قائم کیں اس کا نام محمد غوری تھا۔ سلطان محمد غوری نے شروع سے ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ سرحد پر قائم ریاستوں پر قبضہ کرنے کے بعد جب لاہور سے غزنی واپس جا رہا تھا کہ سرحد کے سردار کی عرض پہنچی کہ اجمیر اور دہلی کا حاکم پرتھوی راج بھٹنڈہ کو مسلمانوں سے چھڑانے آ رہا ہے۔ سلطان کے پاس پوری فوج نہ تھی لیکن بھٹنڈہ کے مسلمانوں کا خیال کر کے اس نے فوراً لشکر کا رخ اس طرف کر لیا۔ ترائن (تراوڑی) کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ہندی راجپوتوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں۔

سلطان نے رہی سہی فوج کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس جگہ جا پہنچا جہاں پرتھوی راج کا سپہ سالار کھانڈے راؤ ہاتھی پر سوار فوج کی کمان کر رہا تھا۔ سلطان نے نیزے کا ایک ایسا وار کیا کہ کھانڈے راؤ کے کئی دانت گر گئے۔ البتہ جوابی حملہ میں سلطان کو زخم کاری لگا اور ڈگمگا کر گھوڑے سے گرنے ہی والا تھا کہ ایک باوفا غلام لپک کر پیچھے جا بیٹھا اور گھوڑے کو اڑا کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ اس ہزیمت کا محمد غوری کو بڑا رنج ہوا۔ چنانچہ وہ دوبارہ پوری تیاری اور سازوسامان کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ سواروں کو لے کر ہندوستان روانہ ہوا۔ ایک بار پھر ترائن کے مقام پر حرب و ضرب کا میدان گرم ہوا اور سلطان کو فتح ہوئی۔[۹۲]

سلطان محمد غوری کی اور بہت سی خوبیوں کے علاوہ اس کے دو وصف خاص طور پر تعریف کے لائق ہیں۔ وہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کا بانی تھا لیکن اس کے باوجود یہاں کے باشندوں کے خلاف اس کے دل میں عناد اور تعصب نہ تھا۔ دوسری بڑی خوبی اس کی وفاداری تھی۔ ہندوستان کی ساری فتوحات اس نے اپنے بھائی غیاث الدین

---

۹۱ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، اردو سائنس بورڈ لاہور، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، 1991ء، ص: 241

۹۲ ہدایت اللہ خاں چودھری، اسلامی تاریخ پاک و ہند، ٹیکس اکیڈمی، کراچی، 1983ء، ص: 48

غوری بادشاہ افغانستان کی نیابت میں حاصل کیں اور ایک وفادار جرنیل کی طرح قطب مینار پر سلاطین دہلی و ہند کی جو فہرست کندہ کی گئی اس میں سب سے اوپر اس کا نام ہے۔[سلہ]

د۔ بابر کا بحیثیت سپہ سالار کبائر سے اجتناب:

مغلیہ خاندان کی بنا سلطان ظہیر الدین بابر نے ڈالی، جو تیمور کی نسل سے تھا۔ بابر نے دہلی فتح کر لی لیکن دہلی کی فتح سے ہندوستان فتح نہ ہوا تھا۔ مرکزی حکومت کی کمزوری سے ہر طرف صوبیدار خود مختار ہو گئے تھے۔ شروع شروع میں بابر نے مخالفوں کی پرواہ نہ کی لیکن جب شاہی فوجوں کے ہراولوں کو ہندو راجپوتوں نے شکست دی تو پھر شاہی لشکر پر خوف و ہراس طاری ہوا۔ شمالی ہندوستان میں رانا سانگا نے بڑا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ بعض لوگوں نے بابر سے کہا کہ بڑے بڑے قلعے معتمد سرداروں کے سپرد کر کے پنجاب لوٹ جانا چاہئے اور کسی لطیفہ غیبی کا انتظار کرنا چاہئے۔ لیکن بابر نے ایک پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا کہ اطراف و اکناف کے مسلمان بادشاہ ہم پر اظہار نفرت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم زندگی کو عزیز سمجھ کر ایک بڑی سلطنت کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ جوانمردی کا تقاضا ہے کہ ہم شہادت کے لئے تیار ہو جائیں اور جان توڑ کر لڑیں۔

بابر کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ سب نے الجہاد الجہاد کا نعرہ اور قسمیں کھائیں کہ ہم میدان غزا سے منہ نہیں موڑیں گے۔ مر گئے تو شہید اور کامیاب ہوئے تو غازی۔ بابر نے بھی جو شراب کا بڑا دلدادہ تھا۔ شراب نوشی اور دوسرے غیر شرعی احکام حتیٰ کہ ریش تراشی سے توبہ کی اور خدائے عزوجل کی بارگاہ میں دعا کر کے میدان جنگ میں آگے بڑھا۔

رانا سانگا کا اپنا لشکر ایک لاکھ تھا جبکہ دیگر رؤسا کی امداد ملا کر کل پونے دو لاکھ کا لشکر بن گیا۔ 1529ء میں فتح پور سیکری کے مقام پر معرکہ برپا ہوا۔ سارا دن لڑائی جاری رہی۔ راجپوت جانتے تھے کہ اس لڑائی سے شمالی ہند کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے اس لئے جان توڑ کر لڑے لیکن فتح آخر کار بابر کی ہوئی۔[سٹہ]

خلاصہ : مسلم عساکر کے ہندو معاشرہ پر مثبت اثرات:

الف۔ عقیدہ توحید کا نفوذ:

مسلم عساکر اس خطے میں صرف دین اسلام کی خدمت کے جذبہ سے داخل ہوئے تاکہ یہاں کے رہنے والوں کو

[سلہ] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، اردو سائنس بورڈ لاہور، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، 1991ء، ص 251

[سٹہ] ولیم ارسکن، ظہیر الدین بابر اور ان کا عہد، مترجم حسین انور، علمی پرنٹنگ پریس، لاہور، 1962، ص 505.

اسلام کا رحیمانہ اور عادلانہ پیغام پہنچا سکیں اور لوگوں کو دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعتوں کی طرف لے جائیں اور ان کو طوق غلامی سے نجات دلائیں۔ اس کام کے لئے ایک طرف تو اولیاء کرام دور دراز کے علاقوں سے آئے جیسے سید علی ہجویری ؒ، شیخ معین الدین اجمیری ؒ اور سید علی بن شہاب ہمدانی کشمیری، تو دوسری طرف مسلم فاتحین آئے جیسے محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور ظہیرالدین بابر تیموری۔ ان سب کا عقیدہ یہ تھا کہ زمین اللہ کی ہے جس کو چاہے اس کا وارث بنادے اور جو کچھ بھی زمین میں اللہ کی ملکیت ہے اس پر خلافت کے ناطے مسلمان کا حق ہے۔

ہر ملک ملک ما است

کہ ملک خدائے ما است[1]

اہل ہند کے لئے اسلام نے تینوں چیزیں دیں۔ ایک تو توحید کا عقیدہ جس کے تحت بندے اور رب کے درمیان عبادت اور دعا کے لئے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں اور نہ ہی وہ ایک سے زائد اللہ کو تسلیم کرتا ہے، نہ ہی مظاہر کو خدا مانتا ہے اور نہ ہی وہ حلول کے عقیدہ کا قائل ہے۔ بلکہ صرف اللہ واحد جو اکیلا ہے، صمد ہے، اس میں یقین رکھتا ہے۔ وہ ذات جس کے کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ساجھی ہے۔ اسی کے لئے خلق ہے اور امر بھی اور آسمانوں اور زمین میں سب سے بڑی ذات ہے۔

ہندو مذہب پر اسلام کے گہرے اثرات مرتب ہوئے کہ ان میں اللہ کی عبادت کے نظریات نفوذ کر گئے جس کی جھلک آگے چل کر بھگتی مذہب اور کبیر داس کی تعلیمات میں نظر آتی ہے۔

ب۔ مساوات انسانی کا سبق:

دوسری چیز جو مسلمان ساتھ لائے وہ مساوات انسانی ہے جس کا ہند میں تصور نہ تھا۔ اس تاریخی حقیقت کا جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نے یوں اقرار کیا۔ کہ شمالی ہند کی طرف سے آنے والے حملہ آوروں اور اسلام کے دخول کی تاریخ ہند میں بڑی اہمیت ہے۔ اس نے ہندوستان میں انتشار پھیلا دیا۔ اس نے ہندوستان میں رائج مختلف روایات یعنی نظام طبقات، چھوت چھات اور دنیا سے بے رغبتی کا انکار کر دیا۔ اسلام کے نظریہ اخوت و مساوات نے جس کا مسلمان عقیدہ رکھتے تھے اور جس پر وہ عمل کرتے تھے، اس نے ہندوؤں کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا ان میں سب سے زیادہ بری چیز جس کو

---

[1] علامہ محمد اقبال "پیام مشرق"، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1990ء، ص: 129

ہندی معاشرہ نے حرام قرار دیا ہوا تھا وہ مساوات تھی اور انسانی حقوق کا احترام تھا۔

ج۔ احترام نسواں کا تعارف:

تیسری چیز عورت کا احترام اور اس کے حقوق کا اعتراف اور اکرام ہے۔ اس سے قبل ہندوستان میں عورت کو حقیر چیز سمجھا جاتا تھا حتی کہ مرد کی موت پر عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ وراثت میں اس کا کوئی حق نہ تھا۔ اسلام کی ان ہی خوبیوں نے ہندوؤں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے لئے کشش پیدا کی اور رفتہ رفتہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

6- برصغیر کی جہادی و دینی تحریکیں اور تربیت عساکر:

مرور زمانہ سے برصغیر پر مسلمانوں کی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ جابجا والیان ریاست نے خود مختاری اختیار کر لی۔ خصوصاً سکھوں اور مرہٹوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا نیز اپنے زیر تسلط علاقوں میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اسی دوران انگریزوں نے بھی تجارتی کمپنی کے روپ میں بنگال کے راستے اپنا تسلط جمانا شروع کر دیا۔ اس طرح مسلمان رفتہ رفتہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑتے چلے گئے۔ بیرونی مسلم دنیا سے بھی برصغیر کے مسلمانوں کی مدد کے لئے کوئی طاقت خاطر خواہ انداز میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس موقع پر برصغیر کے مسلمانوں میں جہادی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان تحریکوں نے نہ صرف ولولہ جہاد کو تازہ کیا بلکہ آگے چل کر برصغیر کے مسلم عساکر کی تشکیل و تربیت کا بھی کام کیا۔

الف۔ شمالی ہند میں سید احمد رائے بریلی کی تحریک مجاہدین:

ایک دفعہ سید احمد وعظ و ہدایت کے سلسلے میں رام پور گئے تو وہاں کئی ولایتی افغان آئے اور انہوں نے ایک بڑا دردناک قصہ سید صاحب کے روبرو یوں بیان کیا کہ ہم اپنے اثنائے راہ ملک پنجاب میں ایک کنویں پر پانی پینے کو گئے ہم نے دیکھا کہ چند سکھنیاں یعنی سکھوں کی عورتیں اس کنویں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ہم لوگ دیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ ہم نے اپنے مونہوں پر ہاتھ رکھ کر ان کو اشاروں سے بتایا کہ ہم پیاسے ہیں' پانی پلاؤ' تب ان عورتوں نے ادھر ادھر دیکھ کر پشتو زبان میں ہم سے کہا کہ ہم مسلمان افغان زادیاں فلاں ملک اور بستی کی رہنے والیاں ہیں اور سکھ لوگ ہمیں زبردستی پکڑ لائے اور سکھنیاں بنا کر اپنی جورو ئیں کر لیا ہے۔ یہ سن کر ہمیں بہت رنج ہوا۔ کہ مسلمان عورتیں جبراً اس

طرح سے کافر بنائی جائیں۔ اے سید صاحب! آپ ولی اللہ ہیں۔ کچھ ایسا فکر کرو کہ ان کو کفر سے نجات ملے۔ تب سید صاحب نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا۔

(1) مظلوم مسلمانوں کی حمایت : 27 اپریل 1821ء کو حج سے واپس وطن پہنچ کر آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ اور مولانا اسماعیل شہید" اور مولانا عبدالحئی" کو اطراف ہندوستان میں اس مقصد کے لئے تبلیغ کرنے کو بھیجا۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو عام مسلمانوں کو جہاد کے متعلق ایک اطلاع نامہ بھیجا گیا۔ جس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد سے مولانا کا مقصد ملک گیری یا کسی دوسری قوم سے بے انصافی نہ تھا۔ بلکہ اس عام مذہبی آزادی کا حصول تھا۔ جو تمام مہذب ملکوں میں ہر ایک کو حاصل ہے۔ یہ اطلاع نامہ بہ تفصیل ذیل تھا۔

"سکھ قوم عرصے سے لاہور اور دوسری جگہوں پر قابض ہے اور ان کے ظلم کی کوئی حد نہیں رہی۔ انہوں نے بعض ہزاروں مسلمانوں کو بلا قصور شہید کیا ہے اور ہزاروں کو ذلیل کیا ہے۔ مسجدوں میں نمازوں کے لئے اذان دینے کی اجازت نہیں اور ذبیحہ گاؤ کی قطعی ممانعت ہے۔ جب ان کا ذلت آمیز ظلم و ستم ناقابل برداشت ہو گیا تو حضرت سید احمد ایدہ اللہ بنصرہ نے خالصتاً حفاظت دین کے لئے کئی مسلمانوں کو کابل اور پشاور کی طرف لے جا کر مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا اور ان کو جرات دلا کر آمادہ عمل کیا۔ الحمد للہ کہ ان کی دعوت پر کئی ہزار مسلمان راہ خدا میں لڑنے کو تیار ہو گئے اور سکھ کفار کے خلاف 21 دسمبر 1826ء کو جہاد شروع ہوا۔[1]

جنگ شروع کرنے سے پہلے آپ نے دربار لاہور کو ایک تحریری اعلام نامہ حسب قاعدہ شریعت بھیجا لیکن دربار لاہور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا' بلکہ جرنیل بدھ سنگھ کو ایک بڑا لشکر دے کر مجاہدین کے مقابلے کے لئے بھیجا۔

(2) شریعت اسلامی کا نفاذ : چونکہ جہاد کی کل غایت اعلاء کلمۃ اللہ اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہے اور یہی مقصود اس جہادی تحریک کا بھی تھا۔ چنانچہ اسی غرض و غایت سے سید صاحب مقابلہ کے لئے آئے۔ سب سے پہلا معرکہ 21 دسمبر 1926ء کو نوشہرہ سے آٹھ میل دور اکوڑہ کے مقام پر ہوا۔ اس میں مجاہدین کامیاب رہے۔ اور بدھ سنگھ کو

---

[1] مولوی محمد جعفر تھانیسری' سوانح احمدی' ہلال پریس' اپاڑ' الشند' ص: 171
و ابو الحسن علی ندوی' سیرت سید احمد شہید' سعید اینڈ کمپنی' کراچی' 1958' 1/329

پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بعد "شب خون حضرو" کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں بہت سامال غنیمت مجاہدین کے ہاتھ آیا۔

ان دونوں معرکوں کے کچھ عرصہ بعد 11 جنوری 1927ء کو علماء و رؤساء علاقہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی۔ اور آپ کو باقاعدہ امیر المومنین چنا۔ تاکہ آپ انتظام جہاد، تقسیم غنائم، اقامت جمعہ اور ترویج شریعت کا پورا اہتمام کریں۔ لہٰذا مفتوحہ علاقہ میں شریعت اسلامی نافذ کی گئی پھر بہت جلد معرکہ سیدو شروع ہوا۔ سکھوں کا لشکر بہت بڑا تھا اور ان کے پاس سامان حرب بھی کافی تھا۔ مجاہدین بیشتر بے ہتھیار تھے۔ اور ایک منظم فوج کے سامنے جم کر لڑنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میدان جنگ سکھوں کے ہاتھ رہا اور مجاہدین کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ [1]

(3) <u>مجاہدین کا دشمن کی قوت سے مرعوب نہ ہونا :</u> اس زمانے میں مجاہدین کی حالت بہت خراب تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ برفباری ہو رہی تھی اور ان کے پاس نہ رہنے کو مکان تھے نہ اوڑھنے کو کپڑے۔ اس بے سروسامانی کے علاوہ فاقہ کشی ایک اور جانگداز مصیبت تھی۔ کئی کئی دن فاقے کرتے۔ یا درختوں کی پتیاں ابال کر بھوک کی آگ بجھاتے اور اس حالت میں دشمن کا مقابلہ کرتے۔ ان ہی دنوں دو کمانڈروں میں سے ایک مولوی عبدالحئی 24 فروری 1825ء کو انتقال کر گئے۔ ان مصائب کے باوجود سکھوں اور ان کے افغان ساتھیوں سے جہاد جاری رکھا گیا اور چونکہ مجاہدین جان توڑ کر لڑتے تھے۔ اس لئے انہیں اکثر کامیابی ہوئی۔ بالخصوص ان فوجی دستوں کو جو مولوی اسماعیل کے زیر قیادت غنیم پر شب خون مارتے تھے۔

اس دوران صلح کی کاوش بھی ہوئی۔ جس میں سید صاحب کو سازش کے تحت ماتحت کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر دربار لاہور مولانا کو اپنا عامل بنانے میں کامیاب نہ ہوا۔ البتہ حاکم پشاور سردار یار محمد خان اور اس کے بھائی سردار سلطان محمد خان نے رنجیت سنگھ والئی لاہور کی باجگذاری قبول کی۔ اب سید صاحب کا مقابلہ افغان صوبیداروں سے شروع ہوا جس میں سید صاحب کامیاب رہے ایک معرکے میں سردار یار محمد خان مارا گیا اور اس کے بھائی سردار سلطان محمد خان نے شکست کھانے کے بعد اپنے وکیل فیض اللہ خان کی معرفت سید صاحب سے معافی مانگی۔ سید صاحب نے

---

[1] مولوی محمد جعفر تھانیسری، سوانح احمدی، بلال پریس، انبالہ، الہند، ص: 175
و سید طفیل احمد منگلوری علیگ، مسلمانوں کا روشن مستقبل، حمارا کتبی، لاہور، 1987ء، ص: 137

افعال ماضیہ سے اس کے تائب ہونے اور اپنے علاقے میں شرع کے قوانین رائج کرنے کے وعدے پر پشاور کا علاقہ اسے بخش دیا۔ پشاور 1830ء کے آخر میں فتح ہوا اور شرع کے مطابق مقدمات فیصل کرنے کے لئے مولوی سید مظہر علی صاحب عظیم آبادی پشاور شہر کے قاضی مقرر ہوئے انہوں نے حسب منشائے سید صاحب احکام شریعت نافذ کئے۔ پشاور کی فتح اور سلطان محمد خان کا عہد اطاعت تحریک جہاد کی تاریخ کا سب سے روشن باب ہے۔

(۸) سپہ سالاران کی شہادت میں ترجیحی پہلو : پشاور کی فتح جلد ہی سخت رنجیدہ ناکامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ سکھوں کی پھوٹ ڈالو کی کوشش کامیاب ہوئی۔ علاقے کے سرداروں نے پھر اطاعت سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور گردونواح کا علاقہ ہاتھ سے نکل گیا۔ سید صاحب ملک کاغان بمقام راج دواری مقیم تھے۔ کہ راجہ شیر سنگھ کا لشکر اس طرف آیا اور اس کی مدافعت کے لئے سردار حبیب اللہ خان نے آپ کی مدد چاہی آپ لشکر مجاہدین کے ساتھ بالاکوٹ تشریف لے آئے۔ بالاکوٹ میں جو لڑائی ہوئی اس میں سید صاحب کا لشکر چاروں طرف سے محصور ہو گیا۔ راجہ شیر سنگھ کا لشکر بہت بڑا تھا۔ اس کی فوج چاروں طرف پہاڑیوں پر چھا گئی۔ مجاہدین بیچ میں محصور تھے اور ان کے لئے پہاڑی پر چڑھنا بہت مشکل تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی۔ البتہ سپہ سالاران اپنے مجاہدین کے ساتھ آخر دم تک میدان جہاد میں ڈٹے رہے اور بالآخر سید صاحب مع اسماعیل شہید، مولوی خیر الدین اور ارباب بہرام خان اس معرکے میں 1831ء میں شہید ہوئے۔[1]

سپہ سالاران کی اس شہادت نے برصغیر کے مجاہدین میں شہادت کے جذبہ کو ہمیشہ تازہ رکھنے کا کام دیا۔ سید صاحب کی اصلاحی کوششیں آپ کی ذات تک محدود نہ تھیں۔ آپ کی ذات ایک سرچشمہ فیض تھی۔ جس سے ہزاروں ندیاں جاری ہوئیں۔ آپکے کثیر تعداد خلفاء نے آپ کے کام کو مختلف جہات میں اور ہندوستان کے مختلف خطوں میں جاری رکھا۔ حتیٰ کہ یہی جذبہ تحریک آزادی کی شکل میں رونما ہوا اور پاکستان پر منتج ہوا۔ اور آگے چل کر یہی جذبہ افواج پاکستان کے لئے راہنمائی کا باعث بنا کہ آج تک نصابی کتب میں شامل اپنی اس تاریخ سے عساکر پاکستان تقویت حاصل

---

[1] ابو الحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، سعید اینڈ کمپنی، کراچی، 1958ء، 320/1

کرتے چلے آرہے ہیں۔

(ب) بنگال کی مسلم تحریکیں اور تربیت مجاہدین:

(1) مسلم سپاہ کے اعلیٰ اخلاق کے اثرات : برہمنیت جو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر مشتمل تھی، عظیم تر بنگال میں پانچویں صدی عیسوی میں داخل ہوئی۔ اسلام تیرہویں صدی عیسوی میں اس وقت آیا جب ترکوں اور افغانوں نے اسے فتح کیا، ہندومت کے ذات پات کے نظام کے مقابلے میں عساکر اسلام کے مساوات اور احترام انسانیت کے عمل نے تھوڑے سے عرصہ میں بنگال کے بہت سے علاقوں پر اپنے اثرات مرتب کئے۔

مشرقی بنگال کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا، بعض ممتاز ہندو مصنفین نے لکھا ہے۔ کہ ادنیٰ ذات کے بنگالیوں کا ہندومت کو مسترد کر دینا ایک قسم کی بغاوت تھی۔ جو اس ظلم و ستم کے خلاف تھی۔ جس میں ان کے لئے سانس لینا بھی دشوار تھا۔[91]

(2) احیاء دین کی تحریکیں اور تربیت عساکر : غیر ملکی تسلط کے بعد جب بنگال اور ہندوستان میں غیر انسانی افعال انتہا کو پہنچ گئے تو اس کے رد عمل میں دو عظیم تحریکیں وجود میں آئیں۔ ایک فرائضی تحریک جو 1818ء سے 1820ء تک رہی۔ اس کے بانی حاجی شریعت اللہ تھے۔ بنیادی طور پر یہ بنگال کے پریشان حال مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی تحریک تھی۔ دوسری تحریک طریقہ محمدیہ کے نام سے شروع ہوئی جو 1818ء سے 1830ء تک جاری رہی۔ طریقہ محمدیہ کا آغاز 1818ء کے لگ بھگ دہلی کے دو مشہور مسلمان روحانی پیشواؤں، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے کیا تھا۔ ان کی تحریک کا مقصد کتاب و سنت کا عملی احیاء تھا۔ وہ 1837ء میں بالا کوٹ کے معرکے میں شہید ہوئے۔ ان دونوں تحریکوں نے مجاہدین کو تشکیل دی اور یوں برصغیر میں مسلم عساکر کی تربیت کا سامان مہیا کیا۔

(3) کسان فوج کا دشمن سے مرعوب نہ ہونا : بنگال میں طریقہ محمدیہ کی بنیاد تیتو میر نے رکھی۔ اس تحریک کو کافی پذیرائی ملی۔ 1830ء میں تیتو میر کا مقامی زمینداروں اور ساہوکاروں سے مسلح تصادم بھی ہوا۔[92] تیتو میر کو کئی

---

[91] میجر جنرل (ر) محمد امراؤ خان، ایک جنرل کی سرگزشت، فیروز سنز لاہور، ص 245-246

[92] ڈاکٹر عبدالغفور صدیقی، تیتو میر شہید، ادارہ قومی تعمیر(؟) کراچی، 1962، ص 77

ایک کامیابیاں ہوئیں۔ اس نے ایک بہت بڑے علاقے کو آزاد علاقہ قرار دے دیا، کہا جاتا ہے کہ اس نے خلیفہ کا لقب بھی اختیار کر لیا، کلکتہ کے حکام نے یکے بعد دیگرے دو رجمنٹیں بھیجیں، تیتو میر کی کسان فوج نے دونوں کو شکست دی اللہ پر ایمان رکھنے کے علاوہ ان کسانوں کے پاس لاٹھیوں تیروں اور برچھیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ انگریزوں کی روز افزوں طاقت کو روکنے کے لئے یہ ایک حقیر کوشش تھی۔ انگریزوں کے دوبارہ زیادہ فوج سے حملہ کرنے سے تیتو میر اور اس کے بہت سے پیروکار شہید ہوئے البتہ مزاحمت کی قوی بنیاد پڑ گئی۔ جس کو فرائضی راہنماؤں نے تادیر زندہ رکھا۔[۹۱]

(4) اعلاء کلمۃ الحق کے جذبہ کی تجدید ۔ فرائضی تحریک اور طریقہ محمدیہ کے شاندار نتائج نکلے اور یہ نتائج صرف بنگالی مسلمانوں کے لئے نہیں تھے بلکہ اسلام کے لئے تھے۔ ان تحریکوں نے مسلمانوں کے اندر خود شعوری کا وہ جذبہ پیدا کر دیا جو کہ بظاہر مسلمانوں نے ضائع کر دیا تھا اب وہ ایک نئی روشنی میں اپنے آپ کو دیکھ سکتے تھے۔ اب انہیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ بھی سر اٹھا سکتے ہیں۔ اپنی حفاظت کے لئے کھڑے ہو سکتے ہیں اور اپنے حقوق منوا سکتے ہیں۔ وہ سوچنے لگے کہ اب باطل کے خلاف لڑنے کا وقت آگیا ہے ان تحریکوں نے فی الواقع خود شناسی کا دروازہ کھول دیا اور مسلمانوں میں خود اعتمادی کا بیج بو دیا۔ جب فرائضی "طریقہ محمدیہ" کی تحریکیں چل رہی تھیں۔ تو احیائے اسلام کی تحریک برطانوی ہند کے مختلف علاقوں میں بتدریج لیکن یقینی انداز میں پھیل رہی تھی۔[۹۲]

اسی تحریک نے آگے چل کر تحریک پاکستان کا روپ دھار لیا اور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے آزادی اور ایک مضبوط اسلامی لشکر کی بنیاد بنی۔ اس لشکر نے ان جہادی تحریکوں کے اصولوں اور جذبات کو پوری طرح اپنے اندر سمیٹا اور اپنے اسلامی تشخص کو ہمیشہ برقرار رکھا نیز اعلاء کلمۃ اللہ اور انسداد ظلم کے استیصال جیسے عالی مقاصد کے حصول کے لئے اپنے آپ کو کوشاں رکھا۔

---

۹۱ W W Hunter, The Indian Musalman, Oxford University Press, Karachi, 1941, p 187

۹۲ میجر جنرل (ر) محمد اکبر خان، ایک جرنیل کی سرگزشت، فیروز سنز لاہور، ص: 264-265

فصل دوم ---- تحریک پاکستان اور عساکر کی نظریاتی تربیت:

برصغیر میں اسلام عربوں اور افغانوں کے ذریعے سے آیا۔ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور اولیاء کرام کی روحانی تعلیمات نے اسلام کو پرکشش بنایا۔ دینی و جہادی تحریکوں اور علماء کرام کی مساعی نے دین اسلام کو زندہ رکھا نیز وہ تحریک جو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کو بالاکوٹ لے گئی وہ کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی اور ریشمی رومال، تحریک خلافت، اور تحریک علی گڑھ کے توسل سے مسلم لیگ تک پہنچی جو قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔

برصغیر کی مقامی آبادی جو زیادہ تر ہندوؤں، بدھوں اور سکھوں پر مشتمل تھی رفتہ رفتہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتی رہی اور اس خطے میں مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بالخصوص برصغیر کے جنوب مشرق اور شمال مغربی حصے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی اسلامی عقائد و تعلیمات کے نتیجے میں ہر مسلمان اپنے نظریہ حیات یعنی دین اسلام کی حفاظت کا عہد کرتا رہا اور اپنے گرد دینی ماحول پیدا کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہا۔

یوں نظریہ اسلام نسل در نسل مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا گیا۔ نظریہ اسلام ہی آگے چل کر نظریہ پاکستان بنا اس لئے گویا نظریہ پاکستان کا محمل اور اک بذات خود افواج پاکستان کی تربیت کا ایک سرچشمہ ہے۔ لہذا مناسب ہو گا کہ نظریہ پاکستان اور اس کے ارتقاء کا تفصیلی تذکرہ کیا جائے۔

1- نظریہ پاکستان کا ارتقاء اور عساکر پر اس کے اثرات :

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا یہ احساس ان میں ابتداء ہی سے موجود رہا ہے۔ کہ وہ ہندوؤں سے قطعی طور پر علیحدہ ایک قوم ہیں۔ اس دو قومی نظریہ کا ایک طویل تاریخی پس منظر ہے کہ جب اس سرزمین پر پہلا مسلمان وارد ہوا تو اس نے اپنے آپ کو یہاں کی ہر قوم کے فرد سے بالکل علیحدہ محسوس کیا۔ قائداعظمؒ نے ایک بار کہا تھا کہ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ اپنی قوم کا فرد نہ رہا۔ وہ ایک دوسری قوم کا فرد بن گیا۔ جس وقت سے اسلام

ہندوستاں میں آیا ہے۔ اس نے کسی نہ کسی انداز میں اپنے منفرد سیاسی اور تہذیبی وجود کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ حتیٰ کہ یہ کوشش تحریک پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ پاکستان کا قیام دراصل مسلمانوں کی اس طویل ہزار سالہ جدوجہد کا نتیجہ ہے جس کے تحت مسلمان ہر زمانے میں اپنی جداگانہ ہستی کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان کی اس انفرادیت کو مٹانے اور انھیں اپنے اندر ضم کرنے کی غرض سے ہندوؤں نے ان پر مختلف محاذوں سے حملہ کیا۔ ایک محاذ تو میدان جنگ تھا کہ وقت آنے پر وہ اپنی تمام فوجی قوتوں کو متحد کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں لے آتے تھے۔ محمد بن قاسم سے احمد شاہ ابدالی تک جس نے بھی ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا آغاز یا احیاء کیا اسے اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوؤں کا دوسرا محاذ سیاسی اور تہذیبی تھا۔ عملاً مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تسلیم کرنے کے باوجود ہندو ان کی جداگانہ حیثیت کو ماننے پر تیار نہ تھے۔ سیاسی میدان میں ہمیشہ ہندو مسلم بھائی چارے کا نعرہ گونجا اور دونوں کو ایک ہی قوم ثابت کرنے میں سارا زور صرف کر دیا گیا۔ مقصد صرف ایک تھا کہ اکثریت کے بل بوتے پر حکومت کے اختیارات ہندوؤں کے ہاتھ میں رہیں۔ اور مسلمان ان کے غلام بن جائیں ان کے نفرت انگیز رویہ نے کبھی اردو زبان کی مخالفت کا روپ دھارا اور کبھی گائے کے تحفظ کا، کسی نے مسلمانوں کو غیر ملکی حملہ آور قرار دے کر عرب لوٹ جانے کی تلقین کی اور کسی نے اس بات پر زور دیا کہ وہ اپنے مذہب، تاریخ، روایات اور تہذیب ہر شے کو ترک کر کے اپنے آپ کو ہندو قومیت میں جذب کر دیں۔ مسلمانوں نے اس صورت حال کا ہر موقع پر پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ ان کے لئے یہ مسئلہ انگریزی عہد میں زیادہ شدید صورت اختیار کر گیا تھا اب انگریز یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے زوال کی انتہا تک پہنچ جائیں۔ اس کی وجہ محض یہ نہ تھی کہ مسلمان یہاں کے سابق حکمران تھے۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ وہ دوسرے اسلامی ممالک کے ساتھ دینی اخوت کے رشتے سے بندھے ہوئے تھے۔ یہ رشتہ انگریزوں کے لئے بھی تشویش کا باعث بن سکتا تھا۔ چنانچہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ہندوستان میں اسلام ایک قوت نہ بن سکے۔ مسلمانوں کے سامنے ہندوؤں اور انگریزوں کے مشترکہ مقاصد پوری طرح نمایاں تھے۔ وہ محض ہندوستان میں بسنے والی ایک قوم کی

حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے قومی وجود کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے متعدد مرتبہ بغاوت کی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان کے ملی وجود کو غیر قوموں کے ساتھ اشتراک سے روکا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی قومی حیثیت کو مزید تقویت پہنچائی تھی۔ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے ایک طویل عرصہ تک دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کیا۔ جو ان کے پیرووں کے طفیل بیسویں صدی کے اوائل تک جاری رہا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں بھی مسلمان ہی پیش پیش تھے۔ بلکہ یہ انہی کے دم قدم سے شروع ہوئی تھی اور انہی کی تباہی پر ختم ہوئی۔ بعد میں بھی اسی اضطراب اور بے چینی کے نتیجے میں مسلمانوں نے اکثر مواقع پر اپنے اس مزاج کا مختلف تصورات آزادی اور ایک آزاد اسلامی مملکت تصور کی شکل میں اظہار کیا۔ اس طرح فی الحقیقت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر قرار داد پاکستان تک ایک ہی رویہ اور ایک ہی نظریہ مختلف صورتوں اور مختلف تحریکوں میں کارفرما رہا مسلمانوں کی سیاست برصغیر کی تاریخ میں ہمیشہ ایک متوازی راستے پر چلی ہے۔ اور کبھی ہندو سیاست کے جال میں گرفتار نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی ساری جدوجہد میں اسلام کے اس نظریے اور اس مزاج کا بار بار اظہار کیا کہ وہ غیروں کی غلامی کو کسی صورت قبول نہیں کر سکتے۔ پاکستان کا قیام دراصل اسی مزاج اور اسی نظریہ کی عملی صورت ہے۔

نظریہ پاکستان کا مفہوم آسان اور عام فہم انداز میں درج ذیل ہے۔

"برصغیر جنوبی ایشیا کی مسلم آبادی کا اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک ایسی آزاد اور خودمختار ریاست کے قیام کا مطالبہ جہاں وہ حاکمیت الٰہی کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی جداگانہ ثقافت اور قومی ورثے کو ترقی دے سکیں اور یہی احساس فکر ان کی پہچان بن جائے۔"[1]

2- پاکستان کی نظریاتی بنیادیں:

کارلائل نے کہا تھا "تاریخ کے سب سے بڑے جنگجو اور مجاہد نظریات ہی ہیں۔ اور وہ جنگ جو کسی نظریہ کے لئے نہ لڑی گئی ہو، بربریت کے سوا کچھ نہیں"[2] ہندی مسلمانوں نے بھی ایک نظریے کے لئے جنگ لڑی اور ان کی جدوجہد

---

[1] چودھری حبیب احمد، تحریک پاکستان، محمد اشرف پریس لاہور، 1966ء، ص:169

[2] W W Hunter, The Indian Musselman, Oxford University Press, Karachi, 1941, p 186

کے نتیجے میں انہیں ایک خطہ ارض ملا۔ جہاں وہ آزادانہ فضا میں اس نظریہ کو عملی شکل دینے کے قابل ہوئے یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، دراصل اسلامی نظریہ حیات ہی کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی اساسیات ہیں۔ یہ زیادہ دیر اور دور کی بات نہیں۔ جب برصغیر کے شہر، بستیاں اور قریے "لے کے رہیں گے پاکستان" کے ساتھ ساتھ "پاکستان کا مطلب کیا ۔۔۔ لا الہ الا اللہ" کے نعروں سے گونجتے رہے۔ گویا نظریہ اسلامی، مسلمانوں کی دل کی پکار تھا اور پاکستان کی بنیاد وطنی قومیت کی نفی اور نظریاتی قومیت کے اثبات پر رکھی گئی۔[۵۱]

اس نظریہ کو مسلمانوں نے اپنا قومی نصب العین بنایا اور ایک آزاد مسلم ریاست "پاکستان" وجود میں آئی، جو اسلامی نظریہ حیات، اسلامی تصور قومیت اور اسلامی ثقافت و قانون کے تحفظ کی علم بردار ہے۔ جو اسلامی شریعت، اسلامی تہذیب، اسلامی اقدار اور اسلامی طرز زندگی کی ترویج و اشاعت کی ذمہ دار ہے۔ بانی پاکستان کا یہ فرمان مطالبہ پاکستان کی روح تک پہنچنے کے لئے کافی ہے :

"پاکستان کا منشاء حصول استقلال و آزادی ہی نہیں بلکہ اسلامی نظریہ حیات اور اس کا تحفظ ہے۔"[۵۲]

اسعد گیلانی لکھتے ہیں۔

جس طرح تمام امتوں میں سے چن کر امت مسلمہ کو علیحدہ کیا گیا ہے اور اس کی یوں علیحدگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی کو مٹائے۔ اسی طرح ہندوستان میں سے کاٹ کر ملت مسلمہ نے یہ خطہ علیحدہ ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ یہاں اپنے فریضے (اسلامی نظام حیات کا نفاذ) کو آزادی سے انجام دے سکے"[۵۳]

شہید ملت لیاقت علی خاں نے بھی اپنی سیاسی زندگی کا بیشتر حصہ، پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں گزارا۔ آپ کی تقاریر سے کچھ الفاظ مختصراً درج کئے جاتے ہیں :

"پاکستان ہماری ایک تجربہ گاہ ہے اور ہم دنیا کو دکھائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کارآمد ہیں" نیز یہ کہ "پاکستان اس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے کہ تاکہ دنیا کو اسلامی اصولوں پر قائم شدہ ریاست کا

---

[۵۱] Sayings of Quaid I Azam Muhammad Ali Jinnah, Edited by Rizwan Ahmad, Pakistan Movement Research Centre, Karachi, 1974, P.58

[۵۲] Quaid I Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan, 1947 48, Ferozsons Ltd, Karachi, P.22

[۵۳] خورشید احمد، چراغ راہ، نظریہ پاکستان نمبر، کراچی، 1960ء، ص: 220

نمونہ دکھایا جا سکے۔"

3- علامہ محمد اقبال کے ارشادات اور عساکر کی ذہنی تربیت:

علامہ محمد اقبال علیحدہ مسلم ریاست کے قیام پر زور دیتے تھے۔ جس میں مسلمان اپنے عقیدے اور دین کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اس کا مطالبہ ایک سیاسی جماعت کے پلیٹ فارم سے کیا اور یوں فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان ایک ریاست میں مدغم ہو جائیں۔ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ برطانوی حکومت کے اندر رہتے ہوئے یا باہر، خود مختاری کا اصول اور شمال مغربی علاقوں میں ایک مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کا مقدر بن گیا ہے"[51]

علامہ محمد اقبال نے اپنے ایک خط میں قائداعظم کو لکھا کہ ایک علیحدہ اور خود مختار اسلامی ریاست کا قیام بہت ضروری ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"جو قوم اپنا ملک نہیں رکھتی۔ وہ اپنے مذہب اور تہذیب کو برقرار نہیں رکھ سکتی۔ دین و تہذیب، حکومت و شرکت سے زندہ ہیں"۔[52]

ایک موقع پر علامہ محمد اقبال نے فرمایا۔

"قوم کو چاہئے کہ وہ مادیت کو ترک کر کے روحانیت کو اپنائے کیونکہ مادیت اندھیرا اور روحانیت (نظریہ) روشنی ہے۔[53]

تحریک پاکستان کے دوران علامہ محمد اقبال کے یہ ارشادات عساکر ہند کے مسلم حصہ کو ذہنی طور پر ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام اور پھر اس کے ذریعے دین اسلام کی خدمت کرنے کے لئے تیار کرتے رہے۔

4- بانی پاکستان کے ارشادات اور عساکر کی ذہنی تربیت:

قائداعظم محمد علی جناح اس مملکت خداداد کے بانی ہیں۔ یہ دنیا میں واحد مملکت ہے جو کسی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں

---

[51] سید حسن ریاض، پاکستان ناگزیر تھا، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، 1982، ص:248

[52] محمد جہانگیر عالم، اقبال کے خطوط جناح کے نام، دائرہ معارف اقبال، فیصل آباد، 1995، ص 71

[53] نفس المصدر، ص:75

آئی۔ اس نظریاتی مملکت کے اغراض و مقاصد اور نظام حکومت کو اس کے بانی کے نظریات کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کے پیش نظر اس علیحدہ اور خود مختار مملکت کے کیا مقاصد تھے۔ قائداعظم" قیام پاکستان کی جدوجہد میں ایک قائد کی طرح سرگرم عمل رہے۔ ان کے درج ذیل ارشادات جہاں نظریہ پاکستان کو واضح کرتے ہیں۔ وہاں عساکر اسلام کی ذہنی تربیت کا بھی ذریعہ بنتے رہے جو بعد میں عساکر پاکستان کی شکل میں یکجا ہوئے۔

الف۔ جداگانہ قومیت کا تصور:

لاہور میں مارچ 1940ء کو تاریخ ساز اجلاس میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

"قومیت کی جو بھی تعریف کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم ہیں۔ لہٰذا وہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی اپنی الگ مملکت ہو۔ جہاں وہ اپنے عقائد کے مطابق معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی بسر کر سکیں۔"[۱۵]

ب۔ قرآن کی جامعیت:

مسلمانان ہند کے نام 1945ء میں عید کے موقع پر ایک پیغام میں فرمایا۔

"ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادت اور اخلاقیات تک ہی محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین، ایمان اور قانون حیات ہے۔ یعنی مذہبی، تمدنی، معاشرتی، تجارتی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔"[۱۶]

ج۔ رسول خدا ﷺ کی عظمت:

قائداعظم 25 جنوری 1948ء کو کراچی میں بار ایسوسی ایشن سے خطاب کر رہے تھے، انہوں نے رسول خدا کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا "رسول خدا ﷺ عظیم مصلح تھے۔ عظیم راہنما تھے، عظیم واضع قانون تھے۔ عظیم سیاستدان تھے، عظیم حکمران تھے"[۱۷]

---

۱۵ Sayings of Qua.d.i Azam Muhammad Ali Jinnah, Edited by Rizwan Ahmad, Pakistan Movement Research Centre, Karachi, 1974, P.49

۱۶ --- Do --- P.22

۱۷ --- Do --- P.23

د- اسلامی نظام حکومت:

8 مارچ 1944ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کو خطاب کے دوران فرمایا۔

"آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی کیا وجہ تھی؟ تقسیم کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری اور نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔ راہنمائی کے لئے ہمارے پاس اسلام کی عظیم الشان شریعت موجود ہے۔ درخشاں کارنامے، تاریخی کامیابیاں اور روایات موجود ہیں۔ اسلام ہر شخص سے امید رکھتا ہے کہ وہ اپنا فرض بجالائے۔"[1]

ھ- پاکستان ---- اسلامی نظام کی عملی تجربہ گاہ:

قائداعظمؒ نے 13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"[2]

و- اسلامی جمہوری طرز حکومت:

قائداعظمؒ نے مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی جمہوری طرز حکومت کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ بلوچستان میں 14 فروری 1948ء کو ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر ہے۔ جو ہمارے عظیم واضع قانون دان، پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے وضع کیا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔ اسلام کا سبق یہ ہے کہ مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے باہمی بحث و تمحیص اور مشوروں سے کیا کریں۔"[3]

---

[1] Sayings of Quaid I Azam Muhammad Ali Jinnah, Edited by Rizwan Ahmed, Pakistan Movement Research Centre, Karachi, 1974, P 58

[2] Quaid-I-Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan, 1947-48, Ferozsons Ltd, Karachi, P 22

[3] --- Do --- P 56

ز۔ مسلم تہذیب و تمدن کی حفاظت:

قائداعظم نے فوجی افسران سے خطاب کرتے ہوئے اکتوبر 1947ء میں فرمایا۔

"ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک مملکت کی تخلیق کریں۔ جہاں آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں۔ جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح پنپنے کا موقع مل سکے۔"[1]

ح۔ اسلامی نظام معیشت:

یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر فرمایا۔ "اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظریہ اور نظام اختیار کیا تو عوام کی خوشحالی حاصل کرنے میں ہمیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانا پڑے گی۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایک معاشی نظام پیش کرنا ہے۔ جو انسانی مساوات اور معاشی انصاف کے سچے اصولوں پر قائم ہو۔"[2]

ط۔ اللہ کی حاکمیت:

قرار داد پاکستان کی بنیاد پر ہی پاکستان کا آئین تشکیل پائے گا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا۔

"حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ لیکن پاکستان میں عوام اسے قرآن و سنت کے مطابق عمل میں لائیں گے۔ جمہوریت، آزادی و مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"[3]

ی۔ نسلی و لسانی تعصبات کی مذمت:

کسی نظریہ کے لئے نسلی اور گروہی تعصبات سم قاتل ہوا کرتے ہیں۔ قائداعظم نے مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے اس کی مذمت کی۔

---

[1] Quaid-i-Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan 1947-48, Ferozsons Ltd, Karachi, P.22

[2] ---Do---P.154

[3] Sayings of Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah, Edited by Rizwan Ahmad, Pakistan Movement Research Centre, Karachi, 1974, P.69

"میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ کیا آپ وہ سبق بھول گئے ہیں جو اسلام نے تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا تھا۔ یہ کہنے کا آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی ہیں، سندھی ہیں، پٹھان ہیں۔ ہم تو بس مسلمان ہیں۔"[61]

گویا یوں قائداعظم محمد علی جناح کے یہ ارشادات عساکر کے لئے نظریہ پاکستان کو واضح کرتے رہے۔ انہیں آزادی میں اپنا حصہ ڈالنے کے لئے تیار کرتے رہے اور آزادی کے اعلان کے بعد پاکستانی فوج کو اختیار کرنے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ تھا مسلم افواج کی اکثریت نے پاکستان ہی میں سکونت اختیار کرنے اور پاکستانی فوج کا ہی حصہ بننا پسند کیا۔

فصل سوم ---- عساکر کی تربیت میں مکاتب و مساجد کا کردار:

مسلم معاشرہ میں دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کا نظام زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے گروہوں سے یکساں ہے۔ عساکر کے لئے بھی وہی نظام ہے۔ جس کی بنیاد عقائد، ارکان اسلام اور اسوہ حسنہ پر ہے۔ اس نظام میں تعلیم و علم کا بالخصوص اہتمام کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ :

"خیرکم من تعلم القرآن و علمہ"[62]

کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے

یہی حکم عساکر اسلام کے لئے بھی ہے۔ اس نظام کو سمجھنے کے لئے برصغیر کے تعلیمی اداروں یعنی مکاتب و مساجد کے کردار کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔ تاکہ اس کی روشنی میں آگے چل کر پاکستانی سپاہ کی تربیت کے لئے راہنما اصول مرتب کئے جا سکیں۔

1- تعلیم اور عساکر کی نظریاتی تربیت:

تعلیم کا بنیادی خیال جو پورے نظام تعلیم پر حاوی ہونا چاہئے یہ ہے کہ تعلیم اس کوشش کا نام ہے جو بچوں کے

---

61 Quaid I Azam Mahomed Ali Jinnah. Speeches as Governor General of Pakistan, 1947 48, Ferozsons Ltd, Karachi, P 104

62 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، سعید ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، 56/3

و ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 543/1

والدین اور سرپرست اس نظریہ حیات پر (جس پر وہ عقیدہ رکھتے ہیں) اپنی نئی نسل کو تیار کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ "مدرسہ" کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان روحانی طاقتوں کو جو اس نظریہ حیات سے وابستہ ہیں، طالب علم پر اثر ڈالنے کا موقع دے اور وہ طالب علم کو ایسی تربیت دے جو اس قوم کی زندگی کے تسلسل و ترقی میں طالب علم کی دستگیری کرنے اور اس کے ذریعہ وہ مستقبل کی طرف اپنا سفر جاری رکھ سکے۔

تعلیم کا اصل فرض یہ ہے کہ وہ کسی قوم کے معتقدات، مقاصد، علمی و تہذیبی سرمایہ نیز ان چیزوں کو جو اسے عزیز ہیں مثلاً اقدار، تصورات و افکار اور اسلاف سے ملنے والا ذخیرہ ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ پیدا کرے اور قوم کی نئی نسل بالخصوص عساکر کی طرف اس ذخیرہ کو منتقل کرے جو اس کو عزیز ہے اور جس پر اس کے اسلاف کی بہترین طاقتیں اور طویل ترین مدت صرف ہوئی ہے اور جن کے لئے بعض اوقات وہ قوم نبرد آزما ہوئی اور انہوں نے اپنی عزت کی، آبرو کی بازی لگادی ہے۔ تعلیم یہ سرمایہ نہ صرف منتقل کرے اور طوطے کی طرح اس کا رٹا دے بلکہ اس کو اس کے قلب و دماغ میں جاگزیں کر دے۔ اس کا ذہن، اس کا ذوق اس کو قبول کر لے اور جذب کر لے وہ اس کے لئے خارجی اور اجنبی چیز نہ ہو بلکہ وہ اس کے لئے ایک داخلی چیز بن جائے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مزاج بن جائے۔[1] یہی نظریاتی تربیت اور تعلیم کی اہمیت مسلمان سپاہی کو مکاتب و مساجد کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

2- نظریاتی تربیت میں مکاتب کا کردار:

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور اسلام کا شعوری تعارف ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔ محمد بن قاسم نے سندھ بشمول، ملتان اور جنوبی پنجاب کو اسلام سے روشناس کیا۔ دسویں صدی عیسوی میں ترک مسلمانوں کی پیش قدمی نے شمالی ہندوستان کے دروازے کھول دیئے۔ قنوج، کانجر اور سومنات تک غزنوی فتوحات کے پھیلاؤ نے اسلام کے نفوذ کا ایک نادر موقع فراہم کیا۔

---

[1] ابوالحسن علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1979ء، ص: 84-85

اسلام کے اثرات اور رسول عربی ﷺ کی عظمت کو گبن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"محمد ﷺ کا دین شک و شبہات اور ابہام سے پاک ہے اور قرآن اللہ کی وحدانیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ محمد ﷺ کا پیغام عقل اور الہام کے اصول کی تصدیق کرتا ہے۔ انہوں نے انبیاء ما قبل کو وہی مقام دیا جو اپنے آپ کو دیا اور یہ سلسلہ آدم سے قرآن تک بالالتزام قائم ہے۔ محمد ﷺ کی ذہانت ہماری تعریف کی مستحق ہے۔ اور ان کی کامرانیاں ہمارے ذوق استحسان پر گہرا اثر چھوڑ جاتی ہیں۔"[1]

ہندوستان میں عمومی تعلیم کی کوئی روایت نہ تھی جب کہ اس کے برعکس مسلمانوں کا تمدنی مزاج مختلف تھا۔ علم کی تحصیل ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض تھی۔ اس پر کوئی طبقاتی اجارہ داری نہ تھی۔ جو علم حاصل کرنا چاہتا" وہ علم حاصل کر سکتا تھا اور یہ بات کچھ اس دور کے لئے مخصوص نہ تھی۔ علم کی تحصیل مسلمانوں پر آج بھی فرض ہے۔ اور جب تک یہ دنیا باقی ہے۔ یہ فرض بدستور فرض رہے گا۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے ہندوؤں کی علم پر طبقاتی اجارہ داری کو توڑ ڈالا اور تعلیم کو اس دور کے مزاج کے مطابق ہر باصلاحیت فرد کے لئے عام کر دیا۔ اس زمانے میں موجود منظم نظام تعلیم صورت پذیر نہ ہوا تھا۔ لیکن اس کی افادیت سے کبھی صرف نظر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ سلاطین امراء علماء اور اہل ثروت نے انفرادی اور اجتماعی کوششیں جاری رکھیں۔ اس دور کا مسلمان قرآن اور قرآنی تعلیمات کے بہت قریب تھا اور اس نے حصول علم کو اپنا فرض سمجھا۔ اس قومی مزاج کی وجہ سے دور غزنہ کے مسلمانوں نے علم و حکمت کے فروغ میں بھرپور حصہ لیا اور یقیناً بعد کے ادوار کے لئے علم کی نئی راہیں کھول دیں۔ دور غزنی کو ہندوستان میں مدارس و مکاتب کے قیام کی روایت کا نقطہ آغاز قرار دیتے ہوئے، مولانا ندوی لکھتے ہیں۔

"مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا عام مذاق پیدا ہو گیا تھا۔" سلطان محمود غزنوی اور اس کے امراء کے توسط سے ابتداً یہ طریقہ ہندوستان میں داخل ہوا اور بعد کو رفتہ رفتہ عام طور پر رواج پا گیا۔"[2]

"دارالعلوم دیو بند" دراصل شاہ ولی اللہ کے نظریہ کا ترجمان تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ولی اللہی

---

[1] Gibbon, Edward, The Decline and Fall of the Roman Empire, Horcost Brace and Co, New York, 1960, P 649

[2] ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم درسگاہیں، اردو بازار الیکٹرک پریس، ہال بازار، امرتسر، 1972ء، ص 19

تحریک دو حصوں میں بٹ گئی۔ ان میں ایک جماعت ایسی تھی۔ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف فکری جہاد کا فیصلہ کیا۔ مولانا قاسم نانوتوی اس گروہ کے سرخیل تھے۔ جنہوں نے 1867ء میں سہارنپور کے ایک قصبہ دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے اسلامی علوم کی اشاعت میں اہم رول ادا کیا۔ اس ادارے کے مشن کے بارے میں عبدالکریم عابد لکھتے ہیں۔ "دیوبند علماء کے مدارس و مکاتب نے نہ صرف تعلیم کو عام کیا بلکہ آزادی کی جنگ کے مجاہد، پان اسلام ازم کے علمبردار اور ملی تہذیب کے محافظ پیدا کئے ---- دیوبند علماء نے بڑا کام کیا اور یہ کام شاہ ولی اللہ کی تعلیمی تحریک کا ثمر تھا۔"[1]

سرسید اس بات کے قائل تھے کہ تعلیم جدید کے ساتھ اسلامی علوم و تہذیب کی حفاظت بھی لازم ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب مسلمان بچوں کی تعلیم کا انتظام خود مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور مسلمانوں کی درسگاہ کا نصاب، ان کے دینی مزاج سے مطابقت رکھتا ہو۔ سرسید واقعی ایک ایسا ادارہ بنانا چاہتے تھے جس میں مسلمان زبان اور علوم انگریزی حاصل کریں۔ اور اس کے ساتھ دینیات میں بھی دسترس حاصل کریں۔ 1875ء میں گھاس پھونس کے ایک نیم پختہ بنگلے میں دارالعلوم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ 1877ء میں اسے کالج اور 1920ء میں یونیورسٹی کا درجہ ملا اور یہ مسلمانوں کا اتنا بڑا ادارہ بن گیا کہ قائداعظم نے اسے اسلامی ہند کا اسلحہ خانہ اور اس کے طلبہ کو بہترین سپاہی قرار دیا۔

سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو ایک مرکز علی گڑھ بھی دیا تاکہ وہ اپنی قوم کے احیاء کی تمام کوششیں ایک مرکز سے کر سکیں۔ علی گڑھ مسلم تہذیب و تمدن اور مسلم قومیت کے احیاء کا مرکز بن گیا۔ پاکستان حاصل کرنے میں علی گڑھ کے طلبہ اور اساتذہ نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔[2]

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے بنیادی مقاصد دو تھے۔ مسلم ثقافت کا احیاء اور تربیت کردار، اس ادارے نے دینی علوم اور جدید علم کی پیوند کاری سے ایک نظام تعلیم تیار کیا جس میں دنیا کو دین کے تابع رکھنے کی صورت نکلے۔ 1921ء میں حکیم اجمل خان نے جامعہ کے جامع تعلیمی پروگرام کے بارے میں اپنی تقریر میں فرمایا۔

---

[1] محمد سعید، حکیم، (مرتب) نظریہ و فلسفہ اسلامی، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، 1984ء، 102/1

[2] شبیر احمد، تعلیم کی کہانی، کتابت اکیڈمی، کراچی، 1974ء، ص: 431

"جدید ملی تعلیم کا مقصد ایسے مسلمان پیدا کرنا ہے جو اپنے مذہب سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ اس پر سختی سے عامل بھی ہوں۔ جو جدید علوم سے واقف ہوں، لیکن نمونہ ہوں اسلامی زندگی کا۔ جو اپنی روزی کمانے میں کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ایک خوددار مسلمان کی طرح زندگی بسر کر سکیں۔ چونکہ یہ ملت قرآن سے زندہ ہے، اس لئے ہم نے تعلیم قرآن کو اپنے نظام تعلیم میں مرکزی حیثیت دی اور تمام دیگر علوم جدید کو قرآن اور اسلام کا خادم بنایا۔"[91]

امام غزالی علوم کی اہمیت گھٹانے بڑھانے والوں کے لئے ایک مثال کے ذریعہ صحیح انداز فکر کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔ کہ "حاملین علم کی مثال ان فوجیوں کی ہے۔ جو سرحد کی حفاظت اور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو لڑتے ہیں، بعض دوسروں کے مددگار بنتے ہیں۔ کچھ پانی پلاتے ہیں اور کچھ سواریوں کی خدمت اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو ثواب ملے گا بشرطیکہ اس کی نیت اللہ تعالی کا بول بالا کرنا ہو، لوٹ کا مال سمیٹنا نہ ہو۔"[92]

سلیم احمد، تعلیم کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "پاکستان کو اگر نظریاتی مملکت کی حیثیت سے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا ہے تو اسے اولین اہمیت اس کام کو دینا پڑے گی۔ اور اپنے پورے وسائل کے ساتھ ایسے ادارے قائم کرنا پڑیں گے جو ایک طرف ایسے لوگوں پر مشتمل ہوں جو مذہب کا صحیح اور مستند علم رکھتے ہوں۔ اور دوسری طرف ایسے لوگوں پر مبنی ہوں جو جدید ذہن کے مسائل کو سمجھتے ہوں۔[93]

3- عملی زندگی میں مساجد کا کردار:

تاریخ شاہد ہے کہ مسجد اسلامی معاشرے کے مستقل اور مرکزی ادارے کے طور پر ہر اسلامی دور میں اہم رہی ہے۔ مسجد صرف ایک عبادت خانہ ہی نہیں بلکہ دربار، عدالت، مقام مشاورت، مکتب، اقامت گاہ، کتب خانہ، مطب، فنون لطیفہ کی نمائش گاہ اور اعلانات کے مرکز کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔ یہ اخلاق ساز ادارہ دینی اور دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص رہا ہے۔ اسلام نے حصول علم کو زندگی کی اساس قرار دیا۔ مسلمانوں کے لئے اسے فرض عین

---

[91] محمد سعید، حکیم، (مرتب) نظریہ و فلسفہ تعلیم اسلامی، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، 1985ء، 147/2

[92] ہارون، عبدالسلام، تہذیب احیاء العلوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1986ء، ص 44

[93] احمد سلیم، اسلامی نظام مسائل اور تجزیے، سلیم احمد ٹرسٹ، کراچی، 1980ء، ص:147

قرار دیا ہے۔ دین مصطفیٰ ﷺ نے علم کو جتنی عزت اور فضیلت دی ہے۔ دنیا کے کسی اور مذہب یا نظام فکر نے نہیں دی۔ حضور اکرم ﷺ مسجد کی عظمت اور اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

"جب لوگ اللہ کے کسی گھر میں جمع ہوتے ہیں، اس لئے کہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کریں اور درس و تدریس میں مشغول ہوں تو ان پر قلبی سکون نازل ہوتا ہے۔ رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ فرشتے ان کو گھیرے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کی مجلس میں ان کا ذکر کرتا ہے۔"[1]

اس حدیث سے مسجد اور تعلیم کا رابطہ واضح ہو جاتا ہے۔ مسجد کی پاکیزہ فضاؤں میں جو لوگ تدریس تعلیم کے عمل میں معروف رہتے ہیں، ان کے دل پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور وہ اتنے معتبر ہو جاتے ہیں کہ خدا کی ذات ان کا ذکر کرتی ہے اور وہ فرشتوں کے پروں کی چھاؤں میں کار تعلیم انجام دیتے ہیں۔ مسجد کے اندر تعلیم حاصل کرنے والے طلباء حصول علم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی پاتے ہیں۔ اس کی واحد وجہ مسجد کی اللہ سے نسبت خاص کا ہونا ہے۔ خدا کے گھر میں تعلیم پانے والے طلبہ، مسجد کی تقدیس کو قائم رکھتے ہیں اور برائیوں سے بچتے ہیں، نتیجہ یہ کہ وہ صالح مسلمان بن کر صالح معاشرے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ مسجد میں طویل عرصہ گزارنے اور علم و عبادت کو ساتھ ساتھ نبھانے کا اثر طلبہ پر یہ ہوتا ہے کہ بعد والی زندگی میں بھی وہ مسجد سے رشتہ قائم رکھتے ہیں اور اپنے جذبات عبودیت کا اظہار خوش اسلوبی سے کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ مسجد سے دوہرا فیض پاتے ہیں ---- علم کا حصول بھی اور خدا کی خوشنودی کی نعمت بھی ---- پھر مسجد ایسا مقام ہے جہاں جاتے ہوئے مسلمانوں کو کبھی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ اگر خانہ خدا میں تعلیم کا اہتمام بھی ہو تو ہر عمر اور ہر طبقے کا مسلمان وہاں جا کر اپنی استطاعت اور توفیق کے مطابق علم حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تاریخی صداقت ہے کہ مسجد نے ہر عمر کے مسلمان کی تعلیم کا اہتمام کر کے، صدیوں ملی خدمات انجام دی ہیں۔ اور اسلامی معاشرے میں خواندگی کی شرح میں اضافہ کیا ہے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں "اصحاب صفہ اگرچہ اس قدر مفلس و نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ

---

[1] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 543/1

نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔ تاہم یہ لوگ ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ جنگل میں جاکر لکڑیاں چن لاتے تھے ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے اور آدھا اخوان طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم و تدریس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا تھا۔"[۹۱]

مسجد نبوی محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی بلکہ اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ اور دنیا کی پہلی اسلامی یونیورسٹی تھی۔ پھر اس مسجد کے نمونے پر وقت کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعمیر ہوتی چلی گئی۔ اور تمام عالم اسلام میں ان گنت مسجدیں علوم کی ترسیل کا کام انجام دینے لگیں۔ مساجد کی تعداد میں تیزی سے اضافہ کے رجحان کا ذکر احمد شبلی یوں کرتے ہیں۔

"جہاں کہیں اسلام پھیلتا جاتا تھا مسجد کی بنا لازمی تھی اور ہر مفتوحہ مقام پر اور ہر نئے شہر میں مسجد بھی جلد از جلد تعمیر کر دی جاتی تھی ۔۔۔۔ چنانچہ مساجد کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ یعقوبی کا دعویٰ ہے کہ اس نے تیسری صدی ہجری میں صرف بغداد میں تیس ہزار مساجد کا شمار کیا۔۔۔۔ ابن جبیر (متوفی 614ھ) کا قول ہے کہ صرف سکندریہ میں بارہ ہزار مساجد تھیں۔[۹۲] دیبل میں محمد بن قاسم نے پہلی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ اور وہاں چار ہزار عربوں کو آباد کیا۔ اس کے بعد نیرون، برہمن آباد اور ملتان میں ہر اہم مقام پر مسجد تعمیر کی اور عربوں کی نو آبادیاں قائم کیں۔ تاکہ ان سے اسلامی زندگی پیدا ہو اور اس کی خوبیاں دیکھ کر لوگوں میں اسلام مقبول ہو۔

پہلی قومی تعلیمی کانفرنس 1947ء کے نام قائداعظم نے جو پیغام بھیجا تھا۔ اس میں انہوں نے دین اور تاریخ اسلام کے پہلوؤں سے نظام تعلیم کی اصلاح کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ۔

"تعلیم خصوصاً صحیح قسم کی تعلیم کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔ ایک صدی سے زائد عرصے کے نو آبادیاتی تسلط کے دوران میں ہمارے عوام کی تعلیم پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ س لئے اگر ہم کم از کم وقت میں حقیقی ترقی کے خواہاں ہیں تو ہمیں اس مسئلے کے حل کی طرف سنجیدگی سے عمل پیرا ہونا چاہئے اور ہمیں اپنی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو اپنے عوام کی آراء سے ہم آہنگ کرنا چاہئے اور نئے دور کے حالات و تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے

---

[۹۱] شبلی نعمانی علامہ، الغزالی، ایم ثناء اللہ پبلشرز، لاہور، 1961ء

[۹۲] احمد شبلی، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان، لاہور، 1963ء، ص 47-48

نظام تعلیم کو اپنی تاریخ اور ثقافت سے ہم آہنگ کرنا چاہئے۔"[سلہ]

آج نظریہ پاکستان کی اشاعت اور اس کے پرچار کے لئے سب سے قوی، موثر، معتبر اور مستقل وسیلہ تعلیم ہی بنتا ہے۔ ہم تعلیم ہی کے ذریعے قوم کے بچوں اور جوانوں کے کردار کی تعمیر اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق کرسکتے ہیں۔ جوں جوں معاشرے، ایجادات و دریافت خزانوں سے معمور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ تعلیم کو مذہب سے مربوط رکھنے کی ضرورت بڑھتی جارہی۔ مسلمان مفکرین نے اپنے دور کی نمائندگی اور ذہنی قیادت کی اور زمانہ مابعد کی تعلیم اور خصوصاً پاکستانی تعلیم پر ان کے اثرات بہت گہرے رہے ہیں۔ امام غزالی، علامہ ابن خلدون، شاہ ولی اللہ، سرسید احمد خان، سید جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال سب نے قرآن و سنت ہی سے ہدایت اور روشنی حاصل کی اور ان کی فکر ایک ہی منبع نور سے مستنیر ہوئی۔

عساکر پاکستان نے چونکہ برصغیر کے مسلم معاشرے سے جنم لیا ہے اس لئے جو اثرات مکاتب و مساجد نے عام مسلمانوں پر چھوڑے ہیں وہی اثرات مسلم سپاہ پر بھی مرتب کئے ہیں۔ مسلم سپاہی چونکہ بلوغت کے بعد عساکر میں شامل ہوتا ہے اس لئے وہ مکاتب میں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر آتا ہے اور مسجد کے اعمال کے ذریعے اپنی شخصیت کو اسلامی سانچے میں حتی الوسع ڈھال کر آتا ہے۔ یوں عساکر کی تربیت میں مکاتب و مساجد بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

فصل چہارم ---- عساکر پاکستان کی تربیت میں کار فرما عوامل:

1- عساکر پاکستان کی عملی تربیت میں قائداعظمؒ کے خطابات کا حصہ:

قائداعظم محمد علی جناحؒ ایسے بلند پایہ مدبر اور صاحب بصیرت سیاست دانوں کی سوانح کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی سیاسی زندگی کے آغاز سے ہی دفاعی امور میں بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ عوامی اجتماعات ہوں یا قانون ساز اسمبلی کے اجلاس، قائداعظم نے اپنی تقریروں میں اکثر دفاع کو موضوع بنایا ہے۔ بانی پاکستان کی یہ خوبی بھی

[سلہ] Quaid - Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan. 1947 48, Ferozsons Ltd, Karachi, P:36

انہیں غیر منقسم ہندوستان کے اکثر راہنماؤں میں ممتاز کرتی ہے کہ ان کی نگاہیں مستقبل پر تھیں اور وہ مسلح افواج کے اہم کردار کے پیش نظر اس ادارے کو نظرانداز کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ ایک فوجی لیڈر کی حیثیت سے ان کی جدوجہد قومی زندگی کے ہر شعبہ پر محیط تھی۔ خصوصاً پہلی جنگ عظیم کے دوران اور بعد میں قائداعظم نے مسلسل غیر منقسم ہندوستان میں عسکری درس گاہوں کے قیام اور فوج کے ذمہ دار عہدوں پر مقامی افراد کی تعیناتی کا سوال بار بار اٹھایا۔

تحریک آزادی کے دوران انہوں نے مسلمان افسروں کو دیانتداری کے ساتھ اپنے پیشہ ورانہ فرائض ادا کرنے کی تلقین کی۔ تحریک پاکستان کے کٹھن لمحات میں بھی قائداعظم دفاعی معاملات میں بھرپور دلچسپی لیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ ہی افواج اور فوجی سازوسامان کی تقسیم کا بھی مطالبہ کر دیا۔ قائداعظم کی تجویز پر انگریز اور ہندو لیڈر خاصے سیخ پا ہوئے۔ وہ مشترکہ فوج کے خواب دیکھ رہے تھے۔ قائداعظم نے 30 اپریل 1947ء کو واضح اعلان کیا کہ "پاکستان کو اقتدار کا انتقال، افواج اور دفاعی سامان کی منصفانہ تقسیم کے بغیر ممکن ہی نہیں۔[1] پاکستان کے ایک چیف آف آرمی اسٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ نے فوجی نقطہ نگاہ سے قائداعظم کی بالغ نظری کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے کہ :

یعنی "یہ قائداعظم کی بالغ نظری اور بصیرت ہی تھی جس نے ہندو اور انگریز کی مشترکہ دشمنی پر مبنی اس سوچ اور اس منصوبہ کو کامیاب نہ ہونے دیا کہ ایک ہی آرمی کمانڈ اور ایک ہی کمانڈران چیف رہنے دیا جائے اور یوں پاکستان کو آزادی کے بعد بھی غلامی میں جکڑے رکھا جائے اور الگ تشخص میں حتی المقدور روڑے اٹکائے جائیں۔

قائداعظم نے دشمن کی اس چال کی گہرائی کو سمجھتے ہوئے بروقت اسے رد کر دیا اور پاکستان کے الگ تشخص اور آزادی کو یقینی بنایا۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد افواج کی تنظیم سب سے کٹھن مرحلہ تھا۔ فوج تو نام ہی "تنظیم" کا ہے۔ نظم و ضبط سے عاری دستے کسی ضابطے کے پابند نہیں رہتے۔ انگریز اور ہندو کی سازش یہ تھی کہ مسلمان فوجی دستوں کو ہتھیاروں سے محروم کر کے پاکستان بھیجا جائے۔ تاکہ پوری قوم ہی ذاتی اور اجتماعی بزدلی کا شکار ہو جائے۔ اس کے علاوہ مسلمان افسروں

---

[1] میجر صولت رضا، مسلح افواج پاکستان قائداعظم کی نظر میں، ہلال، ج 24، شمارہ 20، 12 اگست 87ء

اور دیگر عہدیداروں کو پاکستان کے مستقبل کے بارے میں بہکایا گیا۔ انھیں ترقی کے لالچ دیئے گئے۔ لیکن مسلح افواج کے مسلم ارکان نے پاکستان کو اپنی منزل قرار دے کر تحریک آزادی میں عملی شرکت کا اعلان کر دیا۔ وہ جلد از جلد ڈیوٹی پر رپورٹ کرنا چاہتے تھے اکثر ایسا ہوا کہ ہندوستان کی کسی چھاؤنی سے پاکستان آنے والے فوجی براہ راست اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے انہوں نے قواعد کے مطابق تعطیلات حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ قائداعظم کی بے لوث قیادت اور مقصد پر واضح یقین کا ثمر تھا۔[۵۱]

بانی پاکستان کو مسلح افواج کے تنظیمی مسائل کا احساس تھا۔ وہ مسلسل متعلقہ حکام سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے امور مملکت کی دیگر مصروفیات اور علالت کے باوجود مسلح افواج کی مختلف یونٹوں کے دورے کئے۔ انہوں نے افسروں اور جوانوں کو ان کی فوجی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے تحریک پاکستان کے دوران اور اس کے بعد کے ارشادات پاکستانی قوم کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ بالخصوص جن کا تعلق نظریہ پاکستان، دفاع پاکستان اور افواج پاکستان سے ہے وہ پاکستان سپاہ کے جوانوں اور افسروں کے لئے ایک لازوال حوصلے کا منبع ہے۔

یوں تو قائداعظم محمد علی جناح کی مسلح افواج میں گہری دلچسپی ان کی سیاسی زندگی کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی، حتیٰ کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے علیحدہ ملک کے خواب کو حقیقت کا روپ مل گیا۔ البتہ ان کی دلچسپی ان کی اس تمنا کے ساتھ عروج کو پہنچی کہ

"پاکستان کو ایک ناقابل تسخیر مضبوط ملک بنانا چاہیے۔"[۵۲]

انہوں نے فرمایا۔

"اللہ نے ہمیں ایک زبردست موقع عطا کیا ہے کہ ہم ایک نئی مملکت کے معماروں کی حیثیت سے اپنے جوہر دکھائیں۔ دیکھئے دنیا کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم اس عظیم کام کے اہل ثابت نہیں ہوئے۔"[۵۳]

قائداعظم محمد علی جناح کے افواج پاکستان سے مختلف مواقع پر خطابات بیک وقت سپاہ کے پیشہ ورانہ تربیت نیز دینی اور نظریاتی تربیت پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے چند اقتباسات تحریر کئے جاتے ہیں۔

---

[۵۱] Foreword by General Zia ul Haq to Quaid I Azam Speaks to the Defence Forces, Historical Section, Army Education Directorate, GHQ, Army Education Press, Centenary Year, 1976 P.(i)-(ii)

[۵۲] Quaid I Azam Speaks to the Defence Forces, Historical Section, Army Education Directorate, GHQ, Army Education Press, Centenary Year, 1976 P 5

[۵۳] .. Do. - P:18

الف۔ سپاہیانہ حمیت کا دامن نہ چھوڑنے کی تلقین:

پاکستان آرمڈ کور سنٹر نوشہرہ کے افسروں اور جوانوں سے 13 اپریل 1948ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"جماعت کی حمیت و عزت کا دامن کبھی نہ چھوڑیئے۔ یعنی اپنی رجمنٹ پر فخر، کور پر فخر اور اپنے ملک پاکستان پر فخر اور اس کے لئے یہی لگن۔ پاکستان آپ کے بل پر قائم ہے۔ اور آپ پر ملک کے محافظوں کی حیثیت سے پورا اعتماد رکھتا ہے۔ اس اعتماد کے لائق بنئے۔ یہ فوج آپ کے آباؤ اجداد ہی کی دلیری اور تندہی کی بدولت پروان چڑھی اور نیک نام ہوئی ہے عزم کیجئے کہ اب اس کے قابل فخر فرزند بنیں گے۔"[۱]

قائداعظمؒ کا یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کی ایک جھلک ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وللّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین[۲]

"اور عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے"

حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو غزوہ حنین میں جب مشرکین نے گھیر لیا تو آپؐ نے خود فخریہ انداز میں ارشاد فرمایا انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب[۳] کہ:

میں سچا پیغمبر ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اسی طرح ایک صحابی نے ایک کافر پر حملہ کیا اور شجاعانہ فخر و غرور کے لہجے میں فرمایا "انا ابن الاکوع"[۴] (میں ابن اکوع ہوں)۔

حافظ ابن حجرؒ اس فقرے کی شرح میں فرماتے ہیں۔ یہ "فقرہ اس فخر سے الگ ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ حالات کا اقتضاء یہی تھا اور وہ اس ناز و تلطف سے قریب ہے جو لڑائی میں جائز ہے اور دوسرے موقع پر جائز نہیں۔"[۵]

ب۔ حب الوطنی کو لازم پکڑنے اور عصبیت سے بلند رہنے کی نصیحت:

حب الوطنی کی تلقین کرتے ہوئے 14 اپریل 1948ء کو پشاور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا مملکت کا فرض پہلے ہے اور اپنے صوبے، اپنے ضلعے اور قصبے اور اپنے گاؤں کا فرض بعد میں آتا ہے، یاد رکھئے ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جو پوری اسلامی دنیا کی تقدیر بدل دینے میں اہم ترین کردار ادا کرنے والی ہے۔ اس لئے ہمیں وسیع تر اور بلند

---

[۱] Quaid I Azam Speaks to the Defence Forces, Historical Section, Army Education Directorate, GHQ, Army Education Press, Centenary Year, 1976 P.6

[۲] القرآن - 63 : 8 [۳] مسلم بن الحجاج الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1956ء، 113/2

[۴] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، قرآن محل، کراچی، 85/2

[۵] ابن حجر العسقلانی فتح الباری 114/6 و شبلی نعمانی سیرۃ النبی 260/6

تر بصیرت کی ضرورت ہے۔ ایسی بصیرت جو صوبائیت، قوم پرستی اور نسل پرستی کی حدود سے ماوراء ہے۔ ہم سب میں حب الوطنی کا ایسا شدید اور قوی جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو ہم سب کو ایک متحد اور مضبوط قوم کے رشتہ میں جکڑ دے۔

قائداعظم کا یہ خطبہ قرآن مجید کی ان آیات کریمہ کی عکاسی کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ [1]

اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا فرمایا۔

اور اسی طرح حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔

لیس منا من دعا الی عصبیۃ [2] یعنی جو عصبیت کی طرف بلاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ج۔ مجاہدانہ جذبہ برقرار رکھنے کی تاکید :

تاریخ کی روشنی میں نظریہ کی حفاظت پر زور دیتے ہوئے لاہور میں اکتوبر 1947ء کو فرمایا : آپ کا خمیر فولادی قوتوں سے اٹھا ہے اور ہمت کے معاملہ میں دنیا میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ پھر آپ آخر دوسروں کی طرح کامیاب کیوں نہیں ہو سکتے خاص طور پر اپنے آباؤ اجداد کی طرح کی کامیابی؟ آپ کو اپنی ذات میں فقط مجاہدوں کی سی سپرٹ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ایسی قوم ہیں جس کی تاریخ حیرت انگیز طور پر بلند کردار، بلند حوصلہ، شجاع اور اولوالعزم ہستیوں سے بھری پڑی ہے۔ اپنی روایات کی رسی مضبوطی سے تھام لیجئے اور اپنی تاریخ میں شان و شوکت کے ایک باب کا اضافہ کیجئے۔ [3]

قائداعظم کا یہ خطبہ قرآن مجید کی اس آیت شریفہ کا مظہر ہے۔

"والصٰبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون [4]

(اور باکمال ہیں وہ مجاہد) جو مصیبت اور سختی اور میدان کارزار میں ہمت سے کام لیتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا۔ فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل [5]

---

[1] القرآن۔ 1:4

[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، کتاب الادب، باب فی العصبیہ، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 1387ھ، 342/2

[3] Quaid I Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan, 1947 48. Ferozsons Ltd, Karachi, P-30

[4] القرآن۔ 177:2 [5] القرآن۔ 35:46

اے محمد ﷺ تو بھی اسی طرح پامردی کر جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے کی۔

قائداعظمؒ کی مندرجہ بالا تقریر قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہونے کی ایک شاندار مثال ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں مجاہدانہ سپرٹ پیدا کرنے کے لئے ملٹری کمانڈر کو ان الفاظ میں تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فقاتل فی سبیل اللّٰہ لا تکلف الا نفسک و حرض المؤمنین [1]

پس (اے محبوب ﷺ) آپ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ آپ اپنی ذات کے سوا اور کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں مگر آپ ایمان والوں کو (لڑائی کی) ترغیب ضرور دیتے رہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ جب مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے خلافت کے پہلے ہی دن مسلمانوں کو اہل فارس کے خلاف جہاد پر جانے کی ترغیب دی؟ آپ نے فرمایا۔

"کہاں ہیں وہ مہاجرین جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی ہے۔ اس سرزمین کی طرف قدم بڑھائیں جس کے وارث بنانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کل دینوں پر غالب کرے گا۔ کہاں ہیں اللہ کے نیک بندے! کہاں ہیں انصار؟ جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی اور ان کے دین کی مدد کی اور ان کے ساتھ کفار سے جہاد و قتال کرتے رہے۔ اس ملک کی طرف چلیں جس کو فتح کی رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے [2] اور وہ کام کریں جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان الفاظ سے خوشنودی فرمائی ہے۔

ان اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص [3]

یقیناً اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

د۔ شہسواروں والی جرات اور بردباری اختیار کرنے کی ترغیب:

تھرڈ آرمرڈ بریگیڈ رسالپور کے افسروں اور جوانوں سے خطاب میں 13 اپریل 1948ء کو بردباری کی یوں ترغیب

---

[1] القرآن - 4 : 84

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیۃ، لاہور، 121/8
و میجر (ر) شیخ غلام نصیر، وقت کی پکار ایمان اجہاد، جنگ پبلشرز، لاہور، 1994ء، ص 170

[3] القرآن - 61 : 4

دی۔ مجھے مسرت ہے کہ آج میں آپ سے آپ کے ہیڈ کوارٹر میں ملاقات کر رہا ہوں رسالپور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، ایک عرصے سے رسالہ فوج کا مسکن رہا ہے۔ صدیوں سے رسالہ فوج ہر قوم کی ممتاز و منتخب فوج سمجھی جاتی رہی ہے۔ اگرچہ آپ نے بھی وقت کے ساتھ ان دیو ہیکل مشینوں، ان ٹینکوں کو اپنے "راہواروں" کی جگہ دے دی ہے۔ لیکن قدیم رسالے کا شہسوار ثابت قدمی صبر و ضبط، حوصلہ مندی، بردباری اور تیزی و طراری کے جن شاندار اوصاف کا مظاہرہ کیا کرتا تھا وہ اب بھی آپ کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔

آپ کا بریگیڈ پاکستانی فوج میں بلکہ درحقیقت پوری اسلامی دنیا میں اپنی قسم کا واحد بریگیڈ ہے۔ آپ کی یہ منفرد حیثیت ایک ایسا شرف ہے جو دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت کے شایان شان ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں آپ کی فتوحات اور کارنامے اتنے مشہور و معروف ہیں کہ انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ منی پور روڈ سے رنگون کی طرف پیش قدمی میں آپ کا بریگیڈ برابر چودھویں فوج کا ہراول دستہ بنا رہا اور آپ کو مشہور زمانہ چودھویں فوج کا نشان پہننے کا اعزاز حاصل ہے وہ آپ کے دلیرانہ کارناموں کے شایان شان ہے مجھے اس میں قطعی شبہ نہیں کہ آپ کو کیسی ہی پر خطر ذمہ داری سونپی جائے آپ اس کے لئے ہمیشہ مستعد رہیں گے۔[41]

قائداعظم نے اپنے اس خطبہ میں ثابت قدمی اور صبر و ضبط اور حوصلہ مندی وغیرہ کا جو ذکر کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے مستفاد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یا ایها الذین آمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون ۰[42]

اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ نیز قائداعظم کا مندرجہ بالا خطاب حضور ﷺ کی اس حدیث شریف کی روشنی میں آتا ہے الخیل معقود فی نواصیها الخیر[43] اس حدیث میں گھوڑوں (جدید ترین سواریوں) کی پیشانیوں میں برکت ہے، کا ذکر ہے۔

۵۔ افواج کو ہمیشہ مستعد اور ثابت قدم رہنے کا حکم:

ملیر میں پانچویں ہیوی ایک ایک اور چھٹی لائٹ ایک ایک رجمنٹوں کے افسروں اور جوانوں سے خطاب میں ---

---

41. Quaid-i-Azam Speaks to the Defence Forces, Historical Section, Army Education Directorate, GHQ, Rawalpindi, P.12

42. القرآن - 45:8

43. البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، اصح المطابع، کراچی، 399/1

21 فروری 1948ء کو انہیں ہر چیلنج کے لئے تیار کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہم نے پاکستان کی آزادی کی جنگ جیت لی ہے۔ لیکن آزادی کی حفاظت اور ملک کو زیادہ ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر تعمیر کرنے کی دشوار تر جنگ ابھی جاری ہے اور اگر ہمیں ایک عظیم قوم بن کر زندہ رہنا ہے تو یہ جنگ اس وقت تک لڑنی پڑے گی کہ ہم فتح سے ہمکنار ہو جائیں۔ قدرت کا اٹل قانون ہے کہ

"وہی زندہ رہے گا جو زندہ رہنے کا سب سے زیادہ اہل ہے" اب آپ کو اپنی سرزمین کا محافظ بننا ہے تاکہ یہاں اسلامی جمہوریت، اسلامی سماجی انصاف اور انسانی مساوات قائم ہو اور نشوونما پاسکے۔ آپ کو چوکس رہنا ہے۔ بہت ہی چوکس۔ کیونکہ ابھی آرام کا وقت نہیں آیا۔ یاد رکھئے کوئی بھی قابل حصول چیز ایسی نہیں جسے آپ ایمان، تنظیم اور ادائے فرض کی بے لوث لگن کے بل پر حاصل نہ کرسکتے ہوں۔ اگر ہم اپنی قوم کی اجتماعی فلاح کے لئے قربانیاں دینے پر آمادہ ہیں تو ہم بہت جلد وہ مقاصد اور وہ منزل پالیں گے جو ہمارے سامنے ہیں۔ پاکستان زندہ باد!"؎

قائداعظم کا یہ خطبہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی عکاسی ہے۔

یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون ؎

اے ایمان والو! صبر سے کام لو (باطل پرستوں کے مقابلے میں) پامردی دکھاؤ اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

نیز دشمن کے مقابلے میں یہ صفات حاصل ہونا اتنی ضروری ہیں کہ ان کے لئے خصوصی دعائیں کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جیسے فرمایا۔

ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین ؎

اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر نصیب فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کفار پر غلبہ نصیب فرما۔

3۔ کمزوروں کی حفاظت و حمایت کرنے اور اسلام کی سربلندی کی تحریض:

15 اپریل 1948ء کو 2/15 پنجاب مشین گن رجمنٹ پشاور کو نشان عطا کرنے کے موقع پر یوں خطاب فرمایا۔

؎ Quaid i Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan, 1947 48, Ferozsons Ltd, Karachi, P-62

؎ القرآن۔ 3: 202

؎ القرآن۔ 2: 250

"میں چاہتا ہوں کہ آپ ان بلند مقاصد پر پورے اتریں جن کے لئے آپ نے از سرنو اپنے آپ کو وقف کیا ہے۔ یعنی پاکستان کی خدمت اور کمزوروں کی حفاظت و حمایت کے فریضے اور اپنے شہید ساتھیوں کی یاد تازہ رکھنے میں بھرپور حصہ لیں اور اس طرح اسلام کی عظمت و شان کو فروغ دیں"[۳۲] قائداعظم کی یہ تقریر قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا[۳۳]

"آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔" اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

وقتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للّٰہ[۳۴]

تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

ز۔ قوم کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی تربیت:

اسٹاف کالج کوئٹہ کے افسروں سے 14 جون 1948ء کو اس طرح خطاب فرمایا۔

"آپ اور پاکستان کی دوسری افواج پاکستانی قوم کی جان و مال اور عزت و آبرو کے محافظ ہیں۔ دفاعی افواج پاکستان کی دوسری تمام سروسوں سے زیادہ اہم ہیں۔ اسی نسبت سے آپ کی ذمہ داری بھی بہت گراں بار ہے۔

جو کچھ میں نے دیکھا اور اخذ کیا ہے اس کی بنا پر مجھے کوئی شبہ نہیں کہ فوج کا جذبہ و جوش زبردست ہے اور حوصلہ نہایت بلند اور یہ بات بڑی ہی حوصلہ افزا ہے کہ ہر افسر اور سپاہی خواہ وہ کسی نسل یا برادری سے تعلق رکھتا ہو۔ ایک سچے پاکستانی کی طرح کام کر رہا ہے۔ اگر آپ اسی جذبے کو برقرار رکھیں اور باہمی رفاقت سے سچے پاکستانیوں کی طرح کام

---

۳۲ Quaid I Azam Speaks to the Defence Forces, Historical Section, Army Education Directorate, GHQ, Army Education Press, Centenary Year, 1976, P 18 22

۳۳ القرآن۔ 75:4

۳۴ القرآن۔ 2 193

کرتے رہیں تو پاکستان کو کوئی خطرہ نہیں ڈرا سکتا"۔[51]

ایک اور موقع پر لاہور میں اکتوبر 1947ء میں فرمایا۔

"اپنے میں حوصلہ پیدا کیجئے۔ موت سے خوف نہ کھائیے۔ ہمارے مذہب نے ہی سکھایا ہے کہ ہمیشہ موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ پاکستان اور اسلام کی عزت بچانے کے لئے ہمیں موت کا مقابلہ بہادری سے کرنا چاہئے مسلمان کے لئے اس سے بہتر وسیلہ نجات اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ حق کی خاطر شہید کی موت مرے۔"[52]

قائداعظم نے اس خطبہ میں افواج پاکستان کو قوم کی جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ بات قرآن مجید کی اس آیت شریفہ کی روشنی میں کی ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم[53]

"اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں"

اور یہ اس حدیث کی روشنی میں ہے جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من قتل دون مالہ فھو شھید و عرضہ فھو شھید[54]

یعنی جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی عزت کی حفاظت کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے

ح۔ افواج پاکستان کو فرض کی پکار پر لبیک کہنے اور جہد مسلسل اختیار کرنے کی تلقین:

11 اکتوبر 1947ء کو کراچی میں حکومت پاکستان کے سول اور بری، بحری و ہوائی افواج کے افسروں کو فرض کی پکار پر لبیک کہنے کی تلقین کرتے ہوئے یوں خطاب کیا:

"قیام پاکستان جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے آج اللہ کے فضل سے ایک زندہ حقیقت بن چکا ہے۔ لیکن اپنی مملکت کا قیام بجائے خود ہمارا مقصود نہیں تھا بلکہ ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔۔۔۔ کیا وہ تمام قربانیاں جو ہم نے مقصد کی خاطر دی تھیں بے سود رہ جائیں گی؟ کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنے نقصانات کا سوگ ہی مناتے رہیں گے؟ یہ تو بالکل وہی طرز عمل ہو گا جو ہمارے دشمن ہمارے لئے چاہتے ہیں۔ اس طرح تو ہم انہی کے ہاتھوں میں کھیل جائیں گے اور جلد ہی وہ نوبت آجائے گی کہ ہم ان سے رحم و کرم کی التجا کر رہے ہوں گے۔ دشمنوں

---

[51] Quaid I Azam Speaks to the Defence Forces, Historical Section, Army Education Directorate, GHQ, Army Education Press, Centenary Year, 1976, P:30

[52] ---- Do ---- P;34

[53] القرآن - 190:2

[54] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، نعمانی کتب خانہ لاہور، 1981ء، 81/1

کی سازشوں کا بہترین جواب تو یہ ہے کہ ہم اپنی مملکت کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر اس طرح تعمیر کرنے کا پختہ عزم کر لیں کہ وہاں ہماری آئندہ نسلیں سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے ضرورت ہے محنت، محنت اور مزید محنت کی" [1]

قائداعظم کے یہ فرمودات گویا ارشادات ربانی کا اعادہ اور تذکرہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں جہد مسلسل کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے۔ وجاهدوا فی اللّٰہ حق جهاده [2] "اللہ کی راہ میں پوری پوری محنت کرو۔"

اس طرح محنت کی عظمت کے بارے میں ارشاد ہوا۔ لیس للانسان الا ماسعی [3] "ہر انسان کو اپنی محنت کے مطابق اس کا پھل ملے گا۔"

ط۔ اخلاق کی اہمیت پر زور:

قیام پاکستان کے تھوڑے عرصہ بعد ہی سرکاری افسروں کو کراچی میں 11 اکتوبر 1947ء کو خطاب کرتے ہوئے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر کام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ آپ میں سے اکثر کو جنگ کے زمانے میں شدید اعصابی دباؤ کی کیفیت سے سابقہ رہا ہے اور اب آپ کو کچھ سکون چاہئے۔ لیکن مت بھولئے کہ ہماری جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ ہمارے لئے تو جنگ اب شروع ہوئی ہے۔ اور اگر ہمیں اس میں فتح یاب ہونا ہے تو فوق الانسانی محنت سے کام کرنا ہوگا۔ یہ وقت ذاتی فائدوں اور ترقیوں کی فکر، اور جاہ و منصب کی دوڑ کا نہیں۔ یہ وقت ہے تعمیری جدوجہد کا، بے لوث کام کا، اور ادائے فرض کی مسلسل لگن کا۔" [4]

قائداعظمؒ نے اخلاص پر اس لئے زور دیا ہے ۔ کیونکہ اس کا حکم اللہ پاک نے دیا ہے۔ قرآن پاک میں سات موقعوں پر یہ فرمایا گیا ہے۔

---

[1] Quaid I Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan, 1947 48, Ferozsons Ltd, Karachi, P 22

[2] القرآن - 22 78   [3] القرآن - 53 39

[4] Quaid I Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan, 1947 48, Ferozsons Ltd, Karachi, P 23

مخلصین له الدین۔ "اطاعت گذاری کو خدا کے لئے خالص کر کے۔" اسی طرح سورۃ اللیل میں اخلاص کی یوں تاکید فرمائی گئی۔ الا ابتغاء وجه ربه الاعلیٰ یعنی "خدائے برتر کی ذات کی خوشنودی کے سوا کوئی غرض نہ ہو۔" حضور علیہ السلام نے بھی اس پر عمل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ قل ما اسئلکم علیه من اجر "کہہ دے کہ میں تمہاری اس راہنمائی پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔"

اسی طرح 14 فروری 1948ء میں سبی میں اقتران سے یوں خطاب کیا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دنیا میں آپ کے ضمیر سے بڑھ کر کوئی شے نہیں۔ جب آپ اپنے خدا کے حضور پیش ہوں تو آپ خود اعتمادی سے کہہ سکیں کہ مجھ پر جو فرائض عائد تھے وہ میں نے کامل دیانت، خلوص اور وفاداری کے ساتھ ادا کر دیئے۔ ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہتا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے۔ اتنا ہی زیادہ پاکیزہ خالص اور مضبوط قوم کی حیثیت میں ابھریں گے جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔"

اس خطبے میں آپ نے اپنے فرائض منصبی کی پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے کی اسلئے تلقین کی ہے کہ اس کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الی اهلها "بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی امانتیں (فرائض منصبی) اہل امانت کے سپرد کرو۔" حضور علیہ السلام نے بھی فرائض منصبی اچھی طرح ادا کرنے کی یوں تلقین فرمائی، لا دین لمن لا امانة له "جو اپنے فرائض منصبی اچھی طرح سے ادا نہیں کرتا وہ دین کامل نہیں رکھتا۔"

ی۔ دشمن سے مقابلہ کے لئے ہمہ تن چوکس رہنے کی تلقین:

23 جنوری 1948ء کو ایچ۔ ایم۔ پی۔ ایس "دلاور" کے عملے سے خطاب کرتے ہوئے دشمن سے مقابلہ کے لئے

القرآن - 98 5 القرآن - 92:20 القرآن - 38:86

Sayings of Quaid I Azam Muhammad Ali Jinnah, Edited by Rizwan Ahmad, Pakistan Movement Research Centre, Karachi, 1974, P.113

القرآن - 4:58

علی المتقی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، حیدر آباد دکن، 1313ھ، 15/2

ہمہ تن تیار رہنے کی یوں تلقین کی۔

"پاکستان حال ہی میں انجمن اقوام متحدہ کا رکن بنا ہے۔ وہ اس ادارے کو طاقتور بنانے اور اس کے نصب العین کے حصول میں ہاتھ بٹانے کے لئے وہ سب کچھ کرے گا جو اس کے بس میں ہے۔ ہم اقوام متحدہ کے منشور میں شامل اصولوں کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ لیکن اپنے دفاع کے تقاضوں سے غافل رہنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ تنظیم اقوام متحدہ کتنی ہی طاقتور ہو جائے لیکن اپنے ملک کے دفاع کی اصل ذمہ داری ہمیں پر رہے گی۔ اور پاکستان کو ہر افتاد اور خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے خود مستعد رہنا ہوگا۔

ہم اپنے آپ کو اتنا طاقتور بنالیں کہ کسی کو ہمارے خلاف جارحیت کی مجال ہی نہ رہے۔ یاد رکھئے آپ میں سے ہر ایک نے ملک کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لئے اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ایمان، تنظیم اور قربانی کے راہنما اصولوں کو مشعل راہ بنایئے۔ خیال رہے آپ نے تعداد کی کمی کو جرات مردانہ اور بے لوث احساس فرض کے ساتھ دور کرنا ہے۔ یہی تو وہ صفات ہیں جو ہمیشہ سے ہی فیصلہ کن کردار ادا کرتی آئی ہیں"[۵۱]

قائداعظم" کا یہ خطاب قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی عکاسی کرتا ہے جس میں اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔

واعدوالهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم[۵۲]

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے دشمنوں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ قوت اور پلے ہوئے گھوڑے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالٰی کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوفزدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے۔

ک۔ مسلم امہ کی عظمت کی بحالی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہنے کی تلقین:

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے نزدیک نظریہ اسلام، ملت واحدہ کا تصور دیتا ہے ان کا فرمان یوں ہے۔

"وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟" "وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟" "وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی؟"

---

[۵۱] Sayings of Quaid I Azam Muhammad Ali Jinnah, Edited by Rizwan Ahmad, Pakistan Movement Research Centre, Karachi, 1974, P 67

[۵۲] القرآن - 60 : 8

"وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا"

"ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک امت"[1]

قائداعظم کا یہ نظریہ قرآن حکیم کی اس آیہ کریمہ کی عکاسی کرتا ہے جس میں ارشاد خداوندی ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا[2] اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔ اس کی وضاحت میں فرمان نبوی ﷺ یوں ہے: عن النبی ﷺ قال المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا[3] آپ ﷺ نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے۔

2- ستمبر 1965ء کی جنگ اور مسلح افواج کی عملی تربیت:

الف- پس منظر:

افواج پاکستان کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری اس ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ہے۔ جنگ نے ہمیشہ مسلح افواج کی اعلیٰ تربیت میں فعال کردار ادا کیا ہے۔ نظریہ پاکستان کی حفاظت سے ہی ملکی سرحدوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ افواج پاکستان کے تربیتی نظام میں اس پہلو کو خاص طور پر سامنے رکھا جاتا ہے بالخصوص ایسے مواقع پر جب دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ ہو جائے نظریہ پاکستان کی حفاظت کے لئے سربراہان مملکت اور سپہ سالاران کی طرف سے ایسی ہدایات جاری کی جاتی ہیں جو اس کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتی ہیں اگلے چند صفحات پر اس موضوع پر جاری کردہ ہدایات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے گا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ملکی دفاع کے لئے کہا ہے کہ "خدائے عظیم و برتر کی قسم جب تک ہمارے دشمن اٹھا کر ہمیں بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں، ہم ہار نہ مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لئے میں تنہا لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے کہنا

---

[1] Quaid I-Azam Speaks to the Defence Forces, Historical Section, Army Education Directorate, GHQ, Army Education Press, Centenary Year, 1976, P 28

[2] القرآن- 103:3

[3] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 321/2

ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے جنگ کرنی پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں۔ پہاڑوں میں، جنگلوں میں، میدانوں میں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔ دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو ختم نہیں کر سکتی۔[۹]

ب۔ مسئلہ کشمیر اور نظریہ پاکستان:

پاک بھارت جنگ کی بنیاد چونکہ مسئلہ کشمیر ہے اس لئے اس تنازعہ کو سمجھنے کے لئے اس کے پس منظر میں جانا ضروری ہے۔ 14 اگست 1947ء کو جب پاکستان کی آزاد اور خود مختار مملکت کا قیام عمل میں آیا تو ہر ریاست کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق بھارت یا پاکستان سے الحاق کرے تاہم جہاں تک ریاست کشمیر کا تعلق ہے اس کی پوزیشن بالکل واضح تھی یعنی وہاں کا حکمران ہندو تھا۔ لیکن تقریباً 80 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ریاست کا علاقہ پاکستان سے ملا ہوا ہے۔ اور سیاسی، اقتصادی، جغرافیائی اور دیگر تقاضوں کے مطابق اسے پاکستان سے ملحق ہونا چاہئے تھا۔ مہاراجہ اپنی رعایا کی خواہشات کے خلاف ریاست کا بھارت سے الحاق چاہتا تھا۔ کشمیر کے عوام کو جب مہاراجہ کے اس منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے آزاد کردہ علاقے کا نظم و نسق 24 اکتوبر 1947ء کو خود سنبھال کر اس کا نام آزاد کشمیر رکھا۔

جموں سے مہاراجہ نے بھارتی افواج کی امداد طلب کی 27 اکتوبر 1947ء کو بھارت نے اپنی افواج مقبوضہ کشمیر بھیج دیں اس طرح بھارت کشمیر کے تین چوتھائی حصہ پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ یکم اگست 1948ء کی صبح بھارت نے مستغیث کے طور پر سلامتی کونسل کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ سلامتی کونسل نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ ریاست کے الحاق کا فیصلہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعے ہو نیز طرفین سے طویل تبادلہ خیالات کیا اور بعد میں انہیں جنگ بندی پر رضامند کر لیا۔ لیکن بھارتی حکومت کے استصواب سے مسلسل انکار کی وجہ سے یہ عارضی سمجھوتہ کبھی کامیاب نہ ہو سکا۔ بعد میں بھارتی راہنماؤں نے یہ کہنا بھی شروع کر دیا کہ بھارتی آئین کی رو سے بھارتی حکومت ریاستی حکومت سے مشورہ کئے بغیر تنازعہ کشمیر کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں نیز یہ کہ مہاراجہ کشمیر کی طرف سے پیش کردہ دستاویز الحاق کے باعث کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق آئینی اور قانونی اعتبار سے جائز ہے۔

---

[۹] راجہ حسین اختر، 6 ستمبر 65، تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1990ء، ص 61

رفتہ رفتہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کا ظلم و ستم اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ 8 اگست 1965ء کو مقبوضہ کشمیر کے حریت پسند ایک انقلابی کونسل قائم کر کے بھارتی سامراج کے خلاف اعلان جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انقلابی کونسل کسی خفیہ مقام پر قائم کی گئی تھی۔ کونسل کی سرگرمیوں کو نشر کرنے کے لئے صدائے کشمیر کے نام سے ایک خفیہ ریڈیو سٹیشن بھی قائم کیا گیا۔

18 اگست 1965ء کو پاکستان نے کشمیری حریت پسندوں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ 6 ستمبر 1965ء کو بھارتی فوج نے اعلان جنگ کئے بغیر چوروں کی طرح تین اطراف سے لاہور پر حملہ کر دیا۔ پاکستان کی پیادہ فوج نے دشمن کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ عساکر پاکستان نے "آخری جوان اور آخری گولی تک لڑو" کا عہد کیا۔ بھارتی فوج اپنی بھاری تعداد اور وافر سازو سامان کے باوجود ان باحوصلہ جوانوں کے قدم نہ ہلا سکی۔

صدر پاکستان نے بھارتی حملہ کے چند گھنٹوں کے بعد ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا۔ تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں نے اپنی خدمات پیش کیں اور حکومت کو یقین دلایا کہ وہ اپنا بھرپور تعاون پیش کریں گے اور وقت آنے پر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ عوام نے بھی اس موقع پر بڑے جوش و خروش اور جذبے کا مظاہرہ کیا جو دیکھنے سے متعلق تھا۔[1]

3- امیر عساکر کی تحریض اور سپاہ کی تربیت:

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے عساکر پاکستان کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے افواج کے جذبہ جہاد کو تازہ کرنے اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کرنے کے لئے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ یہ خطاب مستقبل کے پاکستانی عساکر کے لئے بھی تربیت کا سامان ہے تقریر کا مکمل متن یہ ہے۔

"میرے عزیز ہموطنو السلام علیکم" دس کروڑ پاکستانی عوام کے لئے آزمائش کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ بھارتی فوج نے آج صبح سویرے پاکستانی علاقہ لاہور کے محاذ پر حملہ کیا۔ یہ اس سنگین جارحانہ کارروائیوں کی ایک کڑی ہے جو بھارتی حکمرانوں نے جان بوجھ کر گزشتہ پانچ ماہ سے شروع کر رکھی ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان اشتعال انگیزیوں کے جواب میں ہم نے جس صبرو تحمل کا ثبوت دیا ہے اس کا بھارتیوں نے غلط مطلب لیا ہے۔ اس وقت تک ساری دنیا پر یہ بات واضح

---

[1] الطاف گوہر، ایوب خان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1995ء، ص:351

ہو گئی ہے کہ کشمیر میں بھارتی جارحیت کا مقصد محض پاکستان پر حملے کی تیاریاں کرنا ہے۔ آج انہوں نے اس کا آخری ثبوت ہی فراہم نہیں کیا بلکہ اپنے ناپاک ارادوں کو بھی ثابت کر دیا جو قیام پاکستان کے وقت سے ان کے دلوں میں ہیں۔ بھارتی حکمرانوں نے کبھی بھی ایک ایسے آزاد پاکستان کے قیام کو تسلیم نہیں کیا جہاں مسلمان اپنے لئے وطن کی تعمیر کا کام کر سکیں اب جبکہ بھارتی حکمرانوں نے اپنی روایتی بزدلی اور منافقت کے ساتھ اعلان جنگ کئے بغیر اپنی افواج کو پاکستان کی مقدس سرزمین میں گھسنے کا حکم دے دیا ہے۔ ہمارے لئے وقت آگیا ہے کہ بھارتی سامراج کو ختم کرنے کے لئے منہ توڑ جواب دیں۔ لاہور کے بہادر لوگوں کو پہلے مقابلے کے لئے چنا گیا ہے تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے دشمن کی تباہی کے لئے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ پاکستان کے دس کروڑ عوام جن کے دل کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز کے ساتھ دھڑک رہے ہیں وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک بھارتی توپیں ہمیشہ کے لئے خاموش نہ کر دی جائیں۔ بھارتی حکمرانوں نے ابھی تک یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کا واسطہ کس قوم سے پڑا ہے وہ اللہ کے نام پر فرد واحد کی طرح ایمان اور اپنے منصفانہ مقصد کے لئے لڑے گی۔ اللہ نے انسانوں سے وعدہ کیا ہے کہ فتح ہمیشہ سچ کو نصیب ہوگی میرے عزیز ہموطنو! آزمائش کی گھڑی میں آپ کو بالکل پر سکون رہنا ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کو اپنا سب سے بڑا اور اہم فرض ادا کرنا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے پوری یکسوئی اور مستعدی سے ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کو کامیابی عطا کرے گا کیونکہ اس نے ہمیشہ انہیں فتح عطا کی ہے جو حق و صداقت کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ حملہ کرنے کے لئے تیار رہئے اور اس فتنہ پر زبردست یلغار کیجئے جس نے آپ کی سرحدوں پر سر اٹھایا ہے۔ اس فتنے کی تباہی مقدر ہو چکی ہے۔ آگے بڑھئے اور دشمن کا مقابلہ کیجئے اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ (پاکستان پائندہ باد)[سلہ]

الف۔ بری فوج کے کمانڈر انچیف کا فرمان:

6 ستمبر 1965ء کو جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو پاکستان کی بری فوج کے کمانڈر انچیف نے فرمان امروز جاری کرتے ہوئے اپنے افسروں اور جوانوں سے کہا۔

"یہ آزمائش اور عزیمت کا وقت ہے۔ بھارتیوں نے دھوکا باز جارحین کی طرح آج صبح واہگہ، جسڑ اور بیدیاں

سلہ خالد محمود، رن کچھ سے چونڈہ تک، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1967ء، ص: 270
و آغا اشرف، ہمارا پاکستان، مکتبہ القریش، لاہور، 1986ء، ص: 165

کے مقامات پر پاکستان پر حملہ کر دیا ہے اور انہوں نے یہ حرکت اپنے مخصوص بزدلانہ انداز میں اعلان جنگ کئے بغیر کی ہے۔ ہماری مقدس سرزمین پر بھارت کے اس منافقانہ حملے نے ہماری فوجوں کو بھارت کے جنگ باز لیڈروں پر یہ ثابت کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے کہ پاکستان اپنا دفاع کرنے اور حملہ آور پر تباہ کن ضرب لگانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

ملک کے مستقبل اور آئندہ نسلوں کا انحصار آپ کے اقدام پر ہے۔ آپ لوگ اور دیگر دو افواج کے لوگ ملک کے محافظوں کی حیثیت سے دشمن کے ناپاک عزائم کے مقابلے میں عزم و یقین کا سرچشمہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پاکستان کی مقدس سرزمین کے ایک ایک انچ کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیں گے۔ مادر وطن کے دفاع کے لئے قوم کی نگاہیں آپ کی جانب لگی ہوئی ہیں انشاء اللہ آپ خود کو اس کا اہل ثابت کریں گے۔

پاک وطن کی مقدس سرزمین پر قدم رکھنے والے دشمن کو تباہ کر دو آپ اس عزم اور جرات کے ساتھ پیش قدمی کریں جس کے لئے آپ دنیا میں مشہور ہیں۔ انشاء اللہ فتح آپ کے قدم چومے گی۔[61]

ب۔ پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف کا فرمان:

بھارت نے اعلان جنگ کئے بغیر پاکستان کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے۔ بھارت کا یہ اقدام ہمارے لئے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ پاکستانی فضائیہ کے ارکان اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ بھارت نے ہمیں جو چیلنج دیا ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے فضائی فوج کے تمام جوانوں، افسروں اور خاص طور پر ہوا بازوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ میں آپ کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں خدا آپ کو دشمن کو تباہ کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔[62]

ج۔ پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف کا فرمان:

7 ستمبر 1965ء کو پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف وائس ایڈمرل اے آر خان نے ایک حکم میں کہا کہ بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے اور پاکستان کے خلاف ہر طرح سے برسرپیکار ہے۔ پاکستان کی بری اور فضائی افواج میں ہمارے بھائیوں نے کاری ضربیں لگا کر بہت اچھا جواب دیا ہے۔ پوری قوم سپریم کمانڈر اور مسلح افواج کی پشت پر ہے۔ میں پاکستانی بحریہ کے افسروں اور جوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے مقدس فرائض ایمان، جرات اور مصمم ارادہ کے ساتھ

---

[61] بریگیڈیر گلزار احمد، دفاع پاکستان کی لازوال داستان، سول اینڈ ملٹری پریس، کراچی، 1968ء، ص 180-182

[62] نفس المصدر، ص: 180 - 181

انجام دینے کے لئے اپنے آپ کو اس اعتماد کا اہل ثابت کریں جو ان پر ظاہر کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہوگی۔ (پاکستان پائندہ باد)"[سلہ]

عساکر پاکستان اپنے سپہ سالاروں کی پر جوش تقاریر سن کر دشمن پر پل پڑے اور ثابت کر دیا کہ وہ دشمن کی فوج سے جو ان سے کئی گنا بڑی ہے کسی طرح کم نہیں۔

د۔ عالمی لیڈروں اور ذرائع ابلاغ کی طرف سے عساکر پاکستان کو خراج تحسین:

عساکر پاکستان کی ستمبر کی جنگ میں نمایاں کارکردگی کی وجہ سے اسے مختلف اطراف سے داد و تحسین ملی۔ اس سے اس کے عسکری جذبہ محرکہ میں مزید اضافہ ہوا۔

10 ستمبر65ء کو پاکستان کی جانباز مسلح افواج کو صدر انڈونیشیا مسٹر احمد سوئیکارنو نے زبردست خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ "پاکستان کی جانباز مسلح افواج نے جس جرات، شجاعت، مہارت اور ہوشیاری سے کام لے کر بھارت کی جنگی برتری کو چکنا چور کیا ہے اور جس سرفروشی اور جذبے کے ساتھ وہ دشمن کی فوجوں کو شکستوں پر شکستیں دیتی ہوئی اور پیچھے دھکیلتی ہوئی آگے بڑھی ہیں۔ میں ان کو سلام کرتا ہوں۔"[شہ]

1965ء کی پاک بھارت جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے دنیا کے مختلف ذرائع ابلاغ نے پاکستانی مسلح افواج کی کارکردگی، جرات شجاعت اور مہارت کو سراہا۔ بی بی سی لندن کے خبروں کے مبصر چارلس ڈگلس ہیوم نے 10 ستمبر1965ء کو اپنی رائے ظاہر کی کہ پاکستانی فوج کو تعداد میں کم ہونے کے باوجود بھارتی فوج پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔

9 ستمبر1965ء کو روزنامہ ڈی جکارتہ نے لکھا کہ "پاکستان کی مسلح افواج بھارتی جارحیت کے خلاف جوابی حملہ کر سکتی ہیں اور انہوں نے نہ صرف دو دنوں میں تیس بھارتی طیارے تباہ کر دیئے بلکہ ان کی افواج کو بھی نقصان پہنچایا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اگرچہ پاک مسلح افواج کی نفری بھارتی افواج سے کم ہے لیکن پاکستان کی مسلح افواج نے جذبے کے باعث دشمن سے کئی گنا زائد فتوحات حاصل کی ہیں۔"

نیویارک ٹائمز نے اپنی 11 ستمبر1965ء کی اشاعت میں تحریر کیا کہ "اگرچہ بھارت نے نقصان کے حقیقی اعداد و شمار نہیں بتائے لیکن لگتا ہے کہ گزشتہ ہفتے میں اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ وہ پاکستان کی سخت جانی اور عالمی رائے عامہ

[سلہ] زاہد حسین انجم، 6 ستمبر1965ء تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1990ء، ص 121

[شہ] نفس المصدر، ص: ۱۹۵

پر ہو کھلا اٹھا ہے۔"[91]

سنڈے ٹائمز لندن کے نمائندے نے 12 ستمبر 1965ء کو یوں تبصرہ کیا کہ "اس قوم کو کون شکست دے سکتا ہے جو موت سے کھیلنا جانتی ہو۔ مجھے پاک بھارت جنگ کے بارے میں شائد کچھ یاد رہے نہ رہے لیکن اس فوجی افسر کی مسکراہٹ کبھی نہیں بھول سکتا جس کی مسکراہٹ نے مجھ پر عیاں کر دیا کہ پاکستانی جوان کس قدر نڈر اور بہادر ہیں۔

اس خراج تحسین نے عساکر پاکستان کے مورال (حوصلہ) پر عمدہ اثرات مرتب کئے جن کی بنا پر میدان جنگ میں ان کی کارکردگی میں مزید اضافہ ہوا اور دشمن کی وقعت ان کی نظروں میں مزید گر گئی۔ دوسری طرف ہندوستانی سپاہ کے حوصلے مزید پست ہو گئے۔ نتیجتاً ان ہی حقائق کی بنا پر دشمن کو جنگ بندی کی درخواست کرنا پڑی۔

فصل پنجم۔۔۔ نظریاتی سپاہ اور ان کی تربیت پر ایک نظر:

1- اسرائیل کی نظریاتی سپاہ کا تربیتی نظام:

انگریز نے فلسطین کو 1918ء میں ترکوں سے فتح کیا تھا اسرائیلی یہودی، فلسطین کی جگہ اسرائیل کے قیام کے لئے عرصے سے کوشاں تھے تاکہ وہ اہل یہود کے گھر کے طور پر اس ریاست کو دوبارہ معرض وجود میں لائیں اور بالخصوص یورپ میں پسے ہوئے یہودی بھائیوں کے لئے ایک جائے پناہ کے طور پر اس ملک کی تشکیل نو کریں۔ برطانیہ نے جنگ عظیم دوم میں عربوں اور یہودیوں دونوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ان سے اپنی اپنی جگہ وعدے کئے۔ یعنی عربوں کو فلسطین واپس دینے کا اور یہودیوں کو اسرائیلی ریاست کے قیام کا۔ مگر جاتے وقت فلسطینیوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، جبکہ یہودیوں کی اسرائیل کے نام سے نیا ملک تشکیل دینے کی کاوشوں سے چشم پوشی کی۔ بلکہ انہیں مسلح ہونے میں مدد دی۔ اور اپنا انتظام اٹھانے کے فوراً بعد اپنے پرانے جہازوں کا بیڑا یہودیوں کو فروخت کر دیا[92] البتہ اسرائیل کی موجودہ عسکری قوت اس کی فعال نظریاتی اور تربیتی کاوشوں کی مرہون منت ہے جس کے نمایاں خدوخال یہ ہیں۔

الف۔ منتشر قوتوں کو یکجا کر کے ضعیف ٹکڑیوں کو قومی لشکر میں تبدیل کرنا:

اسرائیلی ایئر فورس کی ابتداء ایک غیر تربیت یافتہ لشکر اور چند چھوٹے، پرانے اور متفرق انواع کے جہازوں سے کی

---

[91] New York Time's dated 11 September, 1965

[92] Murray Rubinstein and Richard Goldman, The Israeli Air Force Story, Arms and Armour Press, London, 1979, (Jacket Preface)

گئی۔ اور بہت تھوڑے وقت میں اسے سب سے زیادہ تجربہ کار، لڑائی کے لئے ہمہ وقت مستعد اور دنیا کی ناقابل تسخیر ایر فورس کا مقام حاصل ہو گیا۔ یہ سب ان کے مضبوط نظریاتی پس منظر کی وجہ سے عمل میں آیا۔ اسرائیلی ایر فورس کی کہانی 1947ء سے ایک زیر زمین ایر فورس سے شروع ہوئی۔ یہ فورس پچھلے تیس سالوں میں بے شمار نازک حالات کا سامنا کرنے کے علاوہ چار بڑی جنگوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے۔[۱۵] یہ مقام اسرائیلی سپاہ کو فعال تربیتی کوششوں کی وجہ سے اور ان کے اپنے مقصد سے لگن کی وجہ سے حاصل ہوا۔

ب۔ عساکر میں بقا کی جنگ لڑنے اور مرتے دم تک ڈٹے رہنے کا جذبہ پیدا کرنا:

15 مئی 1948ء کو اسرائیل معرض وجود میں آیا اسی روز عربوں نے باہم مل کر اسرائیل پر حملہ کر دیا۔ اس دن عربوں کے پاس 131 ہوائی جہاز جبکہ اسرائیل کے پاس 28 جہاز تھے۔ جن میں زیادہ تر سویلین اور ٹرانسپورٹ طیارے تھے مگر جنگ کا نتیجہ اسرائیل کے حق میں رہا۔ اسرائیلی سپاہ کو اس نظریہ کی بنیاد پر تیار کیا گیا کہ وہ اس جنگ کو اپنی بقا کی جنگ کے طور پر لڑیں گے۔ لہٰذا ان کے ہلکے پھلکے طیاروں نے بھاری بھر کم افواج کو پسپا کر دیا ایک اسرائیلی پائلٹ ہی گولڈ سٹین (Hy Goldstain) کہتا ہے کہ ہماری اڑان ایک خود کشی کے مترادف ہوتی تھی ان فضائی حملوں کے لئے انتہائی شجاعت کار فرما تھی۔ اسرائیلیوں کا ہلکے پھلکے طیاروں کو اڑاتے وقت مصری لڑاکا طیاروں کے منہ میں دے دینا یا زمینی حملہ کرتے وقت ہلکے ہتھیاروں کے سامنے لے آنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اسی دلیری اور بہادری کا نتیجہ تھا کہ عرب خوف زدہ ہو کر پسپا ہو گئے۔ یہودیوں نے یہ فتح جان پر کھیل کر حاصل کی۔[۱۶]

ج۔ جنگی وسائل کو سرعت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار کرنا:

آزادی کے بعد چھ ماہ میں حالات کو بڑی تیزی سے بدلا گیا یورپ اور امریکہ کے گوداموں سے سمگل کردہ ہتھیاروں کی کھیپ لائی گئی۔ نیز غیر ملکی مہاجر اور جنگ عظیم دوم کی متحدہ افواج کے پرانے فوجیوں پر مشتمل یونٹوں کی تشکیل ہفتوں اور دنوں میں ہوئی۔ بلکہ ایک یونٹ کی تشکیل ایک رات میں مکمل ہو گئی۔ فوج کا قابل ذکر حصہ فلسطین میں بڑھے پلے کمانڈروں اور مقامی طور پر تربیت یافتہ فوجیوں پر مشتمل تھا۔ اس سے ایک کامیاب جنگ لڑنے کے لئے آرمی تیار ہوئی ایک ایسی قوم کی یہ ایک بڑی کامیابی تھی جس نے کوئی غیر ملکی فوجی امداد حاصل نہیں کی تھی۔ نہ اس کے

---

[۱۵] Murray Rubinstein and Richard Goldman, The Israeli Air Force Story, Arms and Armour Press, London, 1979, P : 11 12

[۱۶] do . p:59

پاس کوئی بڑی صنعت تھی نہ ہتھیاروں کا تیار نظام اور نہ ہی سلیمان اور داؤد علیہ السلام کے بعد سے کسی کامیاب جنگ لڑنے کا کوئی تجربہ تھا۔ اس کے باوجود اسرائیلی آرمی کو جنگ کے دوران ہی تشکیل دے دیا گیا اور چھ ماہ کے نہایت قلیل عرصہ میں متعدد جنگی وسائل کو دشمن کو شکست دینے کے لئے مجتمع کر لیا گیا۔

د۔ پورے معاشرے کو اجتماعی طور پر برسرپیکار رہنے کی تربیت دینا:

جب دسمبر 1947ء میں لڑائی شروع ہوئی تو یہودی رضاکار فورس "ھگانہ" نے صرف 50 دن یا اس سے کم کی فوجی تربیت حاصل کی تھی۔ "ھگانہ" کے پاس نہ ٹینک تھا نہ لڑاکا طیارہ، مگر وہ چھ ماہ تک فلسطین کے عربوں سے گلی کوچوں میں گوریلا جنگ لڑتے رہے۔ اسرائیل نے اپنی سپاہ کو اس جامع انداز میں تشکیل دیا ہے کہ جب پوری طرح سے اس فوج کو متحرک کیا جائے تو یہ فوج تمام صحت مند مردوں اور کثیر تعداد میں عورتوں پر مشتمل نظر آتی ہے۔ گویا آرمی اور قوم ایک دوسرے کا عکس ہیں اور یوں اسرائیلی معاشرہ بحیثیت مجموعی آج تک برسرپیکار رہا ہے۔ اسرائیلی فوج ایک ایسی قوم کا حصہ ہے جس میں کسی وقت ایک بھی سپاہی نہ تھا۔ مگر ایک ہی نسل کی زندگی کے عرصہ میں پوری کی پوری قوم ایک مستقل سپاہ میں تبدیل ہو گئی۔ اسرائیل کے قیام کے 26 سال بعد 1973ء کی جنگ میں اس نے مغربی دنیا کی تیسری بڑی ٹینک فورس اور چھٹی بڑی ایئرفورس میدان جنگ میں بھیجی۔

اسرائیلی زندگی کی ایک اور حقیقت یہ ہے کہ دشمنی کا دائرہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسرائیلی قوم عسکری قوت کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کرتی چلی گئی۔ یعنی فلسطینیوں سمیت پوری عرب دنیا پر محیط دشمنی جس کو روس کی بھرپور حمایت حاصل تھی کے مقابلہ میں اسرائیلی عساکر بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ پوری کی پوری قوم سپاہ میں تبدیل ہو گئی۔[۱]

2۔ جنگ رمضان میں مصری سپاہ کی اعلیٰ کارکردگی میں کارفرما تربیتی عوامل:

الف۔ مادر وطن سے غیر ملکی تسلط ختم کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کا جذبہ:

مصر اور اسرائیل کے مابین 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے نہ صرف صحراء سینا پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ نہر سویز کے مشرقی کنارے پر بارلیو لائن کی شکل میں ایک ایسا مضبوط دفاعی حصار بنا لیا تھا کہ جس کی تسخیر تمام عسکری ماہرین، بشمول روس، کے نزدیک ناممکنات میں سے تھی۔ مشرقی کنارے پر قبضہ کی وجہ سے نہر سویز بند پڑی تھی۔

---

[۱] Edward Luttwak and Dan Horowitz, The Israeli Army, Arms and Armour Press, London, 1979, p.xi

1973ء کی جنگ کے ابتدائی مرحلہ میں نہر سویز کو پار کرنا اور بارلیو لائن کو مسخر کرنا تھا البتہ مصری فوجوں کے حملہ کی صورت میں اسرائیل کی طرف سے شدید بری اور فضائی مزاحمت کے علاوہ نہر میں نیپام بم کے استعمال کا کافی اندیشہ تھا۔ اور اس صورت میں مصر 2600 افراد کی قربانی کے لئے تیار تھا۔ جنگ رمضان کے ابتداء کے قریب 12 اکتوبر 1973ء کو مصر کے صدر انور السادات نے نیشنل سیکورٹی کونسل کو جیزا کے صدارتی محل میں طلب کیا۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ جس میں قرآن کی پہلی وحی کے نزول کی یاد تازہ کی جاتی ہے اور مسلمان دن کی روشنی میں کچھ کھاتے پیتے نہیں۔ مصریوں نے پوری استعداد کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا مصر کے ایک بڑے دانشور کو صدر انور السادات نے جنگ رمضان کی تفصیل بتاتے وقت متعلقہ فائل دکھاتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیشہ ہمیں ٹیکنالوجی کو استعمال نہ کرنے کا الزام دیتے رہے ہو مگر اس فائل میں جو تفصیل موجود ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح ٹیکنالوجی کی جدید ترین صورت کو ہمارے منصوبے میں سمویا گیا ہے۔"[۱]

ب۔ مکمل رازداری کا اہتمام:

جنگ رمضان کے منصوبہ کو خفیہ رکھنے کے لئے مکمل رازداری اور کڑی احتیاطیں اختیار کی گئیں۔ جس کمرے میں افسران اکٹھے ہوئے اسے بار بار چیک کیا گیا کہ کوئی خبر رسانی کے آلات تو نہیں نصب کئے گئے الیکٹرانکس کا دخول قطعاً ممنوع قرار دیا گیا۔ ایک افسر کے علاوہ کسی کو نوٹس لینے کی اجازت نہ تھی۔ جنرل عبدالحی الغماسی مصری ڈائریکٹر آف اپریشنز نے نکات کو پنسل سے لکھا اور بعد میں صرف دو نقلیں تیار کیں ایک مصری چیف آف سٹاف جنرل سعد شاذلی کی وساطت سے صدر انور السادات کو دینے کے لئے اور دوسری شامی چیف آف سٹاف جنرل یوسف شکور کے ذریعے شامی صدر حافظ الاسد کے لئے۔ جب وہ کانفرنس روم سے نکلے تو کسی افسر کو دوسرے سے تحریری طور پر یا ٹیلی فون پر اس موضوع پر گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا البتہ ضروری بات صرف بالمشافہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ یوں مکمل رازداری کی وجہ سے فتح حاصل کرنے میں مدد حاصل کی۔[۲]

ج۔ ناقابل تسخیر کو تسخیر کرنے کا عزم:

جنگ رمضان کے لئے صدر انور السادات نے جو جنگی حکم جاری کیا اس میں تھا کہ :

---

[۱] Muhammad Heikal, The Road to Ramadhan, Collins St James Palace, London, 1975, P 25

[۲] ...... do p.69

"اسرائیل کی حکمت عملی دنیا کو بالخصوص عرب ممالک کو یہ باور کرانا تھا کہ عربوں کے لئے اسرائیل کا مقابلہ کرنا بے سود ہے۔ اور یہ کہ انہیں اسرائیل کی پسند کی عائد کردہ شرائط پر صلح کرنی پڑے گی۔ حکم نامے میں کہا گیا کہ اسرائیل کی اس حکمت عملی کو عربوں کی برتری اور باعزت زندگی کے لئے غلط ثابت کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

مصری صدر نے کہا "کہ یہ اس کا ایمان ہے کہ اگر دشمن کی اس رائے کو کہ اس کی افواج کو دائمی برتری حاصل ہو چکی ہے کامیابی کے ساتھ غلط ثابت کر سکیں تو دونوں جہتوں میں یعنی قلیل مدتی اور طویل مدتی رویوں پر خاطر خواہ اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔ فوری طور پر اثرات یہ مرتب ہوں گے کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کا پرامن حل ممکن ہو جائے گا اور مستقل اثرات یہ مرتب ہوں گے کہ یہ صیہونیت کی جارحانہ نفسیات میں مجموعی تبدیلی لانے کا باعث بنے گی"۔[41]

د۔ سپاہ کا ہر قیمت پر فتح حاصل کرنے کا عہد:

5 اکتوبر بروز جمعہ جنگی منصوبہ بندی کے سنٹر میں جنرل اسماعیل کی طرف سے صدر کی موجودگی میں ایک جذباتی منظر کی ابتدا کی گئی سنٹر میں موجود تمام لوگوں کو قرآن پر یوں حلف اٹھانے کے لئے کہا گیا۔

"ہم اس قرآن پر اللہ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی پوری توانائی حتیٰ کہ جان بھی دیئے گئے مقصد کے حصول کے لئے لگا دیں گے"

16 اکتوبر کو 2 بجے مصری فوجوں نے فائر کھولا 15 منٹ بعد جوانوں نے نہر سویز کو پار کیا اور بارلیو پر قائم دشمن کی چوکی پر پورے 3 بجے قبضہ کر لیا۔ باقی دفاعی چوکیاں جلد یکے بعد دیگرے قبضہ میں آنے لگیں ساتھ ہی ساتھ انجینئروں نے ساڑھے چار گھنٹوں میں پانی کی توپوں سے مشرقی کنارے پر 80 مقامات پر ریت کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے۔

ساڑھے سات بجے تک نہر کے پار پورے محاذ پر فوجی دستے پوری طرح پوزیشن سنبھال چکے تھے اور بارلیو لائن کے پار سینا کے اندر تین چار کلومیٹر تک گھس کر اپنے مورچے کھود چکے تھے[42]

اسرائیل کی کڑی نگرانی، مضبوط دفاعی قوت اور انتظامات کے باوجود نہر سویز کو نہ صرف پار کرنا بلکہ چھ گھنٹوں میں اس کے دفاعی نظام کو مسخر کر کے پیچھے جا کر پوزیشن پکڑ لینا اور یوں گویا ایک ناقابل یقین اور تاریخی کامیابی اس چیز کا بین ثبوت ہے کہ مصری فوج کا ہر سپاہی نظریاتی طور پر یہ طے کر چکا تھا کہ دشمن پر ہر قیمت پر فتح حاصل کرنی ہے اور وہ اس

---

[41] Muhammad Heikal, The Road to Ramadhan, Collins St James Palace, London, 1975, P 110

[42] .... do p 209

کے لئے پوری طرح مستعد تھا۔

3- جہاد افغانستان میں کار فرما تربیتی اصول:

الف۔ نظریہ کی حفاظت کے لئے جنگ:

27 دسمبر1979ء کو سوویت یونین نے ایک لاکھ دس ہزار افواج کے ذریعے افغانستان پر یلغار کر دی۔ اور خالصتاً اپنی مرضی کے آدمی اور مشرقی جرمنی میں جلا وطن افغان کیمونسٹ لیڈر ببرک کارمل کو کابل کی حکومت کا سربراہ بنا دیا۔ مگر وہ ایک روز کے لئے بھی اس بھرپور اور ملک گیر مسلح مزاحمت کو نہ دبا سکا۔ نظریہ کی حفاظت کے لئے مقامی آبادی کی مسلح جدوجہد سوویت افواج کی آمد سے پہلے ہی مقامی کیمونسٹ اقتدار کے خلاف شروع ہو چکی تھی۔ البتہ سرزمین افغانستان پر اس نئے اقتدار کو تحفظ دینے کے لئے سرخ فوج کی اچانک یلغار نے اس کے اندر ایک نئی حرکت، نیا ولولہ اور نئی روح پھونک دی تھی۔[1]

ب۔ مجاہدین اسلام کا بڑی طاقت سے ٹکرا جانا:

جذبہ جہاد اور حریت سے معمور مجاہدین افغانستان نے کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ پر یقین رکھتے ہوئے فوری مزاحمت شروع کر دی اگرچہ ان کے پاس معمولی ہتھیار تھے۔ سوویت قیادت کی طرف سے فوجیں بھجوانے کا فیصلہ کرتے وقت افغان قوم کی جانب سے اس قدر شدید مزاحمت کی نہ توقع تھی اور نہ اندازہ۔ چنانچہ پہلے تو اس پر سخت برافروختگی کا اظہار کیا گیا[2] اس کے ساتھ ہی پاکستان کو متنبہ کیا گیا کہ وہ "باغیوں کو اسلحہ دینا بند کر دے۔ روسیوں کو تقریباً (افغانستان) کے ہر مقام پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

1983ء کے آتے آتے سوویت یونین نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن کی کیفیت سے دوچار تھا۔[3] روسی فوجی اپنی کمین گاہوں کے اندر رہنے پر مجبور تھے اور اس بارے میں احتیاط کر رہے تھے کہ پاکستانی سرحد کے نزدیک کسی کی نگاہ روسی فوجیوں پر نہ پڑے۔ اس لئے یہاں پر انہوں نے اپنی جگہ افغان فوج کے وہ یونٹ متعین کئے تھے جن کی کیمونسٹ مقاصد کے ساتھ وفاداری ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھی۔[4]

---

[1] عطاء الرحمن، سوویت یونین کا زوال، نظریہ، عمل اور ردعمل، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، 1993ء، ص:103

[2] New Time's Moscow Feb to Dec 1980

[3] New York Time, August 7, 1981

[4] Kuldep Nayyer, Report on Afghanistan, Delhi, P.12

ج۔ مسلمانوں کی اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد:

ایک طرف افغانستان پر سویت افواج کے قبضے کا مطلب یہ لیا جا رہا تھا کہ ان کا اگلا قدم پاکستان کی سرزمین پر ہوگا جس کی گوادر کی بندرگاہ پر سویت فوجی منصوبہ سازوں کی عرصے سے نظریں جمی ہوئی تھیں۔ اور جہاں کے گرم پانیوں تک رسائی روسیوں کا صدیوں پرانا خواب تھا۔ دوسری طرف پڑوسی مسلمان ملک ہونے کے ناطے پاکستان نے اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے اپنا کردار ادا کیا اور ایک اہم سوویت یونین کے زوال کو تیز تر کرنے میں حتمی اور شخصی کردار پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ادا کیا۔ جنہوں نے نہایت پامردی اور جرات کے ساتھ افغانستان میں سوویت یلغار کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ افغان مجاہدین کے لئے ان کی ذات مشکل حالات میں ڈھارس کا باعث تھی۔ اور بیرونی دوستوں کے لئے اطمینان کا سبب تھی کہ مجاہدین کو ملنے والا اسلحہ اور دوسری امداد اس شخصیت کے ذریعہ سے ان تک منتقل ہو رہی ہے۔ جو بجائے خود اور اپنی قومی و ملی اغراض و مقاصد کی خاطر اس مشن کی تکمیل کو اپنا فرض گردانتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی ممالک سے مسلمان مجاہدین نے افغانستان آکر عملی جہاد میں حصہ لیا۔

د۔ مسلم عساکر کا نصرت خداوندی پر یقین:

افغانستان کے مسلم عساکر نصرت خداوندی پر یقین کرتے ہوئے اتنی خود اعتمادی سے مقابلہ کر رہے تھے کہ سوویت یونین کو اپنی تریسٹھ سالہ تاریخ 1917ء تا 1980ء میں خارجہ پالیسی کے میدان میں اس طرح کی ہمہ گیر مخالفت سے بھرپور صورت حال کا سامنا کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ روسی یلغار کے صرف دو سال بعد ہر قسم کے عالمی یا سوویت حکومت کے ردعمل سے بے نیاز ہو کر اپنی سرزمین وطن کو سرخ فوجوں کے لئے جہنم زار بنانے کے لئے پوری طرح برسرپیکار تھے۔

سوویت نوجوانوں کی نعشیں وطن واپس جا رہی تھیں۔ لڑائی کے دوران اپاہج ہونے والے روسی فوجی اب اپنے ملک کے ہسپتالوں اور شہروں میں نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔ عالمی پریس میں یہ خبریں چھپنا شروع ہو گئی تھیں کہ "سوویت فوج میں مسلمان سپاہی اور چھوٹے افسران ناقابل اعتبار ثابت ہوئے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے مجاہدین کو فوجی راز بتائے ہیں۔ اور کچھ بے دلی سے لڑ رہے ہیں۔ لہذا انہیں واپس بلایا جا رہا ہے" ادھر افغانستان کے اندر یہ عالم تھا کہ ایک لاکھ پچیس ہزار سوویت فوج جس کی مدد اسی ہزار مقامی افغان آرمی کر رہی تھی۔ چند بڑے شہروں اور انہیں

ملانے والی شاہراہوں سے آگے بڑھ کر ملک کے کسی حصے پر اپنا قبضہ نہ جما سکی۔ سرخ فوج نے اپنے بارے میں جو یہ تاثر قائم کر لیا تھا کہ وہ ناقابل تسخیر ہے۔ یا یہ کہ اس کے آگے کوئی ٹھہر نہیں سکتا ٹوٹ رہا تھا۔[۵۱]

ھ- جذبہ صادقہ فتح کو ہر حال میں یقینی بنا دیتا ہے :

افغان مجاہدین گوریلا جنگ میں دنیا بھر کے جنگی ماہرین سے خراج تحسین وصول کر رہے تھے۔ اسلامی جذبہ آزادی سے سرشار افغان مجاہدین نے اپنی جانوں کا نذرانہ کچھ اس والہانہ انداز سے پیش کیا کہ توسیع پسندی کے لئے لائی گئی دنیا کی سب سے بڑی جنگی مشینری ان کے آگے بے بس ثابت ہو رہی تھی۔ جو ہتھیار ابھی تک انہیں مختلف ذرائع سے حاصل ہوئے تھے، وہ روسی اسلحے کے مقابلے میں بہت کم تر درجے کے تھے۔ 1982ء میں امریکی ٹیلی ویژن NBC کے سابق نائب صدر مسٹر فیگل ریان کی قیادت میں افغانستان کی گوریلا جنگ کے بارے میں ایک دستاویزی فلم بنائی گئی تھی۔ اس فلم نے پوری دنیا پر یہ بات دستاویزی مشاہدات کے ساتھ روز روشن کی طرح واضح کر دی کہ کم تر درجے کے ہتھیاروں کے ساتھ سائنسی دنیا کے جدید ترین اسلحے کی حامل اور کہیں بڑی اور اعلیٰ تربیت یافتہ فوج کے پاؤں قابض ملک پر نہ جمنے دینا ایک گہرے جذبہ صادقہ کے بغیر ممکن نہیں۔

و- طے شدہ نصب العین منزل کے حصول کا زینہ ہے :

افغانوں کی جس صلاحیت نے مغربی جنگی ماہرین کو بہت متاثر کیا وہ ان کی یہ اہلیت تھی کہ سوویت فوجوں سے چھینا ہوا یا امریکہ کا فراہم کردہ جو بھی جدید ترین اسلحہ وہ حاصل کرتے، اس کے صحیح استعمال اور دیکھ بھال کے فنی تقاضوں پر انہیں گرفت حاصل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی اور نہ کوئی بڑی دقت پیش آتی تھی۔[۵۲]

ایک قبائلی معاشرے کے افراد جو محاوراتی زبان میں ابھی بیسویں صدی میں بھی داخل نہ ہوئے تھے۔ ان کا جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ اس آسانی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جانا اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ لڑنے والے ایک بامقصد جذبے، واضح شعور اور طے شدہ نصب العین کے ساتھ مصروف جنگ تھے۔ افغان مجاہدین درحقیقت مسلم تہذیب کی آخری دفاعی لائن پر کھڑے پوری امت اسلامیہ کے قلعے کی دیواروں کی حفاظت کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے اندر جس گروہ

---

[۵۱] Dr Tahir Amin "Afghanistan Crisis Implications for Muslim World" Institute of Policy Studies, Islamabad, 1982 P.72

[۵۲] Oliver Roy "Islam and Resistance in Afghanistan" London, 1985, P: 187

کو اہل مغرب بنیاد پرست کا نام دیتے نہیں تھکتے، وہ اپنی پوری قوت مدافعت کے ساتھ مسلمانوں کے ملی وجود کی حفاظت کے لئے اس وقت سامنے آتے ہیں۔ جب اغیار ان کی باقی تمام حدود کو عبور کر کے آخری فتح کے خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

ح۔ قابض قوتوں کے قیام کو تکلیف آور بنایا جا سکتا ہے:

افغانستان کے بارے میں کریملن کے کمیونسٹ حکمرانوں نے سوچا کہ یہاں پر سوشلزم کا پودا جو ہم نے لگایا تھا، وہ اب تناور درخت بن چکا ہے اور اس کے ثمرات ملنے والے ہیں۔ اور جو لوگ اسے کاٹنے کے درپے ہیں ان کو سوویت ہاتھی کا پہلا قدم ہی روند کر رکھ دے گا۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ ہاتھی کا یہ پاؤں جوں ہی افغانی زمین پر پڑا، اطراف سے اس پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ ماہرین حرب کسی بھی گوریلا مزاحمتی جنگ کی کامیابی کا معیار یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی سرزمین پر قابض قوت کے قیام کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دہ بنا دے "1982ء کے آخر تک افغان مجاہدین نے دنیا پر ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔

ط۔ افغان جہاد میں اسلامی اخوت کی جھلک:

جن امور نے حکومت پاکستان کو اس جنگ میں بالواسطہ لیکن بھرپور حصہ لینے پر آمادہ کیا، ان میں سرفہرست پاکستانی جنگی حکمت کاروں کے اندر پایا جانے والا یہ احساس تھا کہ اگر افغانستان سے سوویت افواج کی واپسی ممکن ہو جاتی ہے، تو یہاں نئی، سیاسی، جنگی اور جغرافیائی حقیقتیں جنم لیں گی۔

ان میں اہم تر یہ حقیقت ہوگی کہ افغانستان میں پہلی مرتبہ ایک ایسی حکومت برسراقتدار آئے گی جو پاکستان دوست ہوگی، اسلامی اجتماعی نظریات سے سرشار ہوگی۔ اس کے تعاون سے ہماری شمال مغربی سرحدات پر ہمارے لئے امن و سکون کے دور کا آغاز ہوگا ہماری قومی اور ارضی سلامتی کو استحکام ملے گا۔ یہ استحکام پائے دار ثابت ہوا تو ہمیں جنگی نقطہ نظر سے دفاعی وسعت اور گہرائی حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسی وسعت جو بھارت کے مقابلے میں ہمارے دفاع کو مضبوط تر کرے گی۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم سوویت یونین کو توڑنے کے درپے تو نہیں تھے لیکن وہ اس یقین سے ضرور سرشار تھے کہ افغان جہاد اور جنگ آزادی بالآخر وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں کی آزادی کے لئے نقطہ آغاز کا کام دے گی۔ اور یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب کسی کو یہ یقین بھی نہیں آتا تھا کہ سوویت افواج افغانستان کو خالی کر دیں

گی۔ لیکن جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے الفاظ درست ثابت ہوئے اور روسی فوجوں کے انخلاء پر وہ یوں گویا ہوئے کہ .

"یہ ایک بیسویں صدی کا معجزہ رونما ہوا اور اپنے ساتھ دور رس اور فوری تاریخی تاثرات بھی لے کر آیا"۔ [1]

4۔ عساکر پاکستان کا دیگر نظریاتی سپاہ کے تربیتی نظام سے استفادہ:

الف۔ اسرائیلی سپاہ کے تربیتی نظام سے استفادہ:

صیہونی سپاہ نے نظریاتی بنیادوں پر قائم ہونے والے اپنے ملک اسرائیل کی شروع دن سے بڑی جرات کے ساتھ حفاظت کی اور آج تک اس جذبہ سے اس کا دفاع کرتے چلے آ رہے ہیں وہ اپنے فعال تربیتی نظام کی وجہ سے اپنے سے کئی گنا بڑے مدمقابل کو کبھی خاطر میں نہیں لائے بلکہ انہیں اسرائیل کی شرائط پر امن قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

پاکستانی سپاہ بھی اگر اس قسم کا جرات مندانہ رویہ اپنائے تو یہ بھی اپنے مدمقابل کو زیر کر سکتے ہیں اور اپنی شرائط پر اس خطے میں امن قائم کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے عساکر پاکستان کے تربیتی نظام کو اور زیادہ فعال بنانے کے لئے اسرائیلی سپاہ کے تربیتی نظام کو اپنانا چاہیے۔

ب۔ مصری سپاہ کی فعال قیادت اور جرات مند سپاہ کی تقلید کی ضرورت:

مصری قیادت نے جس فعال منصوبہ بندی سے نہر سویز کو واپس لیا اور مصری سپاہ نے جس طرح جان ہتھیلی پر رکھ کر سویز کو پار کیا وہ پاکستانی سپاہ کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ اس جذبہ اور مضبوط قوت ارادی کو اختیار کر کے دشمن کے سامنے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس لیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے تربیتی نظام میں خاطر خواہ اصلاح لانے کی ضرورت ہے۔

ج۔ افغان مجاہدین کے جذبہ سرفروشی میں پنہاں اسباق:

اپنے سے کئی گنا بڑے اور جدید ترین اسلحہ سے مسلح دشمن سے بے خوف و خطر بھڑ جانا یہ افغان مجاہدین ہی کی شان ہے اور یہ اپنے اندر ایک ایسے ولولہ تازہ کو لئے ہوئے ہے کہ اگر پاکستانی سپاہ اس میں سے کچھ حصہ بھی اختیار کر لے تو دشمن کو زیر کرنے کے لئے کافی ہے۔ عساکر پاکستان کے تربیتی نظام میں وسائل کی تیاری کے ساتھ ساتھ

---

[1] عطاء الرحمن، سوویت یونین کا زوال، نظریہ - عمل - رد عمل انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، 1993ء، ص۔ 127

نصرت خداوندی کے ذرائع کو استعمال کرنا بھی ضروری ہے اور ان روحانی قوتوں کو تربیتی نظام میں اور زیادہ متعارف کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

خلاصہ :

یوں تو پاکستان کی بنیاد برصغیر میں اس دن پڑ گئی تھی جس دن یہاں پہلا آدمی مسلمان ہوا تھا البتہ یہ نظریہ نسل در نسل مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا گیا اور نظریہ اسلام ہی آگے چل کر نظریہ پاکستان بنا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مسلمانوں کے ملی وجود کو غیر قوموں کے ساتھ اشتراک سے روکا۔ شاہ ولی اللہ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی قومی حیثیت کو مزید تقویت پہنچائی۔ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے طویل عرصہ تک دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کیا۔ گویا مجدد الف ثانیؒ سے لے کر قرار داد پاکستان تک ایک ہی رویہ اور ایک ہی نظریہ مختلف صورتوں اور تحریکوں میں کار فرما رہا کہ مسلمان غیروں کی غلامی کو کسی صورت قبول نہیں کر سکتے۔ پاکستان کا قیام دراصل اسی مزاج اور اسی نظریہ کی عملی صورت ہے۔

پاکستان ایک نظریہ کی بناء پر معرض وجود میں آیا جیسا کہ بانی پاکستان نے کہا کہ "پاکستان کا منشاء حصول استقلال و آزادی ہی نہیں بلکہ اسلامی نظریہ حیات اور اس کا تحفظ ہے"

قائداعظم نے اپنے ارشاد سے مسلمانان ہند، مسلم عساکر اور آگے چل کر عساکر پاکستان کی شکل اختیار کرنے والوں نے اسی نظریہ کی بنیاد پر ان کی ذہنی تربیت کی اور انہیں آزادی میں حصہ ڈالنے کے لئے تیار کرتے رہے۔ اور یہی لوگ بعد میں پاکستانی فوج کا حصہ بنے۔ برصغیر میں مساجد و مکاتب نے تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ مسجد کی تعمیر اسلامی معاشرہ کا لازمی جزو ہے۔ مسلم چونکہ بلوغت کے بعد عساکر میں شامل ہوتا ہے اس لئے مساجد و مکاتب کی تربیت اس کی شخصیت کو اسلام کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔

ہندوستان کے ساتھ کشمکش اور جنگوں کی وجہ سے عساکر پاکستان کی عملی تربیت ہوتی رہی دیگر نظریاتی ممالک کی سپاہ کے نظام تربیت سے استفادہ کرتے ہوئے افواج پاکستان کو اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے بہتر طور پر تیار کیا جا سکتا ہے۔

باب سوم

دینی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے تناظر میں افواج پاکستان کے موجودہ نظام تربیت کا جائزہ

ابتدائیہ:

عساکر کے لئے اسلام کے راہنما اصول

سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی عسکری زندگی کا آغاز ہجرت مدینہ کے بعد اور اختتام سن 8ھ میں غزوہ تبوک پر ہوتا ہے۔ ان 8 سالوں میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس 28 غزوات میں قیادت فرمائی اور تقریباً اتنی ہی "مہمات" آپ ﷺ نے روانہ فرمائیں۔ ان غزوات میں سے سوائے احد اور حنین کے سب میں آپ ﷺ کو کامیابی نصیب ہوئی۔ احد اور حنین میں جزوی شکست ہوئی لیکن بالآخر ان میں بھی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس طرح آنحضرت ﷺ تاریخ انسانی کے واحد عسکری قائد ہیں جنہیں کسی بھی محاذ پر شکست نہیں ہوئی۔ حضور ﷺ نے اپنے حسن تدبر، دور اندیشی، معاملہ فہمی، عسکری اور غیر معمولی سپہ سالارانہ قابلیت کی بنا پر لڑائی کے متعدد میدانوں کو سر کیا، ان غزوات کے نتیجے میں 274 مربع میل یومیہ کے حساب سے دس برس کے عرصہ میں اسلامی مملکت کا رقبہ براعظم یورپ (باستثنا روس) کے برابر ہو گیا۔

بلاشبہ تاریخ انسانی میں یہ ایک ایسی ریکارڈ کامیابی ہے جو آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے جرنیل کو حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک عظیم مدبر، معلم اخلاق، عادل حکمران اور انسان کامل تو تھے ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ ایک عظیم و بے مثال سپہ سالار بھی تھے۔

بحیثیت ایک مسلمان، خاص طور پر بحیثیت ایک سپاہی کے آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اپنے

مقاصد میں کامیابی کی خاطر حضور ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ یہ یقینی بات ہے کہ یہ مطالعہ آج کے دور میں بھی عساکر پاکستان کے لئے نہ صرف مشعل راہ ثابت ہو گا بلکہ بہت بڑا سہارا اور کامیابی کی ضمانت بھی۔

کوئی بھی جرنیل اس وقت تک جنگ میں کامیابی کا سوچ بھی نہیں سکتا جب تک اس کے ماتحت لڑنے والے جوانوں اور افراد کی خاطر خواہ نظریاتی اور عسکری تربیت مکمل نہ ہو چکی ہو کیونکہ غیر تربیت یافتہ افراد ایک بے ہنگم اور پراگندہ ہجوم کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا اور یہ ہجوم کامیابی نہیں بلکہ ناکامی کا ذریعہ ہی بنتا ہے۔ کامیابی کے لئے عسکری اور نظریاتی تربیت دونوں ہی اہم ہیں لیکن نظریاتی تربیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کا 13 سالہ مکی دور اسی نظریاتی تربیت پر مشتمل تھا، جس کی نہ صرف تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی بلکہ آج کے دور میں بھی اس کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ اس 13 سالہ تربیت میں تین حقائق کو قلب کی، نظر کی گہرائی میں اتار اگیا۔

الف۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی برتر و اعلیٰ ہے اس لئے وہی محبت کے بھی قابل ہے اور اطاعت کے بھی، کیونکہ اسی میں حقیقی کامیابی، خوشی، اطمینان قلب اور عظمت ہے۔

ب۔ آخرت کی زندگی ہی مقصود مومن ہے جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے اور جہاں ابدی اطمینان و انعامات حاصل ہوں گے۔

ج۔ بہترین راستہ، جہاد کا راستہ ہے اور بہترین موت، شہادت کی موت ہے۔

فکر و نظر کی یہی وہ عظیم تبدیلی تھی جس کے نتیجے میں ایک ایسی انقلابی جماعت برپا ہوئی جس کا ایک ایک فرد ہزار ہا باطل پرستوں اور مشرکین پر بھاری تھا۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ یہ حیرت انگیز تبدیلی کس طرح ممکن ہوئی اور اس کے بنیادی عناصر کیا تھے؟ قرآن و سیرت کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تربیت گاہ نبوی ﷺ سے فیض یاب ہونے والوں کے قلب و نظر کو تین عناصر نے متاثر کیا۔ ایک خود

حضور ﷺ کی ذات گرامی نے (لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ)[91]

دوسرا قرآن کریم (ھدی للناس)[92] اور تیسرا نماز نے (ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر)[93] دوسرے لفظوں میں تربیت میں ان تین عناصر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے یعنی ایک مربی، دوسرا کتاب اور تیسرا عمل یعنی تربیت، گویا ان تین میں سے اگر کوئی ایک بھی نہ ہو تو تربیت مکمل نہیں ہو سکتی اور نامکمل تربیت کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ نماز، اسلامی نظریہ زندگی کی ایک جامع علامت ہونے کے علاوہ جہاد کی عملی تربیت بھی ہے کیونکہ یہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنے رب کی کبریائی کی دن میں پانچ بار گواہی دیتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی محبت دل میں سرایت کرتی ہے۔ پھر اسی سے وہ نظم و ضبط کی تربیت حاصل کرتا ہے جو فوجی زندگی کی امتیازی خوبی ہے اور اسی سے اطاعت امیر کی مشق کرتا ہے جو جنگ میں کامیابی کے لئے ازحد ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ جنگ میں کامیابی کا انحصار سپاہ کی مکمل نظریاتی و عسکری تربیت پر ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے مسلم سپاہ کی نظریاتی اور عسکری تربیت کا مکمل اہتمام کیا۔ جہاد کی نیت سے لے کر واپس آنے تک کی ساری نقل و حرکت کے لئے تفصیلی تعلیمات و ہدایات جاری کیں۔ صحابہ کرامؓ نے ان ہدایات و احکامات پر پوری طرح سے عمل کیا اور یہ اعمال ہی گویا اسلامی افواج کی خصوصیات کا روپ دھار گئے۔ پاکستانی فوج کی ہمہ گیر تربیت کے لئے ان خصائل کا احاطہ اور اہتمام ضروری ہے۔

فصل اول ---- عساکر اسلام کے لئے عمومی ہدایات

1- ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلنا:

عساکر اسلام کی تربیت کیلئے بنیادی راہنما اصول یہی ہے کہ ہر حال میں جہاد کیلئے نکلا جائے جیسا

---

[91] القرآن - 33: 21
[92] القرآن - 2: 185
[93] القرآن - 29: 45

کہ ارشاد ربانی ہے:

انفروا خفافا و ثقالا و جاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللّٰہ [1]

کہ نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یعنی پیادہ اور سوار، فقیر اور غنی، جوان اور بوڑھے، جس حالت میں ہوں نکل کھڑے ہوں نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لائیں۔ [2]

ہلکے اور بوجھل کے الفاظ بہت وسیع مفہوم رکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب نکلنے کا حکم ہو چکا ہے تو بہرحال تم کو نکلنا چاہئے خواہ برضا و رغبت، خواہ بکراہت، خواہ خوشحالی میں، خواہ تنگ دستی میں، خواہ سازو سامان کی کثرت کے ساتھ، خواہ بے سروسامانی کے ساتھ، خواہ موافق حالات ہوں یا غیر موافق، خواہ جوان و تندرست ہوں اور خواہ ضعیف و کمزور۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھاری یا تھوڑی جمعیت کے ساتھ جہاد جاری رکھنا چاہئے اور جہاد کے لئے مالی و جانی قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہئے یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہمارے پاس بھی اتنا ہی بوجھل یا زیادہ سامان جنگ ہو جتنا دشمن کے پاس ہو اگر ہم ہلکے یعنی کم سامان کے ساتھ جہاد کے لئے نکلیں تو تیز حرکت سے دشمن پر وار کر سکتے ہیں۔ ان سب آیات میں مختلف جنگی چالوں کی طرف اشارہ ہے جن کو ہمارے پیارے آنحضرت ﷺ نے ضرورت کے مطابق اپنے لشکر والوں کو سمجھایا۔ ان میں سے بہت سی باتیں آج کل کی جنگوں میں بھی اپنائی جا سکتی ہیں۔

2۔ نفیر عام اور جہاد کے لئے پوری قوت لگانا:

رسول اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے روز نفیر عام کی تربیت کے لئے یوں فرمایا:

---

[1] القرآن۔ 9:41

[2] شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ المنورۃ، ص 257

لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد و نية و اذا استنفرتم فانفروا[1]

کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا ثواب نہیں؟ ہاں جہاد اور خلوص نیت باقی ہے جب تم سے جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو تم سب کے سب نکل کھڑے ہوا کرو۔

دوسرے موقع پر تمام صلاحیتوں کو جہاد کے لئے وقف کرنے کے بارے میں یوں ارشاد نبوی ﷺ ہوا۔ جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم[2]

کہ مشرکوں کے خلاف جہاد کرو، اپنے مالوں کے ساتھ، اپنی جانوں کے ساتھ، اپنی زبانوں کے ساتھ، اسی طرح نشانہ بازی کی تربیت حاصل کرنے پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة الا ان القوة الرمي الا ان القوة الرمي۔ الا ان القوة الرمي[3]

"دشمنوں کے لئے اپنی طاقت کے مطابق قوت تیار کرو" - پھر تین مرتبہ فرمایا قوت سے مراد تیراندازی ہے (موجودہ دور میں اس سے مراد فائر ہے)

3- قبل از وقت دفاعی اقدامات:

ہمہ وقت تیار اور برسرپیکار رہنا دو وجوہ سے نہایت ضروری ہے ایک تو اللہ کے ذکر کو دوام دینے کے لئے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔

ولو لا دفع اللّٰه الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع و صلوٰت و مساجد يذكر فيها اسم اللّٰه كثيرا[4]

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 390/1
وابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، ص: 280/2
[2] السیوطی، جلال الدین، الجامع الصغیر، باب فضل الرمی، اصح المطابع، کراچی، 554/1
[3] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 143/2
وابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 294/2
[4] القرآن - 40:22

کہ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے۔ سب مسمار کر ڈالی جاتیں۔ لہٰذا مظلوموں کی دستگیری کے لئے اور انہیں ظالموں سے نجات دینے کے لئے، کسی مسلمان کے لئے قانوناً یا اخلاقاً جائز نہیں ہے کہ دنیا کے کسی خطہ کے اندر مسلمان ستائے جا رہے ہوں، مسلمان عورتوں کی جان و آبرو سے کھیلا جا رہا ہو اور معصوم بچوں کو نشانہ عذاب بنایا جا رہا ہو اور مسلمان خاموش رہیں، ایسی حالت میں مسلمانوں کو مظلومین کی حمایت و آزادی کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ خدا تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔

اسلام میں جنگ کا تصور کلی ہے۔ یہ زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے اور تمام لوگوں کی شمولیت کا تقاضا کرتا ہے۔ نیم دلانہ کاوش کا کوئی تصور نہیں ہے یا تو امت مسلمہ ظالموں کے ساتھ برسرپیکار ہے یا باقی انسانیت کے ساتھ بقائے باہمی کی حالت میں ہے۔ اسلام میں منافقت کی کوئی گنجائش نہیں۔

جہاد ایک ایسا فریضہ ہے جو تمام مسلمانوں پر لازم ہے اس لئے ہر مسلم پر اس کے لئے تیاری کرنا اور میدان جہاد میں اترنا ضروری ہے مزید برآں یہ کہ مسلمانوں کو باہم مل کر یہ فریضہ ادا کرنا ہو گا۔ جغرافیائی تقسیم سے قطع نظر اور جب کبھی بھی اس کا مطالبہ ہو گا لبیک کہنا ہو گا۔ قرآن مجید کے الفاظ تیاری کے ضمن میں یوں ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا خذوا حذرکم [۹۵] "اے ایمان والوں لے لو اپنے ہتھیار"

اس سے یہ بھی مراد ہے کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم کے، اپنی تیاری دفاع کے بلاوے سے بہت پہلے کر لینی چاہئے۔ اصل میں یہ حکم مزاحمہ تیاری کا تقاضا کرتا ہے جس کی تائید قرآن یوں کرتا ہے:

---

[۹۵] القرآن۔ 71:4

واعدوالهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو اللّٰہ و عدو کم و آخرین

من دونهم لا تعلمونهم اللّٰہ یعلمهم [95]

اس آیت میں بے شمار ایسے نکات ہیں جو مستقل اور محتاط توجہ کے طالب ہیں۔ [96]

الف۔ یہ آیت واضح طور پر تائید کرتی ہے کہ ساری امت مسلمہ کے وسائل مجتمع کئے جائیں تاکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے وجود، وقار اور ترقی کے لئے درپیش مسائل سے نمٹا جا سکے۔

ب۔ یہ آیت ایک ہمہ وقتی فوج کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مسلمانوں کو اپنی اس اشد ضرورت سے صرف نظر نہیں کرنی چاہئے اور اپنے دفاع کے لئے صرف ہنگامی حالات میں فوجی بھرتی تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔ البتہ اس کے علاوہ دوسری دفاعی لائن سے بے فکر نہیں ہو جانا چاہئے۔ جو لازمی فوجی بھرتی کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ حقیقت میں جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے اور تمام مسلمانوں کو اس کے لئے تیار کرنا اس کے فلسفہ میں داخل ہے۔ مستقل فوج کے قیام کا حکم اس امر کے لئے ہے کہ نہ صرف ہر مسلمان جہاد میں حصہ لینے کے لئے مستعد رہے بلکہ مستقل فوج کو ایک ہی لمحے میں میدان میں اتر جانا چاہئے۔

ج۔ اس آیت میں گھوڑوں کی تیاری سے مراد متحرک قوت لینا مناسب ہو گا جو زمین، سمندر اور ہوا میں جدید دور کے جنگی تصور کے مطابق فعال ہو۔

د۔ جنگی تیاری ان سب لوگوں کے خلاف درکار ہو گی جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کا دشمن ظاہر کیا ہے یہ وہ دشمن ہیں جو کمزور قوم پر ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں یا اقلیتوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہو چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلم امت جب جنگ کی تیاری کر رہی ہو اسے نہ صرف عالمی صورت حال کو

---

[95] القرآن - 8-60

[96] Soldiers Speak, Selected Articles from Pakistan Army Journal 1956 61, Army Education Press, GHQ, Rwp, Brig (R) Gulzar Ahmad, Totality of War in Islam, P 13

سامنے رکھنا چاہئے بلکہ دنیا کی غیر مسلم جابر اقوام کے وسائل کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمان یورپ کی متحدہ قوم کے مقابلہ میں ایک کلی جنگ کے لئے مل کر مقابلہ کرنے سے قاصر رہے، وہ ناکام رہے اور ارض مقدس گنوا بیٹھے مگر نوے سال بعد جب متحد ہو کر لڑے تو انہوں نے قابض قوم کو باہر نکال پھینکا اور پھر جب اسپین میں وہ متحد نہ رہے تو نکال دیئے گئے۔[91] اسی طرح وہ جزیرہ کریٹ، مالٹا اور مشرقی یورپ سے غائب ہو گئے اور اسی طرح کی دوسری سرزمین سے جب وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ جنگ اسلام میں ایک کلی امر ہے اور اس امر کی متقاضی ہے کہ تمام مسلمان دنیا کے تمام طبعی، فکری اور روحانی ذرائع کو جمع کیا جائے۔ اس سے کم کسی درجے کی کاوش مسلم امت کے آفاقی تقاضوں کی حفاظت نہیں کر سکتی۔

جہاد کے فلسفہ اور اس کی مکمل تنفیذ سے یہ نتیجہ نکالنا بجا ہو گا کہ اسلام کی ابتدائی فتوحات کا دارومدار زیادہ تر اللہ پر اعتماد اور موت تک لڑنے کے جذبہ پر تھا۔ وہ اس لئے کامیاب ہوئے کہ وہ موت سے خائف نہ تھے۔ آج بھی کوئی ہتھیار کسی مجاہد کو میدان کارزار سے بھاگنے پر مجبور نہیں کر سکتا اور اگر کوئی قوم اپنے مقصد کے لئے مرنے کے لئے تیار ہو تو اسے شکست نہیں دی جا سکتی۔ وہ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جذبہ جہاد سے محروم ہیں انہیں مسلمانوں کی مسلح افواج سے دور رکھنا چاہئے۔ ان کی موجودگی فوجی قیادت کو کمزور کر دے گی۔ لہٰذا جوں جوں حالات سخت آتے جائیں۔ صرف انہی کو اللہ کے راستے میں ہتھیار اٹھانے چاہئیں جنہیں مسلم امت کے دفاع کے لئے اللہ کے احکامات کا پورا یقین ہے۔

4- جہاد کے لئے خواتین کی تربیت:

نبی اکرم ﷺ کی سیرت میں جہاں مردوں کی زندگی کے لئے جہاد مسلسل کا حکم ہے وہاں عورتوں کو

---

[91] Soldiers Speak, Selected Articles from Pakistan Army Journal 1956 81, Army Education Press, GHQ, Rwp, Brig (R) Gulzar Ahmad, Totality of War in Islam, P 14

اپنا حصہ ڈالنے کی تعلیم ہے۔ صحابیات کی زندگی میں اس کی واضح مثالیں ملتی ہیں۔

الف۔ زخمیوں کو پانی پلانا:

غزوہ احد میں حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں جب مشکیزے خالی ہو جاتے تو دوبارہ بھر کر لاتی تھیں۔[51]

ب۔ مرہم پٹی کرنا:

ام سلیمؓ اور انصار کی دوسری چند خواتین مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔[52]

ج۔ زخمیوں اور مقتولوں کو اٹھا کر لانا:

ربیع بنت معوذؓ جنگ احد میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک جنگ تھیں زخمیوں اور مقتولوں کو مدینہ اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں۔ ام عطیہؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ کیمپ کی حفاظت کرتی تھیں۔ سپاہیوں کے لئے کھانا پکاتیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی تیمارداری کرتیں۔[53]

د۔ اپنی حفاظت آپ:

حضرت ام سلیمؓ جنگ حنین میں ایک خنجر ہاتھ میں لئے پھر رہی تھیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ کس لئے ہے کہنے لگیں اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ قبیلہ بنی غفار کی ایک خاتون چند خواتین کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا یا نبی ﷺ آپ خیبر کی جنگ میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔ ہم مجروحین کی مرہم پٹی کریں گی اور اپنی ہمت کے مطابق مسلمان لشکریوں کا ہاتھ بٹائیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کا نام لے کے چلتی رہو۔[54]

---

[51] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب غزوۃ النساء، اصح المطابع، کراچی، 403/1

[52] نفس المصدر، 403/1   [53] نفس المصدر، 403/1

[54] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل، کراچی، 226/1

و ابن ہشام، عبدالملک، سیرۃ النبی ﷺ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 522/2

اوپر کی روایات سے ثابت ہوا کہ خواتین بھی جہاد میں حصہ لیتی تھیں مگر جنگ نہیں لڑتی تھیں بلکہ جنگی خدمات انجام دیتی تھیں۔ مثلاً زخمیوں کی مرہم پٹی، بیماروں کی تیمارداری، کیمپوں کی حفاظت، مجاہدین کے لئے کھانا تیار کرنا، پیاسوں کو پانی پلانا اور لشکر اسلام کی ایسی ہی دوسری خدمات بجالانا جس سے مجاہدین کو جنگی تعاون حاصل ہوتا۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ جو عورتیں جہاد میں جاتی تھیں بالعموم ان کے خاوند بھی جنگ میں شریک ہوتے تھے۔ عورت کو آپ ﷺ نے اہل قتال میں شامل نہیں فرمایا کیونکہ جہاد اس پر فرض نہیں اس لئے اسے مال غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ بھی نہیں دیا۔ عورتوں کو باقاعدہ فوج میں بھرتی کرنا اسلام کی پالیسی سے خارج ہے البتہ وہ اپنی جان اور آبرو کی حفاظت کے لئے ہتھیار اٹھا سکتی ہیں اور "اپنی حفاظت آپ" کی بنیاد پر وہ اسلحہ کے استعمال کا طریقہ بھی سیکھ سکتی ہیں۔

5۔ فوجی تربیت اور اسلحہ سازی پر مداومت:

رسول اللہ ﷺ نے فوجی تربیت کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ بہ نفس نفیس گھڑدوڑ کے میدان میں جاتے اور جیتنے والوں میں انعامات تقسیم فرماتے۔ تیراندازوں کو نشانہ بازی کی مشق کرائی جاتی۔ پتھر پھینکنے کی تربیت دی جاتی اور اسی طرح کے دوسرے فنون حرب میں نوجوانوں کی زبردست حوصلہ افزائی ہوتی۔ نیز رسول اکرم ﷺ نے ہر جنگ سے پہلے پوری طرح سامان مکمل کیا اور اپنی مادی و معنوی انتہائی طاقت اکٹھی کرنے میں کبھی تردد سے کام نہ لیا۔

اسلحہ بازی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر بھی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی کہ:

ان اللّٰہ تعالیٰ یدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر فی الجنة صانعه یحتسب فی صنعته الخیر والرامی به والممد به[1]

یعنی ایک تیر تین مسلمانوں کے داخلہ جنت کا سبب بن جاتا ہے

---

[1] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، ص: 610

الف۔ جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کرنے والا۔

ب۔ بنانے والا جو اپنے عمل میں ثواب و اجر خداوندی کا یقین رکھتا ہو۔

ج۔ اس شخص کو جو گرے ہوئے تیر اٹھا اٹھا کر پھر تیر انداز کے حوالے کرتا ہے۔

پس تم تیر اندازی کیا کرو۔ اسپ رانی کیا کرو اور ہاں! تمہاری تیر اندازی تمہاری اسپ رانی سے مجھے زیادہ عزیز ہے یہی بات رائفل کی گولی، توپ کے گولوں، اور دوسرے اسلحہ پر صادق آتی ہے۔

اسی طرح ہتھیاروں کے اہتمام اور موثر استعمال کے بارے میں واضح تعلیمات دیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ میں ایک عربی کمان تھی۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو فرمایا، یہ کیا ہے؟ اسے پھینکو اور یہ اس قسم کی (کمان) اور لمبے دستوں والے نیزے اپنے پاس رکھو۔ ان کے ذریعہ دین کی حمایت میں اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں زمین میں غالب کرے گا۔[51] حضرت ابو اسیدؓ سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب ہم قریش سے مقابلہ کے لئے صف آرا ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جب وہ تمہارے قریب آئیں تو ان پر تیر برساؤ لیکن اپنے سارے تیر (ایک ہی وقت میں) استعمال نہ کر ڈالو[52] اس کے ساتھ اسلام نے عسکری تعلیم اور اخلاقی تربیت کی پر زور تلقین کی ہے اور تربیت یافتہ فوج کو جنگ کا لازمہ قرار دیا ہے۔ اس حقیقت کو آج یوں تسلیم کیا جا رہا ہے۔ "غیر تربیت یافتہ فوجوں کو جنگ میں روانہ کرنے کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔"[53]

حضور ﷺ جس نظام حیات کو لائے ہیں اس میں ملت کے ہر بالغ مرد پر فوج کی صفوں میں شامل ہو کر جہاد کرنا دینی فرائض میں شامل ہے بلکہ جہاد کو بہترین عبادت کہا گیا ہے اس لئے کہ ان افراد کی اخلاقی

---

[51] ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1990ء، 525/2
رعبد الحمید ابو سلیمان، اسلام اور بین الاقوامی تعلقات، منظر و پس منظر، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، 1989ء، ص 40-41

[52] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، قرآن محل، کراچی، 94/2

[53] بریگیڈیر گلزار احمد، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک بک سنٹر لاہور، 1982ء، ص:205

تربیت اور کردار کی پختگی اور بلندی پر ہر لحہ کڑی نگرانی کے لئے احکامات دیے گئے ہیں۔

6- قیدیوں اور دشمن کے ساتھ حسن سلوک:

اسلام سے پہلے اسیران جنگ کے متعلق دو ہی متفقہ فیصلے تھے ایک قتل دوسرے دائمی غلامی، تیسرا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکمت عملی اپنائی کہ نہ ان کو قتل کیا گیا، نہ ایذا پہنچائی گئی۔ بلکہ ان سے بہتر سلوک کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں اور جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا از راہ احسان چھوڑ دیا جو بالکل اس قرآنی حکم کے مطابق تھا:

"فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء حتیٰ تضع الحرب اوزارھا"[1]

ترجمہ: "تو ان کو قید کر لو۔ اس کے بعد یا احسان رکھ کر یا کچھ بدلہ لے کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ لڑائی بند ہو جائے۔" مثلاً جنگ بدر کے ستر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اور فتح مکہ کے بعد "لا تثریب علیکم الیوم یغفراللہ لکم۔"[2] کا اعلان فرما کر آپ ﷺ نے ہزاروں لوگوں کو نہ تو قید کیا اور نہ ہی ان کو غلامی میں لیا۔ حالانکہ وہ مغلوب ہو چکے تھے۔[3]

غرض حضور ﷺ نے تدارک تشدد اور تحفظ دعوت اسلام کے لئے جنگیں کیں تاکہ دنیا میں امن و امان رہے اور فتنہ و فساد بڑھنے نہ پائے اور جنگ کی صورت میں ان بد عہدوں اور بد کرداروں کو اسی حد تک سزا دی جس حد تک ان کا جرم تھا اس سے تجاوز نہ کیا اور حملہ کرنے میں بھی ابتداء نہ کی۔ البتہ جب کوئی حملہ ہوا تو پوری طرح مدافعت کی اور اگر حملہ کی نوبت بھی آئی تو پہلے دشمن کو خبردار کر دیا تاکہ وہ بے خبری میں مارا نہ جائے کیونکہ یہ ایک ظلم ہے اور اسلام میں ظلم روا نہیں۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ تھا کہ تبوک میں قیصر روم کو مسلمانوں کی مستعدی کی وجہ سے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور نبی اکرم ﷺ نے

---

[1] القرآن۔ 47-4

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، قرآن محل، کراچی، 576/2

[3] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور 35/2
و ابن ہشام، عبد الملک، سیرۃ النبی ﷺ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 469/2

بلا ضرورت اس کا پیچھا کرنے کو ضروری نہ سمجھا۔ البتہ اس جرأت مندانہ اقدام کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ تبوک میں قیام کے دوران وہ سرحدی ریاستیں جو اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں ریاست نبوی ﷺ کی باج گزار بن گئیں۔ اس طرح ریاست نبوی ﷺ کی حدود براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پہنچ گئیں۔[1] اسی طرح حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے مسلمانوں سے بہتر سلوک کے پیش نظر فرمایا تھا کہ اہل حبشہ سے اس وقت تک تعرض نہ کرو جب تک وہ پیش دستی نہ کریں۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے جنگ کا ایک اصول یہ وضع کیا کہ کسی دشمن کے خلاف جنگ اس وقت تک شروع نہ کی جائے جب تک اسے اس امر کی اطلاع یا تنبیہہ نہ کر دی جائے۔ اور ہمیشہ اس حکم باری تعالیٰ پر عمل در آمد کیا:

"واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیھم علیٰ سواء ان اللّٰہ لا یحب الخائنین"۔[3]

ترجمہ: "اگر ایک گروہ سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہئے کہ ان کا عہد ان پر لوٹا دو۔ اس طرح دونوں جانب یکساں حالت میں ہو جائیں۔ اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے مطابق تمام بنی نوع انسان بحیثیت خلقت آپس میں برابر اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی شخص یا قوم، نسل، رنگ یا علاقہ کی بنیاد پر دوسرے سے برتر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدہ"[4] "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔" غیر مسلموں کے نزدیک جنگی کیفیت کچھ اور ہے جیسا کہ بعض عسکری مفکرین کی رائے ہے کہ:

"جنگ ایک ایسا عمل ہے جس میں دو فریق ایک دوسرے کو اس طرح پچھاڑنا چاہتے ہیں جس طرح دو پہلوان اکھاڑے میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ مزید مزاحمت کے قابل نہ رہیں۔"[5] یا یہ کہ "جنگ ایسا شدت آمیز عمل ہے جس سے ہم دشمن کو اپنی خواہشات ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں"۔[6]

---

[1] اسد سلیم شیخ، رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص 69

[2] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983، 112/4

[3] القرآن - 8: 58

[4] القرآن - 4: 1

[5] بریگیڈیر گلزار احمد، غزوات رسول اللہ ﷺ (ہجرت سے بدر تک) حصہ اول، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1982ء، ص 31

[6] نفس المصدر، ص: 32

جنگی لحاظ سے یہ بات درست ہے مگر جس بات کی یاد دہانی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کی شدت کے باوجود جنگ میں حصہ لینے والے فریقین کو حلقہ انسانیت سے خارج نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے جنگ میں اپنی اپنی طاقت کو شدت سے استعمال کرنے کے باوجود فریقین کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ وہ کسی کا دشمن بننے سے قبل انسان ہے اور اس کے دشمن بھی انسانی برادری ہی کے افراد ہیں۔ عالم انسانی کی جنگوں کے علاوہ کسی جنگ میں بھی اس بنیادی حقیقت کو سامنے نہیں رکھا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہ رہی ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرے تمام نظام ہائے حیات جنگ سے متعلق احکام و اوامر سے عاری ہیں اور ان نظامہائے حیات کے بانیوں نے اپنے عمل سے جنگ لڑنے کی مثال نہیں چھوڑی جس پر کاربند رہ کر ان کے پیرو جنگ کو انسانی اخلاق و کردار کی حدود کے اندر رکھ سکتے۔ جنگ میں بھی احترام انسانیت کا اعزاز صرف اسلام ہی کو حاصل رہا ہے۔

7- سلامتی اور بقاء باہمی کی ترویج:

افواج پاکستان میں اسلامی تعلیمات کو رواج دینے کے لئے کتابیں اور مضامین چھپتے رہتے ہیں۔ اسی نوع کے ایک فعال میگزین کی عبارت عنوان بالا پر یوں ہے:

"اسلام سلامتی کا دین ہے البتہ مجبوری میں طاقت کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن بنیادی طور پر اسلام یعنی سلامتی کی تبلیغ کرتا ہے۔ مومن کا اصل معنی کوئی ایسا فرد ہے جو سلامتی کی ضمانت دے۔" قرآن کے دیئے ہوئے نظام زندگی کو اسلام کہتے ہیں جو سلامتی ہی کا دوسرا لفظ ہے۔ مسلمان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاشرے میں ظلم و تعدی کے ماحول کو پسند نہیں کرتا اور مومنوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ معاشرے میں سلامتی والا ماحول پیدا کریں۔"[سلہ] جس کے بارے میں یوں ارشاد ہے:

"ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها۔[سلہ] اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد"

اس میگزین میں مزید لکھا ہے کہ اسلام پر امن بقائے باہمی کا داعی ہے۔ ایک خاص طرز زندگی کے پیروکاروں کو

سلہ Brig. Ihsan ul Haq, Soldiers Speak, Selected Articles from Pakistan Army Journal, 1956 61, Army Education Press, GHQ, Rwp. p 81

سلہ القرآن۔ 7 : 56

اپنی اقدار ان لوگوں پر نہیں ٹھونسنی چاہئیں جو دوسرے نظریات کے حامل ہیں اور انہیں پرامن طریقے سے اپنائے ہوئے ہیں۔ قرآن بھی یہی راہنمائی کرتا ہے:

"لکم دینکم ولی دین۔"[1] "تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ"

مختصراً یہ کہ اسلام عام حالات میں سلامتی کی تبلیغ کرتا ہے لیکن ایک عملی طرز زندگی ہونے کی بنا پر اس چیز کا بھی ادراک رکھتا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ امن کو برقرار رکھنا ناممکن ہوگا کیونکہ جو امن میں یقین نہیں رکھتے وہ اسے خطرے میں ڈال سکتے ہیں اور یوں مومنین کو طاقت استعمال کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں تاکہ امن کو بحال کیا جا سکے۔

8۔ اسلامی قانونی صلح و جنگ:

الف۔ عمومی ہدایات:

رسول ﷺ نے معاہدات کے بہت سے اصول مقرر فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہ خود کی اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا دین لمن لا عهد له"۔[2]

ترجمہ: "جس نے وعدہ خلافی کی وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔" "حسن العهد من الایمان"[3] یعنی عہد کی پاسداری ایمان کا حصہ ہے۔

رسالت مآب ﷺ نے اہل یثرب سے درج ذیل امور پر باقاعدہ بیعت لی:

"ان لا نشرک باللّٰہ شیئا، ولا نسرق ولا نزنی ولا نقتل اولادنا ولا نأتی ببهتان نفتریه بین ایدینا وارجلنا، ولا نعصیه فی معروف۔"[4]

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

---

[1] القرآن۔ 6:109

[2] احمد بن محمد بن حنبل، المسند، دارالمعارف، مصر، 1950ء، 223/9
و شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ آرمی بک کلب، راولپنڈی، 455/6

[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، 202/2

[4] الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان، السیرۃ النبویۃ، دارالکتاب العربی، بیروت 1989ء، ص۔ 292

(2) ہم چوری نہیں کریں گے۔

(3) ہم زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

(4) اولاد کے قتل سے اجتناب کریں گے۔

(5) ہم باہمی بہتان طرازی سے پرہیز کریں گے۔

(6) ہم آپ ﷺ کی معروف و نیک امر میں نافرمانی نہیں کریں گے۔

یہ عہد مذہبی میثاق بھی ہے اور فوجی معاہدہ بھی۔

ب۔ صلح کی پیش کش کو قبول کرنا:

آپ ﷺ نے بلاجواز جنگ سے ہمیشہ گریز کیا اور ان راستوں کو پسند فرمایا جو صلح کی طرف مائل تھے اور جب بھی دیکھا کہ دشمن مائل بہ صلح ہے تو آپ ﷺ نے اسے فوری قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ طرز عمل قرآن کے اس اشارہ کے بالکل عین مطابق تھا:

"وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللّٰہ۔"[1]

ترجمہ۔ "اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ ﷺ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں۔"

ج۔ معاہدات کا احترام:

اسلام نے اس اصول پر بطور خاص زور دیا ہے کہ معاہدات کا پورا پورا احترام کیا جائے۔ معاہدے پر عمل درآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ اور نقض عہد کو بدترین عمل قرار دیا ہے اور اس امر کی طرف راہنمائی فرمائی ہے کہ معاہدے کا حقیقی مقصد امن اور سلامتی بحال کرنا ہے خواہ حالات کتنے ہی اضطراب انگیز اور تشویش ناک کیوں نہ ہوں۔ اور اس بات سے خبردار کیا ہے کہ معاہدے پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود"۔[2]

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے معاہدات پورے کیا کرو۔"

---

[1] القرآن ۔ 8 ۔ 61

[2] القرآن ۔ 5 ۔ 1

"واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا ۔"[1]

ترجمہ "اور تم عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔"

خلاصہ:

اگر جنگ کا مقصد کمزور قوموں کی آزادی چھیننا، ملکوں کی دولت لوٹنا اور بندگان خدا کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا ہو تو ایسی جنگ خواہ کتنے ہی نظم کے ساتھ کی جائے، خواہ اس میں غیر مقاتلین کی عصمت، زخمیوں کی حفاظت، اموات کی حرمت اور معابد کی عزت کا کتنا ہی لحاظ رکھا جائے، خواہ اس میں لوٹ مار، آتش زنی، تباہ کاری، قتل عام اور ہتک حرمات سے کتنا ہی پرہیز کیا جائے، بہرحال وہ اصلیت کے اعتبار سے ظالمانہ جنگ ہی رہے گی اور اس انضباط و انتظام سے اس کی نوعیت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہو گا کہ وہ ایک بدتر ظلم نہ ہوگی، خوش تر ظلم ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر جنگ کا مقصد نہایت شریف ہو، مثلاً وہ کسی جائز حق کی حفاظت یا دفع فساد و رفع شر کے لئے لڑی جائے مگر اس کے طریقے ظالمانہ ہوں، اس میں کسی قسم کے اخلاقی حدود ملحوظ نہ رکھے جائیں اور لڑنے والوں کا مطمع نظر محض دشمن کو تباہ اور اس کو مبتلائے عذاب کر کے جذبہ انتقام کی آگ بجھانا ہو، تو ایسی جنگ بھی حق کے راستہ سے ہٹی ہوئی ہوگی۔ اور اس کے لڑنے والے اصلاً برحق ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ظالموں کی صف میں پہنچا دیں گے۔

پس ایک جائز اور خالص حق پرستانہ جنگ کی تعریف یہ ہے کہ اس کا مقصد اور طریق حصول مقصد دونوں پاکیزہ اور اشرف و اعلیٰ ہوں۔[2]

فصل دوم ۔۔۔۔ عساکر اسلام کے لئے تربیتی احکامات:

1۔ نصرت خداوندی طلب کرتے رہنا:

آنحضرت ﷺ نے عساکر اسلام کو جہاد کے ہر مرحلہ میں اللہ سے مدد مانگنے اور میدان جنگ میں دعاؤں کا

---

[1] القرآن ۔ 17:34

[2] مودودی، ابو الاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1981ء، ص 81

اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگو اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر سے کام لو۔ اور جان لو کہ جنگ تلواروں کے سایہ تلے ہے۔"

اس کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھی:

"اللهم منزل الكتاب و مجرى السحاب و هازم الاحزاب اهزمهم و انصرنا عليهم۔"

"اے اللہ کتاب کو نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے، احزاب کو شکست دینے والے! ان کفار کے پاؤں اکھاڑ اور ہمیں ان پر کامیاب فرما۔"

نبی اکرم ﷺ جب فوجوں کو الوداع فرماتے تو کہتے:

"استودع الله دينكم و امانتكم و خواتيم اعمالكم"۔

"تمہارا دین، تمہاری امانت داری اور تمہاری آخری نیک اعمال اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بقیع الغرقد تک اہل لشکر کے ساتھ آئے اور پھر ان کو روانہ کیا اور فرمایا:

"انطلقوا على اسم الله، و قال اللهم اعنهم"

"چل پڑو، اللہ کے نام پر اور ان کے لئے یہ دعا مانگی "اے اللہ! ان کی مدد فرما"

رسول اللہ ﷺ جب معرکہ قتال میں اترتے تو یہ دعا مانگتے۔

"اللهم انت عضدى و نصيرى بك احول و بك اصول و بك اقاتل"

"اے اللہ! تو میرا قوت بازو ہے، تو میرا مددگار ہے، تیری مدد کے بل پر میں تدبیر کرتا ہوں اور تیری نصرت سے حملہ آور ہوتا ہوں اور تیری طاقت سے دشمن سے لڑتا ہوں"

احزاب کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

"اللهم منزل الكتاب سريع الحساب اهزم الاحزاب، اللهم اهزمهم و زلزلهم۔"

البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 425/1

ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 323/2

نفس المصدر، 352/1

نفس المصدر، 334/2

البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979، 116/2

"اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلدی حساب لینے والے، احزاب کو شکست دے۔ اے اللہ! ان کے پاؤں اکھاڑ اور ان میں افراتفری پیدا کر"

2- فرار کی ممانعت:

جناب رسول اللہ ﷺ نے جہاں میدان میں اللہ سے مدد مانگنے کے لئے دعائیں بتائی ہیں۔ وہاں میدان جنگ کے دوسرے احکام سے بھی آگاہ کیا ہے۔ میدان جنگ سے فرار کی ممانعت کے لئے ارشاد نبوی ہے۔

"الذین ان یلقوا فی الصف لا یلفتون وجوھھم حتیٰ یقتلوا۔"[1]

آپ ﷺ نے فرمایا: افضل ترین شہداء وہ ہیں جو میدان جنگ کے اندر قتل تو ہو جاتے ہیں مگر منہ نہیں پھیرتے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انسان کے اندر سب سے بڑی برائیاں دو ہیں۔ تھڑدلا بنا دینے والا بخل اور میدان سے بھگا دینے والی بزدلی۔[2] دشمن کے شدید دباؤ پر مرتب پسپائی (Orderly Retreat) ناجائز نہیں ہے۔ جبکہ اس کا مقصود اپنے عقبی مرکز کی طرف پلٹنا یا اپنی ہی فوج کے کسی دوسرے حصے سے جا ملنا ہو۔ البتہ جو چیز حرام کی گئی ہے وہ بھگدڑ (Rout) ہے۔ جو کسی جنگی مقصد کے لئے نہیں بلکہ محض بزدلی اور شکست خوردگی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لئے ہوا کرتی ہے کہ بھگوڑے آدمی کو اپنے مقصد کی بہ نسبت جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ ایک شخص کا بھگوڑا پن بسا اوقات ایک پوری پلٹن کو اور ایک پلٹن کا بھگوڑا پن ایک پوری فوج کو بدحواس کر کے بھگا دیتا ہے اور پھر جب ایک دفعہ کسی فوج میں بھگدڑ پڑ جائے تو کہا نہیں جا سکتا کہ تباہی کس حد پر جا کر ٹھہرے گی۔

محاذ جنگ میں جس طرح مقاتل فوج کے لئے بھگدڑ حرام ہے اسی طرح جنگ سے متاثر ہونے والی شہری آبادی کے ذمہ دار لوگوں اور افسروں اور عوام الناس کے لئے بھی اپنے اپنے شہروں سے بھاگ اٹھنا حرام ہے۔ الا یہ کہ خود جنگی مقاصد کے تحت بعض آبادیوں کا انخلاء عمل میں آئے اور فوج یا حکومت کی طرف سے اس انخلاء کی اجازت یا اعلان

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979ء، 116/2

[2] احمد بن محمد بن حنبل، المسند، دار المعارف، مصر، 1950ء

ہو۔ علامہ ابوالحسن الماوردی الاحکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں: مجاہد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرے اور اپنے سے دوگنی طاقت سے منہ نہ پھیرے۔[91]

چنانچہ مسلمان پر اپنے سے دوگنی طاقت سے دو حالتوں کے علاوہ فرار اختیار کرنا حرام ہے۔ ایک یہ پسپائی قتال ہی کے مقصد و منصوبہ کے تحت ہو۔ دوسرے کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لئے، خواہ وہ فوج قریب ہو یا بعید۔ اگر وہ دوگنی طاقت کے مقابلے سے عاجز ہو اور ثابت قدمی کی صورت میں اسے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ تو بھی اسے پشت دکھا کر بھاگ اٹھنا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ مجاہد کو چاہئے کہ وہ جب تک لڑ سکتا ہے دشمن سے لڑتا رہے اور عجز اور خوف قتل کی صورت میں جان بچانا چاہے تو بچالے۔[92]

3۔ کثرت کے غرور سے اجتناب کا حکم:

کثرت کے غرور کو اسلام نے پسند نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم"[93]

"حنین کے روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرور تھا۔"

غزوہ حنین 8 ہجری میں طائف کے قریب پیش آیا تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے بارہ ہزار فوج تھی جو اس سے پہلے کبھی کسی اسلامی غزوہ میں اکٹھی نہیں ہوئی تھی اور دوسری طرف کفار ان سے بہت کم تھے لیکن اس کے باوجود قبیلہ ہوازن کے تیراندازوں نے ان کا منہ پھیر دیا اور لشکر اسلام بری طرح تتر بتر ہو کر پسپا ہوا۔ اس وقت صرف نبی کریم ﷺ اور چند مٹھی بھر جانباز صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین تھے جن کے قدم اپنی جگہ جمے رہے اور انہی کی ثابت قدمی کا نتیجہ تھا کہ دوبارہ فوج کی ترتیب قائم ہو سکی اور بالآخر فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔[94] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس غلط گھمنڈ کی طرف اشارہ کیا ہے جو مسلمانوں کو اس غزوہ میں اپنی کثرت سے پیدا ہو گیا تھا۔

رسول ﷺ نے فرمایا "نہیں مغلوب ہوں گے تم بارہ ہزار کی تعداد، قلت تعداد کی وجہ سے۔"[95] یہ اشارہ

---

[91] الماوردی، امام ابوالحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ادارہ اسلامیات، لاہور 1988ء، ص 85

[92] نفس المصدر، ص:86

[93] القرآن - 9 25

[94] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء، 617/2

[95] ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، السجستانی، السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، 1387ھ، 351/1

ہے اس امر کی طرف کہ اتنی بڑی تعداد کی شکست قلت کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ عجب و غرور اور اعتماد علی اللہ میں ضعف اور دوسری اخلاقی اور دینی خرابیاں شکست کا موجب بن جائیں گی۔

4- امیر عساکر کے فرائض:

الف۔ افواج کو دین و اخلاق کا پابند رکھنا:

اہل ایمان کو قرآن کی یہ دائمی ہدایت ہے کہ ان کے فساق و فجار کے طور طریقوں سے بھی بچیں۔ اور ان ناپاک مقاصد میں بھی اپنی جان و مال کھپانے سے پرہیز کریں۔ جن کے لئے یہ لوگ لڑتے ہیں۔ چنانچہ امام ابوالحسن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں فوج کے کمانڈر کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ماتحت افواج کو دین اور اخلاق کی حدود کا پابند رکھے۔[1]

ب۔ سپاہ کو ذکر اللہ کی تلقین:

وکان النبی صلی اللہ وسلم وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا، واذا ھبطوا سبحوا۔[2]

رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی فوجیں جب راستے میں کسی بلند مقام پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب پستی کی جانب اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔

ج۔ تقوی اور مشاورت کی تلقین:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا بعث امیر علی السریۃ او جیش اوصاہ بتقوی اللّٰہ فی خاصۃ نفسہ و بمن معہ من المسلمین خیرا۔[3]

نبی کریم ﷺ جب کسی بڑی فوج یا کسی چھوٹی مہم کا کوئی امیر مقرر فرماتے تو اس کو اللہ کی ذات سے ڈرنے اور اپنے ساتھ جانے والے مسلمانوں سے نیک روش اختیار کرنے کی وصیت فرماتے اور احکام الٰہی پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے۔ اسی طرح سپہ سالار کا فرض ہے کہ مشکل معاملات میں ارباب عقل سے مشورہ کرے تاکہ لغزش و خطا

---

[1] الماوردی، امام ابوالحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص۔ 65

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979ء، 124/2
وابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، 1983ء، 35/1

[3] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، ابواب السیر، قرآن محل، کراچی، 231/1

سے محفوظ رہے اور فتح کی امید قوی تر ہو۔ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: و شاورهم فی الامر[91] (اے نبیؐ) ان کو (یعنی اپنے ساتھیوں کو) بھی شریک مشورہ رکھو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "و امرهم شوریٰ بینهم" [92] اور اہل ایمان کے تمام معاملات باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔

مشورہ اسلام کے نظام کی روح ہے۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز باہمی مشاورت کو اہل ایماں کی مستقل خوبی بتایا گیا ہے۔ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جس ثابت قدمی اور بسالت کی ضرورت ہے وہ تب ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ لڑنے والوں کے دل اطمینان اور خود اعتمادی کے نور سے فروزاں ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے اصحاب سے مشورہ لے کر کہ جنگ کریں یا نہ کریں بطور امیر مشورے کی اہمیت و حقیقت واضح فرما دی۔ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے اپنی غیر مشروط اطاعت کی یقین دہانی سے امیر کی فرمانبرداری اور حکم کی تعمیل کی مثال قائم کی۔

امام الماوردی فرماتے ہیں کہ افواج کو اعتماد میں صرف باہمی مشاورت سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رفقاء کی دلجوئی اور دلداری مقصود ہو تو مشورہ میں بہتری اور منفعت یقینی ہے۔[93]

د۔ مساوات کا التزام:

جنگ بدر کے موقع پر جب مسلمان نکلے تو ان میں سے تین آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا۔ ابو لبابہؓ اور علیؓ رسول ﷺ کے ساتھی تھے۔ جب رسول ﷺ کے پیادہ چلنے کی باری آئی تو ابو لبابہؓ اور علیؓ دونوں کہنے لگے ہم آپ ﷺ کی باری پر پیادہ چلیں گے (اور آپ ﷺ سوار رہیں) مگر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور نہ میں تم سے زیادہ اجر سے بے نیاز ہوں۔[94]

---

91 القرآن۔ 159:3

92 القرآن۔ 42، 38

93 الماوردی، امام ابو الحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1989ء، ص 84

94 ابن ہشام، سیرۃ النبی، شیخ غلام علی، لاہور، 707/1

ھ- ماتحتوں سے نرم برتاؤ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فبما رحمۃ من اللّٰہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک"[1]

خدا کی رحمت ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم ہو گئے اگر آپ بد خلق اور سخت ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چلے جاتے۔

رسول ؐ نے فرمایا اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی بنتا ہے اور پھر لوگوں پر سختی کرتا ہے تو، تو بھی اس پر سختی کر اور جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی بن کر نرمی کرتا ہے تو، تو بھی اس پر نرمی برت۔[2]

حضرت سعید بن المسیب روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اچھا وہ امیر وہ شخص ہے جو سہولت اور آسانی کا لحاظ رکھے۔[3]

5- رجمنٹوں کے لئے مختلف شعار اور جھنڈوں کا استعمال:

اسلامی تعلیمات سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ ہر رجمنٹ کا شعار اپنا ہو جو دوسروں سے اسے ممیز کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود"[4]

ان کا شعار ان کے چہروں پر سجدوں کے نشانات ہیں۔ چہرے پر سجدے کا نشان مسلمانوں کا مستقل امت شعار ہے۔ جو اسے ہر وقت غیر سے ممیز کئے رکھتا ہے۔ فوج کے لئے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے جو وقتاً فوقتاً شعار اختیار فرمائے ان کی تفصیل یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ کے موقع پر فرمایا کل کو تمہارا دشمن سے پالا پڑے گا، لہٰذا تمہارا شعار یہ ہونا چاہئے "حٰم لا ینصرون" (دشمن کبھی کامیاب نہ ہوں گے)[5]

سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں: ہم نے ابو بکر صدیقؓ کی قیادت میں ہوازن پر رات کو جب حملہ کیا تھا تو ہمارا شعار

---

[1] القرآن - 159:3

[2] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1981ء، 120/5

[3] الماوردی، امام ابو الحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1988ء، ص 91

[4] القرآن - 29:48

[5] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 322/2

تھا "اَمِت اَمِت" (مار ڈالو دشمن کو) [1]

حمزہؓ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمارے گھڑ سوار دستے کو خیل اللہ (اللہ کے شہسوار) کا نام دیا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، جب ہم کسی گھبراہٹ میں مبتلا ہوں، تو فوراً مل جل کر رہیں اور جب میدان قتال میں ہوں تو صبر و سکون سے کام لیں۔ [2]

رسول ﷺ ہمیشہ یہ پسند فرماتے تھے کہ ہر شخص اپنے اپنے دستے کے جھنڈے کے نیچے رہ کر لڑے۔ نبی کریم ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر جب شہر میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے علم مبارک کا رنگ سفید تھا۔ رایہ سے مراد پلٹنوں کا جھنڈا ہے اور لواء (یعنی علم) سے مراد سپاہ سالار کا جھنڈا ہے۔ [3] نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے پر یہ حروف لکھے ہوئے تھے۔

"لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" [4]

نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک کے لئے جمعرات کو روانہ ہوئے تھے اور عام طور پر آپؐ جمعرات ہی کو نکلنا پسند فرمایا کرتے تھے۔ [5] جنگ کے دوران اگر فجر طلوع ہو جاتی تو آپ ﷺ لڑائی چھوڑ دیتے اور سورج کے نکل آنے کا انتظار فرماتے۔ جب سورج نکل آتا تو لڑائی شروع کر دیتے۔ ایسے ہی جب سر پر دن ہوتا تو رک جاتے اور زوال تک رکے رہتے۔ زوال کے بعد لڑائی کرتے اور عصر تک جاری رکھتے۔ عصر کی نماز کے لئے لڑائی روک دیتے۔ نماز کے بعد پھر لڑائی شروع کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے۔ ان وقتوں میں فتح مندی کی ہوا چلتی ہے اور اہل ایمان اپنی فوجوں کی کامیابی کے لئے اپنی نمازوں میں دعائیں کرتے ہیں۔ آپؐ بالعموم صبح کے وقت یا پچھلے پہر لڑائی کرتے تھے۔ [6]

شرکائے جنگ کو یہی طریقہ معلوم تھا اور جو جنگ میں شریک نہ ہوتے تھے۔ وہ بھی یہ جانتے تھے کہ اسلامی فوج کا مقابلہ دشمن سے صبح یا پھر شام کو ہوتا ہے اس لئے وہ ان اوقات میں خاص طور پر دعائیں کرتے تھے۔ راحت کا وقفہ گزرنے کے بعد تازہ دم ہو کر جب لڑائی کی جاتی تو کامیابی کا تناسب بڑھ جاتا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یمن

---

[1] ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983، 322/2

[2] نفس المصدر، 312/2 [3] نفس المصدر، 321/2

[4] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، مکتبہ الکلیات الازھریہ، الازھر، 119/3

[5] ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 325/1
والبخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979ء، 109/2، 100

[6] ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، 1387ھ، 4/2

قتال کے اندر بھی اسلامی فوج نماز قائم کرتی رہی ہے۔ نماز اگرچہ مختصر ہوتی تھی اور مخصوص طریقے سے ادا کی جاتی تھی مگر سخت مجبوری کے بغیر نماز قضا نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ نمازوں کی یہی پابندی کامیابی کی ہوائیں لاتی رہی ہے۔

6- سراغ رسانی اور جنگی چالیں:

جنگ میں کامیابی کے لئے یہ بھی ازحد ضروری ہے کہ دشمن کے عزائم، منصوبوں سازو سامان اور حرکات و سکنات کی پوری پوری معلومات حاصل ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات پر خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے وقت دانستہ طور پر اسی غرض سے کچھ مسلمانوں کو مکہ میں ہی رہنے دیا۔ ان میں سے زیادہ تر وہ مسلمان تھے جو مکہ کے رؤساء کے غلام تھے۔ دشمن کی خبر رسانی کے نقطہ نظر سے یہ لوگ بہت مفید ثابت ہوتے رہے۔ جو ہر وقت آنحضرت ﷺ تک پہنچ جاتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے مدینہ میں بھی اسی غرض کے لئے مختلف جماعتیں تشکیل دیں۔ غزوہ بدر سے پہلے عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں بارہ افراد پر مشتمل جو مہم آپ ﷺ نے مدینہ سے روانہ فرمائی وہ حقیقت میں ایک گشت پارٹی ہی تھی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحشؓ کو ایک سربمہر خط کے ساتھ روانہ فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ دو دن کی مسافت طے ہونے سے پہلے نہ کھولنا۔ وادی نخلہ میں پہنچنے کے بعد خط کھولو اور اس میں درج ہدایت پر عمل کرو۔ اس خط کو کھولا تو اس میں یہ الفاظ تھے۔

"برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ نخلہ میں جا کر ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو۔ ان کی خبریں دریافت کرو۔"[1]

جنگ میں کامیابی کے لئے خبر رسانی یا سراغ رسانی کی حضور اکرم ﷺ کی نگاہ میں بہت اہمیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک طرف دشمن کے اندر اپنے تربیت یافتہ افراد چھوڑ رکھے تھے جو پل پل کی خبر حضور اکرم ﷺ تک پہنچا رہے تھے اور دوسری طرف آپ ﷺ نے اس مقصد کے لئے متعدد دستے تشکیل دیئے جو دشمن کی ہر قسم کی نقل و حرکت کی نگرانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

---

[1] ابن ہشام، عبدالمالک، سیرۃ النبی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1/ 694
و سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، آرمی بک کلب، راولپنڈی، ص: 540

غزوہ خندق میں جب گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی تو رسول ﷺ نے فرمایا بنو قریظہ کی خبر ہمیں کون لا کر دے سکتا ہے۔ چنانچہ زبیرؓ نکلے اور انہوں نے ان کے پورے حالات معلوم کر لئے۔ دوبارہ پھر معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ اس طرح تین مرتبہ معرکہ کارزار گرم ہوا اور حضور اکرم ﷺ بنو قریظہ کی خبر منگواتے رہے اور ہر مرتبہ زبیرؓ خبر لا کر دیتے رہے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری (ساتھی) ہوتا تھا۔ میرے حواری زبیرؓ ہیں۔ [51]

جنگ ایک چال ہے (الحرب خدعۃ) [52] اسلام نے جنگ کے اندر جس خدعہ کو جائز قرار دیا ہے اس سے مراد وہ خدعہ ہے جس میں عہد شکنی، اصول کی خلاف ورزی، اور صریح کذب نہ ہو مثلاً جائز اور مشروع خدعہ یہ ہے کہ امیر لشکر دشمن کو اس وہم میں مبتلا کر دے کہ اسلامی افواج کے پاس غیر معمولی عددی طاقت اور اسلحہ کی فراوانی ہے۔ اس معاملے میں اسلام کی احتیاطیں ان تمام احتیاطوں سے فائق تر ہیں جو موجودہ قوانین جنگ کے اندر درج ہیں۔ خدعہ کا صحیح ترجمہ ہے "چال"۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اکثر و بیشتر غزوات میں "چال" سے کام لیا ہے اور مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو بھی اس کام پر معمور کیا ہے۔ اس سلسلے میں جنگ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ کی طرف سے جو تدبیر اختیار کی گئی ہے۔ وہ تاریخ حرب کی نہایت قابل ذکر مثال ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے ایک نو مسلم نعیمؓ بن مسعود کے ذریعے بنو قریظہ اور قریش میں غلط فہمی پیدا کر دی یعنی دشمن کے کیمپ میں پھوٹ ڈال دی اور وہ بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔ [53]

حضرت عمرؓ نے ایک سپہ سالار کو جو فارس کے محاذ پر لڑ رہے تھے۔ یہ خط لکھا کہ مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ تمہاری فوج کے بعض سپاہی فارسی سپاہیوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ کوئی سپاہی بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں پناہ لے لیتا ہے تو مسلمان سپاہی اسے یہ دلاسہ دے کر تجھے کوئی خطرہ نہیں ہے نیچے اتار لیتا ہے اور پھر اسے قتل کر ڈالتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ آئندہ اگر کوئی ایسی خبر سنوں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ [54]

---

[51] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979ء، 136/2

[52] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، 1387ھ، 355/1

[53] ابن ہشام عبد الملک، سیرۃ النبی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 265/2

[54] خلیل احمد حامدی، جہاد اسلامی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ص: 23

اس خط میں حضرت عمرؓ نے اس امر کی جانب توجہ دلائی ہے کہ دشمن کے لشکر کا اگر کوئی فرد جان بچا کر فرار ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ اس طرح کسی شخص کو اس وہم میں ڈال دینا کہ اسے امان ہے اور پھر اس پر قابو پا کر قتل کر ڈالنا ناجائز ہے۔ اصول یہ ہے کہ خدعہ وہی صحیح ہے جس میں نقض عہد یا نقض امان نہ ہو۔

7- صداقت اور امانت کا لزوم:

اسلام نے جنگ و امن ہر حال میں صداقت و امانت کو لازم پکڑنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ "ان اللہ یامرکم ان تودوا الامنت الی اھلھا" [سلہ] "کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچا دو۔" اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ اسی قوم کو کسی دوسری قوم پر برتری عطا کرتا ہے جو اخلاق و کردار میں اس سے بہتر اور برتر ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے جس جماعت کی اخلاقی تربیت فرمائی تھی۔ اس کی ایک خاص اور امتیازی شان یہ تھی کہ وہ اپنے سپہ سالار (رسول اللہ ﷺ) کی طرح صداقت و امانت میں ضرب المثل تھی۔ جھوٹ یا خیانت کو مسلمانوں کی ضد سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان تو مسلمان کوئی کافر بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی مسلمان جھوٹی بات کہہ سکتا ہے یا امانت میں خیانت کر سکتا ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید میں مزید یوں ارشاد ہے۔

"یایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصٰدقین" [سٹہ]

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

سچائی و امانت یوں تو زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے مگر فوج کی صفوں میں اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جھوٹ و خیانت جنگ میں کامیابی کو شکست و ہزیمت میں بدل دیا کرتی ہے۔ فوج میں اعلیٰ کمان اپنے ماتحتوں کی رپورٹ کی روشنی میں فیصلہ کرتی ہے اور منصوبے تیار کرتی ہے۔ اگر ماتحت اپنی رپورٹ میں جھوٹ کی تھوڑی سی بھی ملاوٹ کر دے یا مبالغہ آمیزی کا رنگ بھر دے یا اپنی غلطی کو چھپانے اور سزا سے بچنے کے لئے معمولی رد و بدل کر دے تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔ اس طرح خیانت بھی فوج کی شکست و ہزیمت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اگر فوج کے

سلہ القرآن - 58:4

سٹہ القرآن - 119:9

جوانوں میں اور افسروں میں امانت کا تصور کمزور ہو جائے تو فوج کا اپنا سامان منڈیوں کی زینت بن جاتا ہے اور جہاد میں بر سرپیکار جانبازوں کو ناقص اور بعض مضر صحت اشیاء کی سپلائی شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے فوج کی صفوں میں زبردست ابتری پھیلنے کے علاوہ بے دلی اور بدگمانی کا پیدا ہونا بھی ایک فطری بات ہے اور یہ ایسی خامیاں ہیں جو کسی فوج کی پیش قدمی کی بجائے پسپائی کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ لہٰذا فوج کی کامیابی اور فتح کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان جوانوں اور افسروں کے اخلاق و کردار کی تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے کہ ان کی زندگی میں صداقت و ایمانداری امتیازی شان کے ساتھ موجود ہوں۔

8- محاذ سے واپسی پر نماز شکر اور استقبال:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ جب ہم واپس مدینہ پہنچے تو حضور اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا۔ مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو۔ [1] اس بات کی بھی تعلیم دی گئی کہ جب فوجیں جنگی مہم سر کرنے کے بعد واپس آئیں۔ تو عام باشندوں کو ان کا خیر مقدم کرنا چاہئے اور ان کے لئے اجتماعی کھانے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اخوت کا بھی یہی تقاضا ہے اور فوجیوں کے اخلاقی مورال بلند کرنے کا اور قوم کے اندر جنگی سپرٹ پیدا کرنے کا بھی یہی تقاضا ہے۔ یہی ذریعہ اظہار محبت بھی ہے اور حوصلہ افزائی اور قدر دانی کا مظاہرہ بھی۔

خلاصہ:

ان اسلامی تعلیمات اور میدان جنگ میں مسنون اعمال اختیار کرنے سے مسلمان سپاہی دین اسلام کی عملی تصویر نظر آتا ہے اور مجاہدانہ رنگ اس کی ذات میں جھلکتا ہے۔ ان تعلیمات سے صرف نظر کرنے والے اور جہاد کی تیاری سے غفلت برتنے والے کے لئے سخت سرزنش آئی ہے۔ جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

"وعن عقبة بن عامر قال سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول من علم الرمي ثم تركه فليس منا او قد عصىٰ۔" [2]

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979ء، 2/157-159

[2] مسلم بن الحجاج، مسلم مع مختصر شرح نووی مترجم نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1981ء، 5/182

جس نے رمی (فائر کرنا) سیکھا پھر اسے چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں یا اس نے نافرمانی کی۔ [51]

اسلام کے تربیتی نظام کا ماحصل نظریہ اسلام کی حفاظت اور تنفیذ ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے ارشادات و تعامل سے عساکر اسلام کی مسلسل اور ہمہ جہتی تربیت کی راہنمائی ہوتی ہے جس میں مندرجہ ذیل امور نمایاں ہیں:

الف۔ اخلاص نیت

ب۔ تیر اندازی اور دیگر پیشہ ورانہ امور میں مہارت

ج۔ جفاکشی اور سادگی کی تلقین

د۔ مسلسل جہاد کی تیاری

اسلام اور اس کے پیروؤں کے نزدیک ایک نئے عالمی نظام یعنی خدائی اطاعت کی راہ ہموار کرنا ان کی اہم ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کا شعور ہی واحد دانش مندانہ رویہ ہے۔ اسلام کے نزدیک اس نظام عالم کی آرزو، اس کے لئے جدوجہد اور اس کے لئے ایثار و قربانی لازمی ہے۔ حتیٰ کہ اس نظام کو روبہ عمل لانے کے لئے اپنی جان نچھاور کر دینا، مرتبہ شہادت سے سرفراز ہونا ہے جس کا انعام ابدی جنت ہے۔ [52] اس مقام عالی کا حصول گویا ایک نہایت ہی رفیع الشان محرک اور طاقتور ترغیب ہے۔

عساکر پاکستان ان جذبات سے سرشار ہو کر نہ صرف عالم اسلام میں امن کو قائم کرنے میں معاون ہو سکتے ہیں بلکہ وہ اپنے مادر وطن پاکستان میں دین اسلام کی تنفیذ و اشاعت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

فصل سوم ---- عساکر اسلام اور رباط فی سبیل اللہ

ابتدائیہ:

افواج پاکستان کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی نظریاتی بنیاد پر قائم ہونے والے مملکت خداداد پاکستان کے عساکر

---

[51] غازی یا شہید، جی ایچ کیو، راولپنڈی، 1988ء، ص: 8

[52] عبدالحمید احمد ابو سلیمان، اسلام اور بین الاقوامی تعلقات منظر اور پس منظر، قاضی پبلشرز انٹرنیشنل، نئی دہلی، 1989ء، ص 29-30

پر مشتمل ہیں۔ ان کی نظریاتی اور دینی تربیت کی بنیاد قرآن و سنت اور تاریخ اسلام ہے۔ لہٰذا افواج پاکستان میں مروج نظام تربیت کو سامنے لانے سے پہلے دین اسلام میں تربیت کے لئے دیئے گئے احکامات کا اجمالی احاطہ کیا جائے گا تاکہ اس کے تناظر میں دیکھا جاسکے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے لے کر آج تک جو تربیت کا نقشہ بنایا گیا ہے۔ وہ ان تعلیمات پر کہاں تک پورا اترتا ہے اور یہ کہاں تک نظریہ پاکستان کے مقاصد کو پورا کرتا ہے۔

1- رباط کا مفہوم و حقیقت:

رباط کا مادہ ر،ب،ط (ربط) ہے۔ جس کے معنی باندھنے کے ہیں اور اسی وجہ سے اس کا استعمال گھوڑے باندھنے اور جنگ کی تیاری کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال انہی معنوں میں کیا گیا ہے۔ تفسیر ابن عربی میں ہے۔ "الرباط حمل النفس علی النیۃ الحسنۃ و الجسم علی فعل الطاعۃ۔"[1]

تاہم رباط ایک اہم اسلامی اصطلاح ہے اور احادیث ﷺ کی روشنی میں جنگی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے مراد اسلامی سرحدوں کی حفاظت بھی ہے۔

2- رباط (جنگی تیاری) کی ضرورت و اہمیت:

اسلام دنیا میں امن و سلامتی کو قائم کرنے کا داعی ہے۔ یہ کسی بھی ریاست پر بلا جواز جارحانہ کارروائی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے احکام یہ ہیں کہ آس پاس کے ممالک اور اقوام سے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات استوار کئے جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی یہ تعلیم بھی ہے کہ اپنی سرحدوں کی حفاظت اور ان کے دفاع کا بھی موثر انتظام لازمی طور پر کیا جائے۔

اسلامی ریاست اس مقصد کے حصول کے لئے ہر کوشش کرنے کی پابند ہے۔ اس لئے کہ وہ جنگ کی ضروریات سے کسی لمحہ بھی غافل نہیں رہ سکتی بلکہ وہ مسلمانوں میں قتال کی تیاری کی مستقل تحریک پیدا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ کی حکیم و دانا ذات کا سب سے زیادہ زور ذہنی اور قلبی تیاری پر ہے کہ مسلمان خود کو اس مقصد کے لئے ذہنی طور پر تیار

---

[1] ابن عربی، قاضی ابوبکر، التفسیر لابن عربی، دار الکتاب العربی، بیروت، 1989ء، 290/2
و عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، لاہور، 388/2

رکھیں اور وہ بھرپور عزم اور حوصلہ مندی کے ساتھ میدان جہاد کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ

"یا یہا النبی حرض المؤمنین علی القتال" [51]

"اے نبی ﷺ مومنوں کو قتال پر ابھارو"

یعنی اہل ایمان میں جنگ کے لئے میلان اور مستعدی پیدا کرو۔ دراصل اس آیت میں امت مسلمہ کے اندر جہاد کی روح پھونکنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اس طرح سے کہ جہاد کے فوائد بتائے جائیں اور اہل ایمان کو اللہ کی تائید کی بشارت دی جائے اور بتایا جائے کہ صبر اور ثابت قدمی کامیابی اور کامرانی کی کنجی' بلاشبہ اہل صبر و عزیمت کی کم تعداد اپنے سے بڑی اور کئی گنا زیادہ سپاہ کے چھکے چھڑا سکتی ہے کیونکہ ایمان و اخلاق کا اسلحہ مادی اسباب کی کمی کی تلافی کر دیتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے دفاع خواہ وہ کسی صورت میں بھی ہو اس کی ہر شکل میں ایک ہی مقصد کارفرما ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین اور قومی وجود کو کسی حال میں بھی بدی اور باطل سے مغلوب نہ ہونے دیں اور باطل جس راہ سے بھی خروج کرے خواہ باہر سے یا اندر سے اس کا سر کچلنے کے لئے ہر وقت مستعد اور کمربستہ رہیں۔

3۔ رباط کا حکم قرآن مجید میں اور مختلف مفسرین کی تشریح:

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللّٰہ و عدوکم و آخرین من دونھم لا تعلمونھم اللّٰہ یعلمھم وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللّٰہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون۔" [52]

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ سامان (جنگ) اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے اعداء کو خوفزدہ کر دو۔ جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ انہیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے۔ اس کا پورا پورا

---

[51] القرآن ۔ 65:8

[52] القرآن ۔ 60:8

بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا آیت کی تشریح مختلف مفسرین کی نظر میں یوں ہے:

الف۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس بارے میں بیان فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیرزنی اور تیراندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا۔ آج کل بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ تیار کرنا اور ان کا استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا، ورزش وغیرہ کرنا، سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں۔ انشاء اللہ وہ سب اس آیت کے منشاء میں داخل ہیں۔ گھوڑے کی نسبت تو آپ ﷺ خود ہی فرما چکے۔ "الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ" [1] کہ قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے۔ احادیث میں ہے کہ "جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے، اس کے کھانے پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی۔" [2]

ب۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اس سلسلے میں یہ تفسیر بیان کی ہے کہ آیت میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے وہ یہ کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے تم ان سے مقابلے کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے غافل کبھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں من قوۃ کا لفظ عام ہے۔ عددی قوت، سامان جنگ کی قوت، آلات حرب کی قوت سب کچھ اس کے اندر آگیا۔ [3]

ج۔ صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، طیارہ اور ٹینک، جیپ اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام لکھ جاتے۔ [4] ایک اور آیت "یاایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا" [5] اے ایمان والو اپنی احتیاط کرو، پھر

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، قرآن محل، کراچی، 79/2

[2] شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی دارالاشاعت، کراچی 1993، 530/1

[3] عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، لاہور، 1954ء، 388/2

[4] نفس المصدر، 388/2 [5] القرآن، 4: 71

گروہ گروہ کوچ کردیا اکٹھے۔" کے ذیل میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حذر کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے۔ ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام آتی ہے اس میں شامل ہے خواہ ہتھیار ہوں، خواہ تدبیریں۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلے میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور آمادہ رہو۔ [سلہ]

د۔ اس آیت کے ذیل میں علامہ ابن کثیر دمشقی رقم طراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے بچاؤ کے اسباب مہیا رکھیں اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ان کے مقابلے کے لئے جنگی ہتھیار تیار رکھے جائیں اپنی تعداد بڑھائی جائے اور اپنی عددی قوت میں راہ خدا میں بیک وقت ایک آواز سے اٹھ کھڑے ہونے کے لئے اضافہ کیا جائے نیز اس سلسلے میں انہوں نے غزوہ حنین کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ دو صحابی حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن اسلمؓ اس جہاد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس لئے شرکت نہیں کر سکے کہ وہ بعض جنگی اسلحہ اور سامانوں کی صنعت سیکھنے کے لئے دشمن کے صنعتی شہر جرش میں اس مقصد سے گئے تھے کہ وہاں دبابہ اور ضبور نام کی وہ جنگی گاڑیاں پائی جاتی تھیں جن سے اس وقت آج کل کے ٹینکوں کا کام لیا جاتا تھا۔ اس طرح منجنیق جس سے بھاری بھاری پتھر قلعوں پر پھینک کر قلعہ شکن توپوں کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کی صنعت بھی وہاں تھی۔ یہ صنعتیں سیکھنے کے لئے انہوں نے ملک شام کا سفر اختیار کیا تھا۔ [سلہ]

ھ۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اولی الذکر آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ آیت میں اسلام سے دفاع اور کفار کے مقابلے کے لئے تیاری کے احکام ہیں۔ یعنی سامان جنگ کی تیاری کرو کفار کے لئے۔ جس قدر تم سے ہو سکے۔ اس میں سامان جنگ کی تیاری کے ساتھ ما استطعتم کی قید لگا کر یہ اشارہ فرمایا کہ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان ہے تم بھی اتنا ہی حاصل کر لو بلکہ اتنا کافی ہے کہ اپنی مقدور بھر جو سامان ہو سکے وہ جمع کر لو تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔ [سلہ]

اس کے بعد اس سامان کی کچھ تفصیل اس طرح فرمائی من قوۃ یعنی مقابلے کی قوت جمع کرو اس میں تمام جنگی سامان

[سلہ] علامہ محمود آلوسی، تفسیر روح المعانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 79/5

[سلہ] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ فی التاریخ، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، 1984ء 312/4

[سلہ] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1981ء، 272/4

اسلحہ، سواری وغیرہ بھی داخل ہیں اور اپنے بدن کی ورزش، فنون جنگ کا سیکھنا بھی، قرآن کریم نے اس جگہ اس زمانے کی مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ قوت کا عام لفظ اختیار فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ قوت ہر زمانہ اور ہر ملک و مقام کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ اس زمانے کے اسلحہ، تیر، تلوار نیزے تھے اس کے بعد بندوق، توپ خانہ کا زمانہ آیا پھر اب بموں اور راکٹوں کا وقت آگیا۔ لفظ قوت ان سب کو شامل ہے۔ اس لئے آج کے مسلمان کو بقدر استطاعت ایٹمی قوت، ٹینک، لڑاکا طیارے اور آبدوز کشتیاں جمع کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ سب اسی قوت کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس کے لئے جس علم و فن کو سیکھنے کی ضرورت پڑے وہ سب اگر اس نیت سے ہو کر اس کے ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کا اور کفار سے مقابلے کا کام لیا جائے گا تو یہ بھی جہاد کے حکم میں ہے۔ [1]

د۔ مشہور مفکر اسلام مصر کے جلیل القدر عالم سید قطب شہید اس بارے میں اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں "جنگ کے لئے تیاری جس قدر بھی اس کی طاقت و استطاعت ہو فریضہ جہاد سے ملا ہوا ایک مستقل فریضہ ہے اور یہ نص قرآنی قوت کی ہمہ اقسام و انواع اور الوان و اشکال کی فراہمی کے لئے حکم دیتی ہے۔ اور "رباط الخیل" کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے اولین مخاطبین کے لئے یہی نمایاں اور اہم ترین سامان جنگ تھا اور اگر انھیں ایسے سامان و اسباب کے تیار کرنے کا حکم دیا جاتا جسے کہ وہ نہ جانتے ہوتے اور وہ آنے والے زمانے کی چیزیں ہوتیں تو ایسی صورت میں خطاب مجہول اور ناقابل فہم اشیاء کے سلسلے میں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان ایسے کلام سے کہیں بالاتر اور آیت میں اہم اور خاص چیزیں اس کا عمومی انداز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے لئے ایک ایسی قوت کا ہونا ناگزیر ہے جس کے ذریعہ سے وہ انسان کی آزادی کی خاطر زمین میں جاری و ساری رہے اور دعوت کے میدان میں پہلا کام جو یہ قوت سرانجام دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس عقیدے کو اپنی بھرپور آزادی کے ساتھ اختیار کریں یہ قوت انھیں امن میں رکھے اور ان کے لئے کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جاسکے اور وہ اسے اپنانے کے بعد کسی مشکل میں نہ ڈالے جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اس دین (اسلام) کے دشمنوں

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1981ء، 272/4

کو خوفزدہ رکھے تاکہ انھیں دار اسلام پر جس کی پاسبانی یہ قوت کرتی ہے۔ کبھی دست درازی کا خیال بھی نہ آئے۔ تیسری چیز یہ کہ ان دشمنوں پر ایسا رعب طاری ہو کہ وہ اسلام کی راہ میں جبکہ وہ ساری کی ساری زمین میں پوری کی پوری انسانیت کی آزادی کے لئے عمل پیرا ہوں کہ دشمن ایک لمحہ نہ ٹھہر سکیں اور چوتھی بات یہ کہ یہ قوت زمین میں موجود ہر اس قوت کو نیست و نابود کردے جو کہ اپنے آپ کو الوہیت کی صفت سے متصف کرتی ہو اور نتیجتاً لوگوں پر اپنے قوانین اور اپنے دبدبے کے ذریعے حکمرانی کرتی ہو اور جو الوہیت کو اللہ کی واحد و یکتا ذات کے لئے تسلیم نہ کرتی ہو۔ اس سے یہ چیز بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حاکمیت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے ہے۔ [1]

ز۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تشویش و ترغیب کے ساتھ یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ تمہارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج ہر وقت تیار رہنی چاہئے تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کارروائی کر سکو۔ یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آجانے کے بعد گھبراہٹ میں جلدی جلدی رضاکار، نیشنل کور اور اسلحہ اور سامان رسد جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس اثناء میں کہ یہ تیاری مکمل ہو دشمن اپنا کام کر جائے، نیز اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کی جنگی ضروریات کے لئے اس قسم کی عارضی فوج رریف (Militia) کافی نہیں ہو سکتی۔ جو خاص ضرورت کے موقع پر جمع کی جائے اور ضرورت رفع ہونے کے بعد منتشر کر دی جائے۔ بلکہ انہیں مستقل فوج مرابط (Standing Army) رکھنی چاہئے جو ہمیشہ کیل کانٹے سے لیس رہے۔ [2]

4- مرابطین کی فضیلت از روئے حدیث:

جہاد کی مہمات میں سے ایک اہم کام رباط یعنی اسلامی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار سے محفوظ رکھنا ہے۔ جہاد ہی کی طرح اس کے بھی بڑے بڑے فضائل ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی ایک جماعت نے اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دے کر اسلامی سرحدوں پر قیام اختیار فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما علیھا" [3]

---

[1] سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1971ء، 50/10

[2] ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1981ء، 155/2

[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979ء، 90/2

"اللہ کی راہ میں ایک دن پہرہ دینا دنیا اور اس پر موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے۔"

ایک اور حدیث میں جو کہ حضرت فضالہ بن عبید ؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" كل ميت يختم على عمله الا الذى مات مرابطا فى سبيل اللّٰه فانه ينمى له عمله الىٰ يوم القيامة و يأمن فتنة القبر۔ "[1]

ہر مرنے والے کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ سوائے اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں کسی سرحد کی نگرانی کرتے ہوئے مر گیا تو اس کا عمل قیامت تک اس کے اعمال نامے میں بڑھایا جاتا رہے گا۔ اور وہ قبر کے سوال و جواب سے بھی مامون رہے گا۔"

ایک اور مقام پر حضرت سلمان فارسی ؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

" من رابط يوما و ليلة فى سبيل اللّٰه كان له كاجر صيام شهر و قيامه و من مات مرابطا اجرىٰ له مثل ذلك من الاجر و اجرىٰ عليه الرزق و امن من الفتان ۔"[2]

"ایک دن ایک رات کا اللہ کی راہ میں رباط کے فرائض سرانجام دینا ایک مہینے کے مسلسل روزوں اور ساری رات نماز تہجد سے زیادہ افضل ہے اور جو شخص اس حال میں فوت ہو جائے تو قیامت تک اس کے تمام نیک اعمال جو وہ روزانہ کیا کرتا تھا برابر اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے رہیں گے اور اس کا رزق اللہ کی طرف سے جاری رہے گا اور وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔"

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عينان لا تمسهما النار عين بكت من خشية اللّٰه و عين باتت تحرس فى سبيل اللّٰه۔[3]

"دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے اشکبار ہوئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گذار دی ہو۔

---

[1] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، 606/1

[2] النسائی، احمد بن شعیب، السنن، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 333/2

[3] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، 611/1
و النسائی، احمد بن شعیب، السنن، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 307/2

مذکورہ بالا حدیث میں سرحدی محافظوں کے لئے عظیم الشان بشارت ہے۔ چنانچہ اگر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھا جائے تو ملکی خدمت اور ملازمت کے ساتھ ساتھ ان کو یہ بیش بہا دولت بھی حاصل ہوگی اور خانگی ضرورتوں کے لئے لی جانے والی تنخواہ اور معاوضہ انہیں اس خوشخبری سے محروم نہیں کرے گا۔ شرط یہ ہے کہ اس خدمت کی انجام دہی میں اصل نیت رباط یعنی اسلامی سرحد کو دشمنان دین سے محفوظ رکھنے کی ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من مات مرابطا فی سبیل اللّٰہ اجریٰ علیہ اجر عملہ و اجریٰ علیہ رزقا و امن من الفتان و بعثہ اللّٰہ یوم القیامۃ آمنا من الفزع الاکبر۔ [1]

"جو شخص اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے انتقال کر گیا اس کے لئے اس کے وہ نیک اعمال جاری کر دیئے جاتے ہیں جو کہ وہ کیا کرتا تھا۔ اور اس کے لئے (اللہ کے ہاں سے) اس کا رزق جاری کر دیا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ بڑی گھبراہٹ سے مامون ہوگا۔"

حضرت انسؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد یوں بیان کیا ہے۔

"لغدوۃ فی سبیل اللّٰہ او روحۃ خیر من الدنیا و ما فیھا۔" [2]

"اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام گشت کرنا (پٹرول پر جانا) دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔"

فوج سے متعلق حضرت عمرؓ نے اور بہت سی ایجادیں کیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ تھا مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب (اکاؤنٹنٹ) ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے رسد کا مستقل محکمہ قائم کیا، تنخواہوں کی تقسیم کا طریق کار وضع کیا، فوجوں کی بلحاظ موسم تقسیم کی اور خبر رسانی اور جاسوسی کا کارگر نظام قائم کیا۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب، عجمی ممالک میں اپنے عرب عمال کو جسمانی استعداد میں اضافہ کے لئے یوں احکام جاری کرتے تھے۔

---

[1] ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، مطبع صدیقی، لاہور، 1983ء، 372/2
والنسائی، احمد بن شعیب، السنن، حامد اینڈ کمپنی، کراچی، 333/2
[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ناشران قرآن لمیٹڈ، 1/2
والترمذی، محمد بن عیسیٰ الجامع، محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، 614/1

" ایاکم والتنعم وزی العجم و علیکم بالشمس فانها حمام العرب و تمعددوا
واخشوشنوا واخلولقوا واقطعوا الرکب وانزوا نزوا وارتموا الاغراض۔ "[1]

"تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دور دور رہنا۔ دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا حمام ہے۔ جفاکشی اور سادہ زندگی صبر و تحمل موٹے جھوٹے پہننے کے عادی رہو۔ گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہئے، نشانے درست ہوں۔"

آپؓ فوجی افسروں کو جو پیغام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا اور ننگے پاؤں چلنا۔ آرام طلبی، کاہلی اور عیش پرستی کے لئے سخت بندشیں تھیں اور نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے گھوڑے پر سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے نہ کترائیں اور حماموں میں غسل کرنے سے باز رہیں۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا اور مسلمان صحیح معنوں میں رباط اسلامی پر عمل پیرا رہے۔

5- رباط کی عمومیت و جامعیت:

یوں تو رباط کا مطلب اسلامی سرحدوں کی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام انہی مقامات پر ہو سکتا ہے جو اسلامی ملک کی آخری حدود پر واقع ہوں لیکن اس زمانے کی فضائی جنگ نے اس معاملے میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے کیونکہ چھاتہ بردار فوج ہر جگہ اتر سکتی ہے۔ بمبار طیاروں سے ہر جگہ بم گرائے جا سکتے ہیں اس لئے جن جگہوں پر بھی دشمن کی ایسی یورش کا خطرہ ہو ان کے حفاظتی انتظامات بھی اسی رباط کے حکم میں داخل ہوں گے۔

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان گذشتہ جنگوں میں ملک کے مختلف شہروں مثلاً کراچی، لاہور، سرگودھا اور پشاور وغیرہ میں جہاں جہاں چھاتہ بردار فوجیں اترنے کے خطرے پائے گئے اور جہاں دشمن کے طیاروں نے بمباری کی ان کی

---

[1] ابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم، عیون الاخبار، دارالکتاب العربی، بیروت، 132/1
وابن قیم الجوزی، محمد بن ابی بکر، الفروسیہ، دارالتراث العربی للطباعۃ والنشر، بیروت، ص 15، 16

حفاظت کا ہر قدم رباط کے حکم میں ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک ایسا جہاد ہے، جس میں ہر شہری اپنے اپنے مقام پر موجود ہوتے ہوئے بھی رباط کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اپنے شہر اور شہریوں کی حفاظت کا جذبہ رکھتا ہو اور مقدور بھر اس میں کوشش کرے۔

ایسے خطرات کے وقت جن بستیوں میں حکومت کی طرف سے بلیک آوٹ یعنی روشنی نہ جلانے اور اندھیرا رکھنے کی ہدایات جاری ہوں ان کی تعمیل بھی انہی حفاظتی انتظامات کے تحت رباط کے حکم میں شمار اور ثواب کا موجب ہوگی۔[51]

جنگی حالات کے تقاضوں کے تحت ارباب حکومت جس چیز کو شہری دفاع کے لئے ضروری قرار دیں اس کی تعمیل شرعی حیثیت سے بھی ضروری ہو جاتی ہے خواہ اس کا ثبوت اسلام کے اولین دور میں ہو یا نہ ہو کیونکہ بنیادی مسئلہ اطاعت امیر کا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ کام شریعت کی روح سے متصادم نہ ہو۔ چنانچہ شہری دفاع کے نقطہ نظر سے ایسے حالات میں ریاست کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں اور حفاظتی تدابیر پر عمل پیرا ہونا ضروری ہوگا اور اگر کوئی خاص کام خود سرور دوعالم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے بھی منقول ہو تو اس کے نہ صرف مشروع ہونے بلکہ واجب الاطاعت ہونے میں کوئی کلام نہ ہوگا۔[52]

6- بحری مرابطین کی فضیلت:

صدر اسلام میں مسلمان عرب بحریہ کا اتنا اہتمام نہ کرتے تھے۔ سب سے پہلے جو بحری جنگ کے لئے نکلے وہ العلاءؓ بن الحضرمی تھے جو خلیفہ عمرؓ کے عہد میں والی بحرین تھے۔ اس کے بعد جب بلاد شام فتح ہوئے تو عربوں کو روم کی برتری کا احساس ہوا اور اس کے بحری جنگی جہازوں سے خطرہ کا ادراک ہوا تو والی شام معاویہؓ نے خلیفہ عمرؓ سے اجازت طلب کی کہ وہ بلاد روم پر بحری راستے سے حملہ کرے کیونکہ وہ شام کے نزدیک تھا۔ لیکن خلیفہ عمرؓ چند خطرات کی وجہ سے نہ مانے یعنی مسلمانوں کی بہتری کے لئے، کہ ان کی تعداد اس عہد میں کم تھی جبکہ وہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ عربوں کو بحری جنگ کا تجربہ نہ تھا خصوصاً روم جیسی بڑی مملکت کے مقابلہ میں۔

---

[51] مفتی محمد شفیع، رسالہ جہاد، ادارۃ المعارف دار العلوم، کراچی، ص: 18

[52] نفس المصدر، ص: 19

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو امیر معاویہؓ نے دوبارہ روم کے خلاف بحری جنگ کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ انہوں نے قبرص فتح کیا۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے بحری بیڑہ بنانے کا بہت اہتمام کیا تاکہ بازنطین حکومت کے مسلمانوں پر حملوں کو روکا جاسکے اور ان سے جنگ کرنے کے لئے موسم گرما اور سرما کے لئے الگ الگ دستے ترتیب دیئے اور ایسا نظام مرتب کیا کہ جہاد سردیوں اور گرمیوں میں سارا سال جاری رہے۔ حتیٰ کہ شام کے بحری بیڑے میں جنگی جہازوں کی تعداد 1700 ہو گی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"من حرس ليلة علىٰ ساحل البحر كان افضل من عبادته في اهله الف سنة"[سله]

ترجمہ "جو شخص ایک رات سمندر کے کنارے پر پہرہ دے تو اس کا یہ عمل اپنے گھر میں ایک ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔"

حضرت انسؓ حضرت ام حرام (جو کہ ان کی خالہ اور حضور اکرم ﷺ کی محارم میں سے ہیں) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں دوپہر کو قیلولہ فرما رہے تھے کہ یکایک ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس وجہ سے آپ ہنس رہے ہیں؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرے سامنے میری امت کے کچھ لوگ پیش کئے گئے ہیں جو اس سمندر کی پشت پر سوار ہوں گے اور ایسے دکھائی دیں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوں۔" میں نے عرض کیا "آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے بھی ان میں شامل کرے۔" چنانچہ آپ ﷺ نے دعا مانگی "اے اللہ اسے بھی اس گروہ میں شامل فرما۔"[سعه]

اس کے بعد آپ ﷺ دوبارہ سو گئے اور پہلے کی طرح ہنستے ہوئے اٹھے میں نے پھر دریافت کیا تو آپ ﷺ نے پھر وہی بات ارشاد فرمائی۔ میں نے پھر اپنے لئے اس میں شمولیت کی دعا کی درخواست کی تو ارشاد ہوا کہ تم سب سے پہلے اس گروہ میں ہوگی۔" چنانچہ بعد میں ام حرام نے اپنے خاوند عبادہ ابن الصامتؓ کے ہمراہ اس مہم میں

[سله] ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1990ء، ص: 204

والمقریزی، تقی الدین ابی العباس احمد بن علی، خطط المقریزی، مؤسسہ الحلبی و شرکاء، القاہرہ، 190/2

[سعه] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل، کراچی، 234/1

شرکت کی اور اس میں حصہ لیا۔ اس غزوہ میں امیر البحر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ واپسی پر سواری پر بیٹھتے ہوئے اس کے روند دینے سے شہید ہو گئیں۔[51]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے گھر میں تھے کہ آپ ﷺ نے سر کو ٹیک لیا اور سونے لگے۔ آپ ﷺ نے حالت خواب میں ہنسی فرمائی۔ جب بیدار ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ نیند میں ہنس رہے تھے اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی امت کے کچھ لوگوں کو دیکھ کر مجھے تعجب ہو رہا ہے جو دشمن کے تعاقب میں سمندر کو چیریں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی بڑی خوبیوں کا ذکر فرمایا۔[52]

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بحری جنگ کا شہید بری جنگ کے دو شہیدوں کا اجر پائے گا اور سمندر کی گھمیری میں مبتلا ہونے والا شخص اجر و ثواب کے لحاظ سے ایسا ہے جیسا کہ بری جنگ میں خون میں لت پت ہونے والا اور دو موجوں کا درمیانی فاصلہ عبور کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے اطاعت الٰہی میں دنیا بھر کو طے کیا۔[53]

اوپر مذکورہ احادیث کے الفاظ عام ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی طرف سے دی گئی ان بشارتوں اور القاب کا اطلاق تاریخ کے ہر اس دور پر ہو گا۔ جس میں آپ ﷺ کی امت کے مجاہدین بحری کارنامے دکھائیں گے اور توحید کے فروغ اور کفر و شرک کے قلعوں کو مسمار کرنے میں لگے رہیں گے۔

بحری غزوات کو بری غزوات پر یہ فضیلت اس لئے دی گئی ہے کہ بحری لڑائی میں بری لڑائی کی نسبت سفر کرنے اور مصروف جنگ ہونے میں خطرات اور مشکلات زیادہ ہوتیں ہیں اور دشمن سے برسرپیکار ہونے کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں ہوتا نیز سمندر کی گھمیری مسلسل تکالیف اور الم میں مبتلا رکھتی ہے۔ یہی اسباب اور امتیازات فضائی جنگ پر بھی منطبق ہوتے ہیں۔ بلکہ خطرات کی رو سے فضائی جہاد بحری جہاد سے بھی مشکل تر ہے اس لحاظ سے فضائی جنگ بری اور

---

[51] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، 613/1
والبخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ناشران قرآن لیمٹڈ، لاہور، 92-91/2

[52] احمد بن محمد بن حنبل، المسند، دار المعارف، مصر، 1950ء، 255/4
والنسائی، احمد بن شعیب، السنن، محمد ایجوکیشنل کمپنی، کراچی، 335/2

[53] ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، السنن، کشمیری بازار، لاہور، 376-375/2

بحری دونوں پر افضل اور اجر میں فائق اور بڑھ کر ہے۔

7- رباط اور جنگی مشقیں:

عسکری استعداد اور فوجی تیاری کے سلسلے میں جنگی مشقوں کی اہمیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ جنگی مشقوں کا اہتمام فرمایا اور اس زمانے میں جنگ کے جو ہتھیار تھے ان کو جمع کرنے کی ہدایتیں فرمائیں۔ جہاد کے لئے گھوڑے، اونٹ، زرہ بکتر وغیرہ جمع فرمائے اور تیر اندازی اور نشانہ بازی کی مشق کے لئے تاکید فرمائی۔

8- رباط فی سبیل اللہ کے آداب:

میدان جنگ میں اترنے سے پہلے مجاہدین کی اخلاقی تربیت انتہائی ضروری امر ہے اور ان میں ایمان کی پختگی اور صبر و استقامت جیسی اخلاقی اقدار کا پایا جانا فتح و نصرت کے حصول کے لئے اولین شرط ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون۔"[1]

ترجمہ: "اے ایمان والو! صبر سے کام لو (باطل کے مقابلے میں) پامردی دکھاؤ اور (حق کی حمایت کے لئے) مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔"

اسی طرح میدان جہاد کی جانب روانگی کے وقت فخر و تکبر، ریاکاری اور جاہلیت کے رنگ ڈھنگ سے گریز کرنا بھی اس مقصد کے حاصل کرنے کی اہم شرائط میں سے ہے۔

خلاصہ:

رباط فی سبیل اللہ، راہ خدا میں جہاد کی پہلی کڑی ہے۔ رباط سے مراد ذہنی، جسمانی اور مادی تیاری اور تمام وسائل کو جہاد کے لئے بروئے کار لانا ہے۔ جنگی استعداد میں مہارت کے لئے تربیت اور محنت شاقہ کے ساتھ ساتھ توکل علی اللہ کامیابی کے حصول کے لئے بنیادی شرط ہے، اسلامی سرحدات کی نگرانی اور مملکت اسلام کو اندرونی اور بیرونی

---

[1] القرآن - 200:3

دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہنا ہی رباط فی سبیل اللہ ہے اور یہی جہاد کی ابتداء اور روح رواں بھی ہے۔ رباط کے اسلامی احکام کو مد نظر رکھتے ہوئے دور حاضر کے جنگی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک مسلم معاشرے کو اپنی استعداد کے مطابق جنگی تیاریاں جاری رکھنی چاہئیں۔ بلکہ ان کے پاس ہمیشہ ایک ایسی موثر ترین قوت موجود ہونی چاہئے۔ جس سے کفار کے دلوں پر ہیبت طاری ہو اور وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے گریزاں رہیں بلکہ اس کا تصور تک بھی دل میں نہ لائیں۔

فصل چہارم ---- نظریہ پاکستان

1- مسلم ریاست کی تشکیل:

قوموں کے تاریخی تشکیل میں کئی عوامل کا باہم تعامل رہا ہے۔ اسی طرح پاکستان کے معرض وجود میں آنے میں برصغیر کے مسلم عساکر اور عسکری حالات کے تقاضوں نے فعال کردار ادا کیا ہے۔ محمد بن قاسم کے ہندوستان میں دخول سے لے کر مسلمانوں نے رباط کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہمیشہ جہاد کے لئے تیار رکھا۔ بت پرستی کی اس سرزمین پر نہ صرف اسلام کی جڑیں مضبوط کیں بلکہ اسلام کو ایک تناور درخت بنایا۔ کئی صدیوں پر محیط پورے برصغیر پر حکومت کرنے کے بعد پاکستان کی شکل میں اسلامی ریاست کی بنیاد بھی رکھی جس کی مرحلہ وار تفصیل یوں ہے۔

الف۔ عرب، افغان اور ترک افواج نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اپنے سے زیادہ اور بہتر طور پر مسلح دشمن کو شکست دی۔ کیونکہ نفسیاتی بنیادیں مختلف تھیں۔ مسلمانوں نے جنگ کو زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھا جبکہ ہندو شہزادوں نے اسے عام انداز میں لیا۔[سلہ]

ب۔ انگریزوں کے دور میں پورا ہندوستان ایک حکومت کے زیر نگین آیا اور ہندو قومیت اور لا مذہبیت کے تصورات ہندوستان میں برطانیہ نے متعارف کرائے۔[سلہ]

ج۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستانی فوج کی تشکیل اور ذمہ داری کو بنیادی طور پر اس طرح مرتب

سلہ Brig Javed Hassan, India A Study in Profile, Services Book Club 1990, p 29

سلہ .... Do .... p : 44

کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان میں برطانوی حکمران کو تحفظ دے۔ بیسویں صدی کے شروع میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات کی حفاظت کی جائے اور ان میں پیش رفت کی جائے۔ جنگ عظیم دوم (1914ء تا 1918ء) کے دباؤ کی وجہ سے ہندوستان کے لئے برطانوی پالیسی میں کسی درجہ نرمی آگئی۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ہندوستان کے سیاسی قائدین نے خود مختار حکومت کے حصول کی طرف آگے بڑھنے کے لئے قدرے کوشش کی۔

د۔ یہ جنگ عظیم دوم (1939ء تا 1945ء) کے چھڑنے کی وجہ سے تھا کہ ہندوستان کی آزادی کے مستقبل قریب میں حصول کے امکانات روشن ہوگئے۔ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی آزادی کے لئے مسلم لیگ کو اضافی قوت فراہم کرنا زیادہ ضروری تھا کہ وہ اپنی خواہش کو زور دار انداز میں پیش کریں کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی خود مختار ریاست یا ریاستیں ہونی چاہئیں۔

ھ۔ اس دوران کچھ واقعات رونما ہوئے۔ مثلاً اگست پیش کش (1942ء)، گاندھی جناح مذاکرات (1944ء)، لیاقت ڈیسائی تجاویز (1945ء) - ان واقعات کا جنگ میں بدلتی قسمتوں کے ساتھ براہ راست تعلق تھا اور اس نے آل انڈیا مسلم لیگ کو مضبوط ہونے میں مثبت کردار ادا کیا۔

و۔ ہندوستانی جنگی کاوش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانی مسلح افواج میں جدت، وسعت اور ہندوستانی رنگ آگیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کو صنعتی روپ بھی ملا۔ ان عوامل نے اور بنگال کے قحط نے ایک طرف تو ہندوستان میں برطانوی حکومت کو کمزور کیا اور دوسری طرف ہندو مسلم اختلافات کو اور بڑھایا۔ اس کے علاوہ جنگ کے دوران حکومتی کونسلوں میں مسلمانوں کی پہلے سے زیادہ نمائندگی دینے سے مسلم لیگ کو اور مضبوط کیا۔[۹۱]

ز۔ برطانیہ نے شملہ سمجھوتہ، کیبنٹ مشن پلان، اور عبوری حکومت کے حربوں سے پاکستان کے مسئلہ کو ایک طرف کرنے کی کوشش کی مگر اب اس میں تاخیر ہو چکی تھی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ آئین کو مسلط نہیں کریں گے۔

۹۱۔ Dr Noor ul Haq, Making of Pakistan The Military Perspective, Army Education Press 1995 96,p 180

ملک کا جو حصہ رضامند نہ ہو گا اس پر آئین کو مسلط نہیں کیا جائے گا۔ اس نیم دلانہ کوشش نے موجود ابہام میں مزید اضافہ کیا۔

ح۔ ایک طرف سول اور فوجی انقلابات اور اس کے بعد سول جنگ نے برطانیہ کو باور کرا دیا کہ ہندوستانی مسلح افواج کی وفاداری اور استقلال (مضبوطی) کی مزید ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ برطانیہ نے مسلح بغاوت کا سامنا کرنے کے بجائے پسپائی کو ترجیح دی۔ دوسری طرف مسلم مسلح افواج کی کاوشوں سے ہندوستانی مسلح افواج کی تقسیم کا خطرہ تھا۔ جس کے نتیجہ میں روس کے حمایت یافتہ افغانستان کی طرف سے مداخلت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اس امر نے دونوں کو یعنی برطانیہ اور انڈین نیشنل کانگریس کو پاکستان بنانے پر رضامند کر لیا۔

ط۔ حالات سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ اگر پاکستان کا مطالبہ کسی شکل میں تسلیم نہ کیا گیا تو مسلم لیگ ہتھیار استعمال کرنے سے گریز نہیں کرے گی۔ اس دھمکی کے پیش نظر کانگریسی لیڈروں نے اپنے پہلے موقف میں ترمیم کر لی۔ اصل میں اب وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ اب یہ ان کے لئے سود مند ہو گا اگر وہ ان صوبوں کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں جو پاکستان کا حصہ بننے والے ہیں۔ جبکہ ساتھ ہی ساتھ انہیں یقین تھا کہ یہ صوبے بالآخر باقی ہند کے ساتھ دوبارہ اتحاد پر مجبور ہو جائیں گے۔[۵۵] ان حالات میں چونکہ آل انڈیا کانگرس پاکستان کی تشکیل پر رضامند ہو گئی تھی اس لئے ہندوستان کے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے رسمی طور پر برصغیر کی تقسیم کی تجویز کی موافقت کر دی:

ی۔ آزادی کے وقت ہندوستان کا جو نام رکھا گیا وہ تھا "انڈیا جو بھارت ورشا ہے" یعنی ہندوستان جو مہا بھارت ہے اور جو ماضی بعید میں ایران اور افغانستان کے علاقوں سے لے کر انڈونیشیا تک پھیلا ہوا تھا اور جس پر عظیم آریا بادشاہوں نے حکومت کی تھی جنہیں "بھارت ورش" کہا جاتا تھا۔ گویا اس سارے ہند کو دوبارہ اکٹھا کرنا اور اس پر اپنا دعویٰ ثابت کرنا یہ بھارت کا نظریہ ہے۔ ان ہی نظریات و جذبات کی 1947ء میں عکاسی کی گئی۔

ک۔ حتیٰ کہ جب تقسیم کے منصوبے کا اعلان ہوا۔ برطانیہ نے ہندوستان کے دفاع کو مشترک رکھنے کی تمنا ظاہر

۵۵۔ Minutes of 25th Meeting of India and Burma Committee May 19,1947, Mountbatten Papers IOR : MSS : Eurl. 200/247

کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تجویز مسترد کر دی اور 14 اگست 1947ء کو ایک آزاد پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

ل۔ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کی مسلح افواج کو اکٹھا رکھنے کے منصوبہ کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ نے افواج کی تقسیم کے مطالبہ کو زیادہ ترجیح دینی شروع کر دی۔ مسلم لیگ کے ترجمان اخبار نے اس کو یوں تحریر کیا۔

یعنی "عوام کی مرضی کے علاوہ کسی بھی مضبوط حکومت کے پیچھے مسلح افواج سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اور کوئی حکومت پوری طرح خود مختار نہیں کہلا سکتی اگر وہ اپنی خود مختاری کے ان ٹھوس ذرائع کو پوری طرح کنٹرول نہیں کر سکتی۔" [1]

م۔ انگریزوں نے اپنے پیچھے منظم بیوروکریسی کا ڈھانچہ ورثے میں چھوڑا جو تین ستونوں پر قائم ہے۔ سول سروس، پولیس اور فوج۔ جو ایک غیر جانبدار زبان یعنی انگریزی کی بنیاد پر اپنے فرائض بجا لاتے ہیں۔ برطانوی دور حکومت کی وراثت اور اس کا طریقہ کار بذات خود، خود مختار ہندوستان کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے ایک عامل کی حیثیت سے سامنے آیا ہے۔ [2]

ن۔ پاکستان قوم نے، جو اسلام اور آزادی کے جذبہ سے سرشار تھی، انگریز اور ہندوؤں کی مسلط کردہ روایات سے قطع نظر اپنے معاشرہ کی تشکیل اسلامی خطوط پر شروع کر دی اور اسلام کے آفاقی اصولوں کو اپنا کر اپنے آپ کو جلد باقی اقوام سے ممیز کر لیا اور ہر لحاظ سے اپنا منفرد مقام پیدا کر لیا۔

2- پاکستانی سپاہ کی تنظیم:

افواج پاکستان کو دشمن کے ساتھ مقابلہ کیلئے اور اسلامی تعلیمات میں مطلوب استعداد پیدا کرنے کیلئے دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق کئی شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کے تین بڑے اجزاء ہیں یعنی بری، بحری اور فضائی افواج۔ ان تینوں حصوں کو مزید ذیلی شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے تاکہ جدید انتظامی، دفاعی اور تکنیکی پہلوؤں کا پورا احاطہ کیا جا سکے اور تمام باریکیوں کے ساتھ سپاہ کی تربیت کی جا سکے۔ بری فوج کے گوناگوں ذیلی شعبے اس ہمہ گیر تربیت کی عکاسی

---

[1] Brig Javed Hasan, India, A Study in Profile, Services Book Club, Rwp, 1990, p 44

[2] Dr Noor.ul Haq Making of Pakistan, The Military Perspective, Army Edn Press, 1995, p 172

کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے پاکستان مسلح افواج کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عساکر پاکستان کے تمام شعبے اور رجمنٹیں اسلام کے نظام تربیت کا عملی نمونہ ہیں۔

رباط الخیل کا ذکر بالوضاحت تو خود قرآن کریم میں موجود ہے جس کا تعلق رسالہ یعنی آرمڈ کور سے ہے۔ علاوہ ازیں توپ خانہ ہو یا پیدل فوج۔ انجینیرز کور ہو یا سگنلز کور، ای ایم ای ہو یا سروس کور، آرڈیننس کور ہو یا میڈیکل کور، آرمی ایجوکیشن کور ہو یا کلیریکل کور، آرمی ایوی ایشن ہو یا آر وی ایف سی، فوجی بھرتی کے دفاتر ہوں یا فوجی تربیت کے مراکز۔ یہ سب ہی رباط کے دائرے میں داخل ہیں اور شب و روز اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مگن اور منہمک ہیں۔ جنگ میں براہ راست حصہ لینے والے شعبوں کا معاملہ تو بالکل واضح ہے کہ وہ میدان جنگ میں براہ راست دشمن سے برسر پیکار ہوتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام کوریں اور ادارے بھی اس فریضے کے سرانجام دینے میں کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

انجینیرز کے افراد ہمہ روز فوجی راستوں اور جنگی علاقوں کی اصلاح و مرمت کرنے اور دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں اور اس طرح فوجی دستوں کے لئے دشمن سے نبرد آزما ہونے کے راستے ہموار کرتے ہیں جبکہ سگنلز کے افراد مواصلاتی رابطوں اور پیغام رسانی کے ذرائع و وسائل کے نظام کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ ادھر ایک طرف ای ایم ای کے افراد جنگی سازوسامان مثلاً ٹینک، توپوں اور گاڑیوں وغیرہ کی اصلاح و مرمت اور انہیں قابل استعمال رکھنے میں مدد و معاون ہوتے ہیں تو دوسری جانب آرمی سروس کور کے افراد سامان رسد کی فراہمی اور اشیائے ضرورت کے بہم پہنچانے میں مصروف عمل ہوتے ہیں۔ ادھر آرڈیننس کور کے افراد اسلحہ سازی اور آلات حرب و ضرب کی تیاری اور انہیں بحفاظت ذخیرہ کرنے کے فرائض سے عہدہ برآ ہوتے ہیں تو دوسری طرف طبی شعبہ کے ڈاکٹر صاحبان اور نرسنگ کا عملہ میدان جنگ میں جنگ کے زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرتا ہے جبکہ عام حالات میں مختلف امراض کے شکار مجاہدین اور ان کے اہل خانہ کو طبی امداد فراہم کرتا اور خدمت خلق کے اہم فریضے کو سرانجام

دیتا ہے جبکہ آرمی ایجوکیشن کور مجاہدین کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے، انھیں اسلامی اخلاق و آداب سے روشناس کرانے اور ذہنی و فکری لحاظ سے جہاد اسلامی کے لئے تیار کرنے اور صحیح معنوں میں مجاہد فی سبیل اللہ بنانے میں معروف عمل ہوتے ہیں تاکہ وہ اخلاص وللہیت کے جذبات کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اور اسلامی ریاست و مملکت کے چپے چپے کا دفاع کرنے کے لئے میدان جہاد میں اتریں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں اور دین اسلام کے غلبے اور کامرانی کا باعث بن سکیں۔ گویا فوج کا کوئی ادارہ ایسا نہیں جو کہ اس اہم ذمہ داری اور مبارک عمل کے دائرے میں شامل نہ ہو۔ نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انفرادی طور پر فوج کا ہر رکن اپنی جسمانی تیاری کے ساتھ ساتھ اپنی ماتحتی اور تحویل میں ہر قسم کے جنگی اسلحہ اور سامان حرب کی دیکھ بھال اور نگرانی کے سبب رباط فی سبیل اللہ پر عمل پیرا ہے اور میدان کارزار میں دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیاری میں معروف ہے۔

اسی طرح بحری اور فضائی افواج کے ذیلی ادارے بری فوج کے شعبوں اور محکموں سے ملتے جلتے ہیں اور مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے پوری طرح کوشاں ہیں اور یہ سب ہمیشہ اپنے سامنے دین اسلام اور نظریہ پاکستان کے تقاضوں کو رکھے ہوئے ہیں۔

فصل پنجم ---- پاکستانی افواج کی مروجہ دینی اور نظریاتی تربیت کا نظام:

1- افواج پاکستان میں دینی فضا کا پس منظر:

الف۔ اس امر میں ہرگز دو رائے نہیں ہیں کہ اسلام ہی کو زندگی کے تمام امور کی "بشمول ریاست" بنیاد ہونا چاہئے۔ اس کے لئے راہنما دور نبی اکرم ﷺ کا زمانہ اور اس کے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ ہے۔ اسلام ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے جو معاشرہ کے تمام طبقوں میں اتحاد کا ضامن ہے بشمول مسلم فوج جو اس کے بہادر سپاہیوں پر مشتمل ہے اور وہی حقیقی طور پر اپنے مقدس وطن کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے محافظ اور ضامن ہیں۔ افواج پاکستان

میں آزادی سے لے کر آج تک ہمیشہ اسلامی اقدار پر عمل درآمد کرنے اور ان کو رواج دینے کی کوشش جاری رہی ہے۔ اس سمت میں مختلف ادوار میں پیش رفت کے لئے کاوشیں کی گئی ہیں۔ جو رفتہ رفتہ ایک مربوط نظام کی شکل اختیار کر گئیں۔

ب۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے حصے میں جو فوج آئی اس کا بڑا حصہ مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں کا تعلق زیادہ تر انہیں علاقوں سے تھا جو پاکستان کا حصہ بنے۔ چونکہ یہ ملک ایک نظریے کی بنیاد پر بنا' اس لئے قدرتی طور پر فوج ہی اس ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی محافظ بنی۔ اس کے ساتھ ہی تحریک پاکستان کا جوش و ولولہ ابھی تازہ تھا اور پوری قوم پاک فوج کی پشت پر موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صرف ایک سال کے اندر جب ہندوستان نے کشمیر میں اپنی فوجیں داخل کیں تو پاک فوج نے عوام کے ساتھ مل کر کشمیر کے ایک بڑے حصے کو ہندوستان سے آزاد کرا لیا۔[51] جنگ وادی کشمیر 1948ء میں پاک فوج نے کامیاب طریقے سے ہندوستان کو اس کے مذموم عزائم سے روکا جبکہ وہ پورے کشمیر پر قبضہ کر کے پاکستان کی شمالی سرحد کو خطرناک بنانا چاہتا تھا۔[52]

ج۔ تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کی متحدہ فوج میں آئمہ' پنڈت اور گرو ملازم رکھے جاتے تھے۔ جو بالترتیب مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں کو بنیادی تربیت کے بعد قسم دلایا کرتے تھے یعنی وہ عہد جو تربیت مکمل کرنے پر نو آموزوں سے لیا جاتا ہے کہ وہ ہر حال میں ریاست اور آئین ریاست کے وفادار رہیں گے۔ مردوں کے کفن دفن کی رسومات بھی انہی لوگوں کی نگرانی میں کی جاتی تھیں۔ تقسیم ہند کے بعد مسلمان یونٹوں کے ساتھ یہ آئمہ جنہیں ریلیجس ٹیچرز (دینی معلمین) کہا جاتا تھا بھی پاکستان آگئے اور فوج کا حصہ بن گئے۔ البتہ یہ لوگ بطور سویلین ہی کام کرتے رہے۔ مذکورہ بالا فرائض کے علاوہ یہ حضرات نمازوں کی امامت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ جس یونٹ میں مسجد ہوتی تھی وہاں امام صاحب لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے کے شوقین خود ہی امام صاحب سے رابطہ کر کے وقت طے کر لیا کرتے تھے۔ نماز کے متن کے ساتھ ساتھ نماز کے مسائل بھی ربلی

---

51. Shaukat Riza, Maj Gen (R) Indo Pak War 1965, Army Education Press, GHQ,Rwp, 1990, p 13

52. Cohen, Stephan, P, The Pakistan Army (Oxford University Press, Karachi, 1992, p 36

تعلیم کا حصہ تھے۔

2- افواج پاکستان میں اسلامی تعلیمات کی ترویج:

افواج پاکستان میں اسلامی تعلیمات کی ترویج اور اس جہت میں مرحلہ وار پیش رفت کا جائزہ لینے کے لئے ایک عسکری ادارے نے نجی طور پر ایک مطالعہ کیا۔ آئندہ آنے والی تفصیلات اسی مطالعہ سے لی گئی ہیں۔[سلہ]

الف۔ 1947ء سے 1968ء تک:

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی یہ محسوس کیا گیا کہ مادر وطن کے محافظ یعنی افواج پاکستان بالخصوص بری فوج اس دینی جذبہ کو برقرار رکھے جو حقیقت میں پاکستان کو دنیا کے نقشہ پر ابھارنے کا ذریعہ بنا ہے۔ اس امر کی اہمیت کے پیش نظر بری فوج کے کمانڈر انچیف نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ یہ فرائض لگائے گئے کہ وہ اس معاملہ پر غور کرے اور بری فوج میں دینی تعلیمات کی ترویج کے لئے تجاویز پیش کرے۔ اس کمیٹی کے سربراہ اس وقت کے بریگیڈیئر (جو بعد میں میجر جنرل بنے) نواب زادہ شیر علی خان مقرر ہوئے، جن کے ساتھ دس دیگر اعلیٰ افسران رکن کے طور پر متعین کئے گئے۔ اس کمیٹی نے دینی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر محیط ایک سوال نامہ مرتب کیا اور اسے مختلف یونٹوں، تربیتی اداروں اور فوجی مراکز کو بھیجا۔ اس کے جواب میں مختلف تجاویز سامنے آئیں جن کی روشنی میں کچھ پیش رفت ہوئی۔ البتہ کوئی نمایاں تبدیلی نہ آسکی۔

(2) 1963ء میں میجر جنرل عتیق الرحمان اس وقت کے ایجوٹینٹ جنرل نے معاملہ کو آگے بڑھاتے ہوئے کیپٹن عبدالغفور آرمی ایجوکیشن کور کو (جو بعد میں کرنل بنے) جو اس وقت ملٹری کالج میں اسلامی تعلیمات کے انسٹرکٹر تھے، شعبہ دینی تعلیمات کے اجراء کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے ایک خاکہ 19 فروری 1963ء کو بعنوان

سلہ College of Army Education, Murree, Study Report 1993, Trends of Religious Attitudes and Practices in The Army from 1976 to 1992

"فوج میں دینی تعلیمات" پیش کیا۔ مجوزہ خاکہ چند اہم چیزوں پر مشتمل تھا مثلاً شعبہ کا مقصود، وسعت اور دائرہ کار۔ 1964ء میں متعلقہ افسر کو اس خاکہ کو مزید بہتر بنانے کے لئے کہا گیا۔ انہوں نے ایک اور خاکہ بعنوان "پاک فوج میں دینی رجحان" مرتب کیا۔ اسی دوران 1965ء کی جنگ چھڑ گئی۔ اس لئے ان تجاویز پر عمل در آمد ملتوی ہو گیا۔ 1967ء میں میجر جنرل پیرزادہ ایجوٹنٹ جنرل نے پاکستان آرمی میں دین کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے پہلی تجاویز کو مع اپنی رائے کمانڈر انچیف کو پیش کیا۔ یہ معاملہ جی ایچ کیو کے مرکزی اجلاس میں زیر غور آیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایجوٹنٹ جنرل کے زیر کمان ایک "شعبہ دینی تعلیمات" قائم کیا جائے۔ جس کی سربراہی ایک لیفٹیننٹ کرنل کو دی جائے جو دینی تربیت کا جائزہ لیتے رہیں، دینی امور کے بارے میں راہنما اصول جاری کیا کریں اور ٹروپ موٹیویشن (تحریض عساکر) کے شعبہ کے ساتھ مضبوط رابطہ رکھیں۔

(3) آزادی کے بعد آئمہ مساجد ما قبل ذمہ داریوں کو سنبھالتے رہے۔ البتہ آزاد اسلامی ملک کی سپاہ کی تشکیل کے بعد روز بروز ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا۔ ہر چھاؤنی میں ایک گیریژن یعنی مرکزی مسجد مقرر کی گئی جس میں تمام لوگ جمعہ کی نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر امام صاحب دینی تعلیمات پر مشتمل وعظ کیا کرتے تھے۔ اس وعظ کا عنوان اور تفصیلات کلی طور پر امام صاحب ہی کی صوابدید پر ہوا کرتی تھیں۔ مشاہیر اسلام کی زندگیوں پر معلومات فراہم کرنا بھی امام صاحب کی ذمہ داری تھی۔ جمعہ کے خطبوں میں وہ یہ معلومات لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان کے موضوعات پر کبھی کبھار یونٹ کی سطح پر لیکچر دیئے جاتے تھے۔ عموماً یہ لیکچر افسر صاحبان دیا کرتے تھے۔ ابتداء میں ان لیکچروں میں زیادہ جوش و خروش نہیں دیکھا جاتا تھا البتہ 60 کی دہائی میں اس سلسلے میں کافی پیش رفت ہوئی۔ اس ضمن میں بریگیڈیئر عبدالرحمن صدیقی لکھتے ہیں:

"لفظ نظریہ یعنی آئیڈیالوجی 1965ء کی جنگ میں پہلی دفعہ عملی طور پر دیکھنے میں آیا۔ رن آف کچھ کی جنگ 1964ء کے بعد نظم و نثر میں دینی موضوعات پیش کئے جانے لگے اور پہلی دفعہ یہ بات زیر بحث آئی کہ فوج میں افسران کا ایک ایسا کیڈر (گروپ) ہو جو جوانوں کی سیرت سازی کرے۔ [41] کیڈر سے مراد افراد کا ایسا گروہ ہے جو مخصوص تعلیمی اہلیت کے ساتھ مخصوص فرائض کی انجام دہی کے لئے بھرتی کیا جائے۔

41-Brig (R) Abdul Rehman Siddiqui, Article in Daily "The Nation" Lahore, 2 Nov, 95

ب- 1968ء سے 1976ء تک:

(1) 1968ء کو آرمی شعبہ دینی تعلیمات وجود میں آیا۔ اس شعبے کو افسروں اور جوانوں کی دینی تربیت کا ذمہ دار بنایا گیا۔ ابتداء میں جنرل ہیڈ کوارٹرز میں ایک سیکشن نے کام شروع کیا۔ جس میں پہلے ایک اور بعد میں دو آفیسرز تعینات کئے گئے۔ ان کے ساتھ دفتری سٹاف بھی تھا۔ اس شعبے نے اپنی بساط بھر کوشش کی اور چند کتابوں کے علاوہ پورے سال پر محیط خطبات عسکر کے نام سے جمعہ کے باون خطبے بھی تالیف کئے۔ اس کے ساتھ ہی پوری فوج میں موجود ریلیجس ٹیچرز کی تربیت اور کارکردگی کی نگرانی بھی انہی افسروں کے سپرد تھی۔ تمام عسکری تربیتی مراکز میں بھی دینی تربیت کا بندوبست کیا گیا جہاں نو آموزوں کو اسلام اور نظریہ پاکستان اور جہاد اسلام کے موضوعات پر لیکچر دیئے جاتے تھے۔ اسی دینی اور اخلاقی تربیت کا نتیجہ تھا کہ پاکستانی عساکر 1971ء کی جنگ کے دوران تمام تر مشکلات کے باوجود آخر وقت تک دشمن کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے[45] نئے نظام کے ذریعے فوج کی مختلف سطحوں پر افسروں اور جوانوں کے عسکری جذبہ محرکہ میں قوت اور تیزی پیدا کرنے کے لئے جو کام کیا جانے لگا اس کی تفصیل آگے دی جارہی ہے۔

(2) ہر یونٹ (جس کی تعداد 120 ہو) میں ایک خطیب کی تعیناتی ہوتی ہے۔ جس کے لئے تعلیمی معیار میٹرک ہونے کے ساتھ حکومت کی طرف سے کسی منظور شدہ دینی مدرسے سے فاضل درس نظامی ہونا لازمی ہے۔ یہ خطیب ہر صبح پہلے پیریڈ (Period) میں یونٹ کے تمام افسروں اور جوانوں کے سامنے دس منٹ تک درس قرآن دیتا ہے۔ یہ درس چند آیات کی تلاوت اور ان کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس میں عمومی طور پر جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت اور جوانوں کے جذبہ محرکہ کو بلند رکھنے کی تلقین ہوتی ہے۔ نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ کی امامت، جمعہ کا وعظ، درس حدیث، ناظرہ قرآن اور قرآن کا ترجمہ پڑھانا اسی خطیب کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت کا یہ عمل جوانوں کے ایمان و یقین کی پختگی کے لئے نہایت ہی موثر ہوتا ہے۔ ہر یونٹ میں ہفتے میں ایک بار نظریہ پاکستان، تاریخ اسلام اور دینی موضوعات پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ جی ایچ کیو کی طرف سے بھیجے گئے پروگرام اور نصاب کی روشنی میں ہر یونٹ میں دینی کورس چلائے جاتے ہیں۔ جن میں افسر اور جوان باری باری حصہ لیتے ہیں۔ ہر یونٹ کی مسجد میں ایک لائبریری قائم کی گئی ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کی کتابیں موجود ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک یونٹ لائبریری بھی ہوتی

---

45 Lodhi, M A K Secession of East Pakistan and 1971 War, Daily "The Nation" Lahore, 16 Dec, 1995

ہے جس میں دیگر کتب کے علاوہ دینی موضوعات پر بھی کتب مل سکتی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل پاک آرمی میں بھرتی کے لئے تعلیمی معیار کم از کم میٹرک کر دیا گیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اب طبع شدہ مواد سے بخوبی استفادہ کیا جا رہا ہے۔

(3) اس شعبہ نے نو سال تک محدود دائرہ کار میں بھرپور خدمات سرانجام دیں۔ اس ادارہ نے نہ صرف تمام دینی پہلوؤں پر مشاورتی کردار ادا کیا بلکہ افواج پاکستان میں دینی مزاج اور مجاہدانہ جذبہ پیدا کرنے کے لئے چند نمایاں کتب تالیف کیں اور انہیں تمام فوجی یونٹوں اور لائبریریوں میں تقسیم کیا مثلاً خلاصہ مفہوم قرآن، آئین سرفروشی اور غازی و شہید۔ اس کے علاوہ دینی، نظریاتی اور بالخصوص جہاد پر کثیر تعداد میں کتبات جاری کئے جنہیں افواج کے دفاتر، مساجد، مطالعاتی مراکز اور جوانوں کے رہائشی کمروں میں آویزاں کیا گیا ہے۔ 1976ء تک یہ شعبہ نظامت خدمات عامہ کے تحت رہا اور اس کا کردار مشاورتی رہا۔ یونٹوں میں خدمات سرانجام دینے والے دینی معلمین کا انتظام و انصرام دیگر سویلین حضرات کی طرح اسی نظامت عامہ کے سپرد رہا۔

(4) پاک فوج میں عسکری جذبہ محرکہ کے نظام کے حوالے سے سال 1975ء ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال جب نئے چیف آف آرمی سٹاف کا تقرر عمل میں آیا تو فوج کی فضا میں نمایاں تبدیلی آئی۔ نئے چیف آف آرمی سٹاف نے عہدہ سنبھالتے ہی پاک فوج کو ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کا نصب العین دیا۔ اس کے ساتھ ہی عملی طور پر چند مزید اقدامات کئے جو ہر آنے دن فوجی ماحول سے غیر اسلامی اثرات نکال کر اسے اسلامی رنگ میں رنگنے لگے۔ ان اقدامات میں سے ایک، تمام فوجی میسوں (Messes) اور کلبوں میں شراب کے استعمال کو ممنوع قرار دینا ہے۔ نماز کے قیام کو ضروری قرار دیا گیا۔ نئے فوجی سربراہ نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے اور بعض اوقات خود امامت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس عمل سے دوسرے افسروں کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ ان کے دلوں میں بھی قیام صلوٰۃ کا شوق پیدا ہوا۔ دفتروں میں ظہر کی نماز کا باقاعدہ اہتمام کیا جانے لگا جو اس سے پیشتر مفقود تھا۔ انفرادی طور پر بھی افسر اور جوان نماز کی طرف زیادہ مائل دکھائی دینے لگے۔

ج۔ 1977ء میں تینوں مسلح افواج میں دینی محکمہ کا قیام:

(1) افواج پاکستان میں دینی تعلیمات کو زیادہ مربوط اور فعال بنانے کے لئے نمایاں کوششیں 1976ء کے بعد سے جنرل ضیاء الحق کے دور سے شروع ہوئی۔ اس مقصد کیلئے حالات کا دوبارہ جائزہ لیا گیا اور چند امور پر بالخصوص

[4] COAS Directive, Motto for Pakistan Army, GHQ, Rwp, 1976

توجہ دی گئی مثلاً نظریہ اسلام اور اس کے اصولوں سے سپاہ کے لگاؤں کا جائزہ، شعبہ دینی تعلیمات کے دائرہ کار کی حدود نیز تحریک و تحریض کے اثر و نفوذ اور اس کی وسعت پر غور و خوض۔ اس کے نتیجے میں 1977ء میں شعبہ دینی امور کا ایک الگ محکمہ وجود میں لایا گیا اور اس کا دائرہ پھیلا کر تینوں مسلح افواج تک پھیلا دیا گیا۔[4]

(2) یونٹ کے خطیب صاحب نے شروع سے ہی اپنا کام جاری رکھا اور افراد کے دلوں میں ایمان و یقین کی شمع جلائے رکھی لیکن زیادہ حوصلہ افزاء نتائج نہ حاصل کئے جا سکے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یونٹ خطیب کی بھرتی کے لئے تعلیمی معیار بہت معمولی تھا۔ وہ نمازوں کی امامت تو کرا سکتا تھا مگر دنیاوی علوم پر دسترس نہ ہونے اور قومی و بین الاقوامی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں سے عدم واقفیت کی بناء پر سامعین میں ایسی روح پھونکنے سے قاصر تھا جو وقت کی ضرورت تھی۔ مزید برآں یونٹ میں خطیب کا مقام و مرتبہ ایک عام عہدے دار کا سا بھی نہ تھا۔ یہ سب چیزیں اس کی کارکردگی کو متاثر کرتی تھیں۔

(3) عمومی طور پر اس پورے عرصے میں فوجی جوانوں کی دینی و اخلاقی تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ درج بالا اقدامات کے علاوہ سپاہ کے دلوں کو گرمانے کے لئے ہر دور میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا جاتا رہا۔ یہ نعرہ نہ صرف دوران جنگ استعمال کیا جاتا رہا بلکہ ٹریننگ اور پیشہ ورانہ مقابلوں میں آج کل بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض رجمنٹوں اور یونٹوں نے اپنے جنگی شعار بھی اپنائے جو ان کے عسکری جذبے کو خاطر خواہ تحریک دیتے ہیں۔ غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کرنے والوں کو تمغات سے نوازا جاتا ہے۔ اور یہ اعزازات افسروں اور جوانوں کے ناموں کے ساتھ لکھے جاتے اور بولے جاتے ہیں جو ان کے وقار میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ اعزازات نہ صرف انہی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی ترغیب کا باعث بنتے ہیں۔

3- پاکستانی افواج کا موجودہ نظام تربیت:

پاک فوج میں عسکری جذبہ محرکہ کے نظام کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لئے 1978ء میں نمایاں اقدامات کئے گئے۔ 1977ء کے مارشل لاء کے نتیجے میں فوجی سربراہ کے اختیارات بھی بڑھ گئے۔ لہذا چیف آف آرمی سٹاف کے ذہن میں اس نظام کا جو نقشہ موجود تھا اور گذشتہ سالوں میں اس ضمن میں مختلف شعبوں سے جو تجاویز موصول ہوئی

---

[4] Ministry of Defence Order, Creation of Religious Affairs Department in Armed Forces, 1977

تھیں ان کی روشنی میں سپاہ کے اندر حقیقی جذبہ جہاد اجاگر کرنے کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا گیا اور حکومت کی سطح پر اس کی منظوری حاصل کر کے اسے عملی طور پر نافذ کر دیا گیا۔

الف۔ دینی امور اور عسکری جذبہ محرکہ کا شعبہ:

تعلیم کے نئے نظام کے تحت افواج میں دینی تعلیم کے حاملین افسروں اور خطیبوں پر مشتمل ایک کیڈر (Cadre) متعارف کرایا گیا۔ فوج میں پہلے سے موجود آئمہ جو مطلوبہ تعلیمی معیار پر پورے اترتے تھے ان کو جونیئر کیشنڈ آفسرز کے عہدوں کے برابر یعنی نائب صوبیدار، صوبیدار اور صوبیدار میجر کے مساوی نائب خطیب، خطیب اور خطیب اعلیٰ کے رینک دے کر ان کے مقام و مرتبہ کو بڑھا دیا گیا جس سے بہت اچھے نتائج سامنے آئے۔

ب۔ بڑے مراکز میں منتظم مذہبی امور کی تقرری اور اس کے فرائض:

(1) ہر ڈویژن [1] کی سطح پر ایک میجر کی تعیناتی ہوتی ہے۔ اس افسر کے لئے تعلیمی معیار ایم اے اسلامیات اور حکومت کے کسی منظور شدہ مدرسے سے درس نظام کی سند رکھی گئی ہے۔ ڈویژن میں ہونے والی دینی تربیت کا ذمہ دار یہی افسر ہوتا ہے۔ ڈویژن کی سطح پر ہر سال دو دو ہفتوں پر مشتمل مختلف کورس چلائے جاتے ہیں۔ ڈویژن ہیڈ کوارٹرز میں موجود افسر خطیب صاحبان کی مدد سے یہ کورس چلاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ افسر وقتاً فوقتاً یونٹوں میں جا کر جہاد اور دیگر دینی موضوعات پر لیکچر دیتا ہے جسے کمانڈنگ آفیسر سے لے کر سپاہیوں تک تمام لوگ سنتے ہیں۔ چھاؤنی کی مرکزی مسجد میں درس قرآن، درس حدیث اور جمعہ کا وعظ اسی افسر کی ذمہ داری ہے، ڈویژن میں خطیب صاحبان کی تربیت کے لئے ریفریشر کورس (Refresher Course) اور فن خطابت میں مہارت پیدا کرنے کے لئے خطابت کورس چلائے جاتے ہیں۔ تجوید اور قرات میں مہارت اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ہر ڈویژن میں سالانہ چھ سے آٹھ ہفتوں پر مشتمل قرات کورس چلایا جاتا ہے۔

(2) ڈویژن اور جی ایچ کیو کے درمیان ایک اور فوجی تنظیم ہوتی ہے جسے کور (Corps) کہتے ہیں۔ اس میں ایم اے اسلامیات اور درس نظامی کی سند کے حامل ایک لیفٹیننٹ کرنل کو تعینات کیا جاتا ہے۔ یہ افسر پوری کور کے ماتحت ڈویژنوں، بریگیڈوں اور یونٹوں کی دینی تربیت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کے اے جی ایچ کیو سے ملنے والی دینی تربیت کی

---

[1] ڈویژن ایک فوجی تنظیم کا نام ہے جس میں تقریباً 15 ہزار افراد ہوتے ہیں۔

پالیسی کو نافذ کرنا اور دینی تربیت کے معیار کو چیک کرنا ہے۔ کور کے ماتحت تمام شعبوں کی سالانہ انسپکشن کر کے یہ افسر جی ایچ کیو کو رپورٹ بھیجتا ہے۔ جس میں دینی تربیت کے معیار اور اسے بہتر بنانے کے لئے تجاویز ہوتی ہیں۔

4۔ شعبہ دینی امور کے اغراض و مقاصد:

الف۔ افواج پاکستان میں دینی امور کا محکمہ بنانے کے لئے حکومت پاکستان وزارت دفاع کی طرف سے جو حکم نامہ جاری ہوا اس کے نمایاں خدوخال یہ تھے:

(1) شعبہ دینی تعلیمات کو مزید اہل کار مہیا کرنا جن کی کمان اب کرنل کے عہدہ کے افسر کے پاس ہو۔

(2) نظامت خدمات عامہ کے بجائے شعبہ دینی تعلیمات کو نظامت تعلیم کے ماتحت دینا۔

(3) اہل اور متقی علماء کرام کو جونیئر کمیشنڈ آفیسر کا رینک دے کر عسکری رنگ میں رنگنا۔

(4) بڑے عسکری مراکز میں تعلیم یافتہ افسران کو بحیثیت مشیر دینی امور متعین کرنا۔

ب۔ اس شعبہ کو جو مشن یعنی فرض منصبی دیا گیا وہ یہ ہے:

"پاک فوج کی اخلاقی اور روحانی قوت کو اس کے نصب العین ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کی روشنی میں بڑھانا۔"

5۔ کالج آف آرمی ایجوکیشن میں جاری کردہ کورسز:

شعبہ دینی تعلیمات جی ایچ کیو کی طرف سے دی گئی پالیسی کی روشنی میں آرمی کی سطح پر کالج آف آرمی ایجوکیشن میں ہر سال افسروں اور جونیئر کمیشنڈ افسروں کے لئے آٹھ آٹھ ہفتوں پر مشتمل علیحدہ علیحدہ کورس چلائے جاتے ہیں۔ دینی تعلیم کے ماہر افسر اور خطیب ان کورسوں میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد یونٹ کے کورسوں کو منظم کرتے ہیں۔

6۔ مقابلہ ہائے حسن قرات و حفظ:

شعبہ دینی تعلیمات فوج کی مختلف سطحوں پر حفظ قرآن اور حسن قرات کے مقابلے منعقد کرواتا ہے۔ آرمی کی سطح کے مقابلوں میں ہر ڈویژن کی نمائندگی کرنے کے لئے حفاظ اور قاری حصہ لیتے ہیں۔ ان مقابلوں میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والوں کو سرکاری خرچ پر حج کے لئے بھجوایا جاتا ہے۔ جس سے فوج میں حفظ اور قرات کا شوق دو چند ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ افراد کے اندر مثبت جذبہ مسابقت پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ دینی تعلیمات کے ماہر افسروں اور خطیبوں کو

انعامات کے ساتھ حج کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے۔ منتخب شدہ افسر / خطیب انٹر سروسز (Inter Services) پھر کل پاکستان اور بعد میں عالمی مقابلوں میں بھی حصہ لیتے ہیں عسکری قراء اور حفاظ گذشتہ سالوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر کے ملک و ملت کا نام روشن کر چکے ہیں۔

7- عساکر کے مابین تحریضی تقریری مقابلے:

فوج میں افسروں اور جوانوں کے مابین تقریری مقابلوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان مقابلوں میں آرمی میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے مقرر کو سرکاری خرچ پر حج کے لئے بھجوایا جاتا ہے۔ یہ تمام مقابلے افسروں اور جوانوں میں جوش و جذبہ پیدا کرتے ہیں اور ساتھ ہی سامعین کے دلوں میں ایمان کو گرما کر ذوق جہاد اور شوق شہادت پیدا کرتے ہیں۔

8- اسلامی لٹریچر کی اشاعت:

شعبہ دینی تعلیمات ایک سہ ماہی مجلہ "نشان حق" شائع کرتا ہے جسے دینی علوم کے ماہر افسر اور خطیب تالیف کرتے ہیں۔ یہ شعبہ اس مجلے کو یونٹ اور کمپنی کی سطح تک پہنچانے کا بندوبست کرتا ہے۔ آرمی کی طرف سے ایک ہفت روزہ "ہلال" بھی شائع ہوتا ہے جس میں قرآن و حدیث کے موضوعات کے علاوہ تاریخ اسلام اور تحریک پاکستان کے بارے میں مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا مجلہ اور ہفت روزہ جذبہ جہاد پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔

شعبہ دینی تعلیمات قرآن حکیم کی آیات کا انتخاب کر کے اخلاقی تعلیمات پر مشتمل کتبات شائع کر کے ہر سطح پر تقسیم کرنے کا بندوبست کرتا ہے۔ ان کتبات کو تمام اہم مقامات مثلاً دفتروں، لائبریریوں، انفارمیشن رومز (Information Rooms) اور طعام گاہوں وغیرہ میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ تاکہ جوان جہاں بھی جائیں ان کتبات پر ان کی نظر پڑے اور اسلامی تعلیمات ان کے دلوں میں اتر جائیں۔ یوں ایک جوان کے دل میں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک باعمل مسلمان اور بہترین مجاہد بنتا ہے۔[۱]

---

[۱] Instructions on Religious Affairs, GHQ, Rwp, 1977

9- متفرق تربیتی امور کا اہتمام:

مجموعی طور پر اس نظام کو فوج کے تمام حصوں نے اپنا لیا۔ یونٹ کمانڈر سے لے کر چیف آف آرمی سٹاف تک تمام فوجی افسر دربارؤں سے خطاب کرتے ہوئے قرآن و حدیث سے حوالے دے کر جوانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور جوانوں میں شوق شہادت پیدا کرتے ہیں۔ مختلف فوجی تنظیمیں سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ بنیادوں پر رسائل شائع کرتی ہیں۔ جن میں اسلامی تعلیمات کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مجلے جن میں صرف پیشہ ورانہ مضامین چھاپے جاتے ہیں اور پاکستان سے باہر بھی بھیجے جاتے ہیں ان میں بھی جہاد کی اہمیت، میدان جنگ میں ایمان والوں کی برتری اور مجاہد کی صفات جیسے موضوعات پر مضامین چھپتے ہیں۔ ان میں کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کا مجلہ "Citadel" پاکستان ملٹری اکیڈمی کا مجلہ "قیادت" اور کالج آف آرمی ایجوکیشن کے مجلے "تدریس" کے علاوہ "پاکستان آرمی جرنل" قابل ذکر ہیں۔ آرمی کے تمام تربیتی اداروں میں اسلامیات اور عربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان اداروں میں پاکستان ملٹری اکیڈمی اور کمانڈ اینڈ سٹاف کالج قابل ذکر ہیں۔

10- شعبہ دینی امور کی طرف سے جاری کردہ احکامات و ہدایات:

الف- تربیتی حکم نامہ 1980ء:

بری فوج کے ہیڈ کوارٹر کی طرف سے یہ حکم نامہ جاری کیا گیا۔ اس حکم نامے میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ دینی تعلیم مبنی بر مقصود ہونی چاہئے تاکہ ایک طرف تو یہ ہماری پیشہ ورانہ تربیت کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہو اور دوسری طرف ہمارے قائدین کی صلاحیتوں کو مزید جلا دے۔ اس نوٹ نے تربیت کے ایک جامع نظام کو پیش کیا اور عسکری مراکز و تشکیلات کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ وہ اپنے جوانوں کے لئے ہر سال ایک سے زائد بار چند ہفتوں کے دورانیہ کے دینی تربیتی کورس چلائیں۔ نیز جی ایچ کیو کے زیر اہتمام افسران کے لئے بھی ہر سال ایک دینی تربیتی کورس چلانے کے لئے کہا گیا۔ سلیبس اور متعلقہ کتب کی تفصیل بھی اس نوٹ میں دی گئی۔

مندرجہ بالا کورسوں کے علاوہ بعض امور پر خاص اہتمام کرنے کو کہا گیا مثلاً جوانوں کو ناظرہ قرآن کی تعلیم، ہفتہ وار قرآن اور حدیث کے دروس کا انتظام، ماہ ربیع الاول میں سیرت النبی ﷺ کا انعقاد اور عربی لغت کی کلاسوں کا اجراء اور اس کے لئے منتخب طالب علموں کو مناسب سہولتیں مہیا کرنا۔[1]

---

[1] Training Note, GHQ, Rwp, 1980

ب- تربیتی حکم نامہ 1988ء:

سابقہ حکم نامے میں مزید ترامیم کی گئیں اور بہتر انداز میں دوبارہ جی ایچ کیو سے حکم نامہ جاری کیا گیا۔ اس میں بعض نمایاں ترمیم شدہ اور اضافی احکامات شامل تھے:

"اس تربیتی نوٹ کا مقصد فوج میں دینی تربیت کو جاری اور منظم کرنے کے لئے واضح مقاصد اور راہنما اصولوں کو متعین کرنا ہے تاکہ عساکر کے فہم اسلام کو اس طرح بڑھایا جائے کہ ان میں اسلامی تعلیمات کو روز مرہ زندگی میں اختیار کرنے کے جذبہ کو مزید پختہ کیا جائے تاکہ وہ باعمل مسلمان بن سکیں۔"

گویا دائرہ کار کو کافی حد تک وسیع کیا گیا ہے۔ اس نوٹ کے مطابق دینی تربیت کو ایک خاص مقصود کے حصول کی طرف مرکوز کرنے کے لئے کہا گیا نیز اس کو ہر سطح پر جاری کرنے کا انتظام کیا گیا تاکہ یہ پیشہ ورانہ تربیت کو بہتر بنانے اور قائدانہ صلاحیتیں اجاگر کرنے میں مدد دے سکے۔ مثلاً نظم و ضبط، عزت نفس، حق گوئی، مقصد سے لگن و وفاداری، حب وطن، احساس ذمہ داری اور جرات و بہادری، دینی تربیت کے اس خاکہ میں چند صفات مثلاً یقین، اتحاد مسلم، نظم و ضبط اور کمان کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا۔ اس نوٹ میں خصوصی توجہ نماز ظہر کو دی گئی تاکہ روز مرہ پروگرام نماز ظہر باجماعت پر اختتام کو پہنچیں اور وضو کے وافر اور بروقت انتظامات کئے جائیں۔[1]

ج- دینی معلمین کی تربیت:

دینی معلمین کی جامع تربیت کے لئے کئی راہیں تلاش کی گئیں مثلاً خطابت کورس، تبصرہ کتب، سالانہ تقریری مقابلہ، قرات کورس، تحقیقی مقالہ جات اور مساجد میں لائبریریوں کا اجراء۔

11- عساکر کے تمام طبقوں کے لئے مربوط اور جامع نظام تربیت:

ایک سب سے اہم پیش رفت ان ہدایات میں جو کی گئی وہ یہ کہ ایک ریکروٹ سے لے کر کمانڈنگ آفیسر تک کے تمام طبقوں کی جامع دینی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔ بنیادی دینی معلومات کے حصول کے مرحلہ وار، سروس اور اگلے رینک کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ تربیتی خاکہ کئی چیزوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً نماز بشمول دعاء قنوت مع ترجمہ، ناظرہ قرآن، ایمانیات، چھ کلمات اور قرآن پاک کی آخری دس سورتیں۔

مندرجہ بالا تعلیمات پر مشتمل ایک ہفتہ کے دورانیے کے کورس کو دیگر ترقی کے امتحانات کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ یہ کورس سپاہی سے نائب صوبیدار کے رینک تک ترقی پانے کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ کچھ ترامیم اور اضافے بھی

[1] Training Note, GHQ, Rwp, 1988

اس نوٹ میں کیئے گئے مثلاً منتخب طبقات کے لئے اختیاری عربی زبان کی کلاس کے بجائے تمام طبقات کے لئے تجوید و قرات کا ایک کورس لازمی قرار دیا گیا۔ مختلف تربیتی کورسز مثلاً یونٹ، عسکری مراکز اور جی ایچ کیو کی سطح پر چلائے جانے والے کورسز کا سلیبس اردو میں واضح کیا گیا تاکہ تمام جوان اور اساتذہ یعنی علماء کرام باسانی اسے سمجھ سکیں۔ مجوزہ کتب بالخصوص سیرت پر کتب کی فہرست بھی منسلک کی گئی۔

12- متفرق عسکری مراکز کی طرف سے جاری کردہ دینی تربیتی ہدایات اور تعلیمات:

الف۔ عمومی ہدایات:

فوج کی تمام یونٹیں اور مراکز ہر سال پیشہ ورانہ تربیت کے لئے باقاعدہ ہدایات جاری کرتے ہیں۔ سپاہ میں علمی ذوق اور جہاد کی تحریض کے لئے ہدایات بھی اسی حکم نامہ کا حصہ ہوتی ہیں۔ البتہ بعض بڑے عسکری مراکز نے دینی، تعلیمی اور ثقافتی تربیت کے لئے الگ سے ہدایات بھی جاری کی ہیں۔ یہ ہدایات جی ایچ کیو کے ٹریننگ نوٹ کے محتویات اور اس ذیل میں دیگر جاری کردہ ہدایات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ بعض اوقات دینی تربیتی ہدایات کو الگ سے بھی جاری کیا جاتا ہے۔

ب۔ تعمیر کردار:

کچھ فارمیشنوں (عسکری مراکز) نے الگ سے مستقل نوعیت کے دینی تربیتی حکم نامے جاری کئے۔ ایک فارمیشن نے تعمیر کردار کے عنوان سے ایک پمفلٹ جاری کیا جس میں جی ایچ کیو کی جاری کردہ تعلیمات و ہدایات کو سمونے کے علاوہ عملی نوعیت کی وہ تمام چیزیں ڈالی گئیں جو سپاہ کے مقصود کے حصول کے لئے ضروری ہیں۔ اس کی بنیاد پر ایک تربیتی کورس چلایا گیا۔ تمام عہدیداروں نے اس سے استفادہ کیا۔[41]

ج۔ قرآنی تعلیمات:

ایک بڑے عسکری ادارے نے ایک اور اہم قدم اٹھایا۔ اس نے چار ہفتہ کے دورانیہ کا شعبان میں حفظ کا دور شروع کیا تاکہ کمزور حافظ اپنے قرآن مجید کو پختہ کر سکیں۔ باقی مراکز نے بھی اسے اپنے تربیت کورس کا رفتہ رفتہ حصہ بنا لیا اور کم و بیش فوج کے تمام اداروں نے اسے اپنا لیا۔ ملٹری اکیڈمی کاکول نے ایک اہم پیش رفت کی کہ عربی اور

41. HQ 10 Corps, Tameer Kirdar (Lahea e-Amal) Chaklala Corps Press, 1992

اسلامیات کو لازمی مضمون کے طور پر تمام کیڈٹوں کے لئے اختیار کیا۔ بعد میں کیڈٹوں کے لئے ناظرہ قرآن کو لازمی قرار دے دیا گیا۔[14]

13- جی ایچ کیو کے دیگر شعبہ جات کی دینی خدمات:

الف۔ نفسیاتی جنگ کے تربیتی شعبے کی خدمات:

شعبہ دینی امور کے اجراء سے قبل تحریض اور نفسیاتی جنگ کے لئے تربیت کی ذمہ داری نظامت نفسیاتی جنگ کے پاس تھی۔ دشمن کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں فوجی جوانوں کے عسکری جذبہ محرکہ پر پڑنے والے منفی اثرات کو زائل کرنے اور دشمن کے سپاہیوں پر منفی اثرات پیدا کرنے کے لئے اس ڈائریکٹوریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کا نام سائیکولوجیکل آپریشن ڈائریکٹوریٹ (Psychological Operations Directorate) رکھا گیا۔ اس ڈائریکٹوریٹ نے نفسیاتی جنگ کے اثرات، ہندو ذہنیت اور نظریہ پاکستان کے موضوعات پر کتابچے شائع کئے۔ ان مضامین میں ذہنی تربیت اور نفسیاتی جنگ سے بچاؤ کی تدابیر، عددی کمی اور انداز جنگ اور ہندو ذہنیت زیادہ اہم ہیں۔ اس ڈائریکٹوریٹ نے تحریضی چارٹوں کے علاوہ جہاد کے موضوع پر کئی کتابیں طبع کرائیں مثلاً طاقت ور دشمن سے مقابلہ، اسلامی ترغیب جہاد، جہاد فی سبیل اللہ، صلہ شہید کیا ہے؟ اور اسلام کا ضابطہ اخلاق۔ جہاد پر جیبی سائز کا کتابچہ ہر سپاہی کو دیا گیا۔ یہ ڈائریکٹوریٹ مستقل طور پر پاک فوج کو دشمن کے عزائم، اس کی حربی صلاحیت اور دشمن کے عسکری جذبہ کی کیفیت سے آگاہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً کتابچے شائع کرتا رہتا ہے۔

اس نظامت نے کچھ دیگر اہم اور مفید کتب بھی طبع کرائیں مثلاً نظریہ پاکستان، تحریک آزادی کی تاریخ، قومی جذبہ، پیشہ ورانہ اور مسلم عسکری تاریخ۔ یہ نظامت آرمی چیف کی طرف سے جاری کردہ تربیتی احکامات کی روشنی میں گاہے گاہے اپنی ہدایات جاری کرتی ہے۔ بالآخر اس نظامت نے ایک جامع ہدایت نامہ بعنوان "فوج میں تحریضی پروگرام" جاری کیا جو نظریاتی تربیت کے لئے مفصل راہنمائی کرتا ہے۔[15]

---

[14] Pakistan Military Academy, Kakul, Training Directive, Kakul Academy Press, 1990

[15] Psychological Operations Directorate, Motivational Training Programme in the Army, Central Army Press, 1985

ب۔ نظامت تعلیم کی علمی خدمات:

نظامت تعلیم نے بھی عساکر کی دینی تربیت کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ تمام سطح کے امتحانات میں اسلامی تعلیمات کو لازمی قرار دینے کے عمل نے اس امر کو جامع اور مقصود کے زیادہ نزدیک کر دیا۔ آرمی ایجوکیشن پریس سے اسی طرح کا لٹریچر طبع کرایا گیا۔ فوج کی مرکزی لائبریری نیز چھاؤنیوں کی دیگر لائبریریوں کے لئے کتب تجویز کیں۔ عربی اور اسلامیات کے مضامین پڑھانے کے لئے افسران کو بھرتی کیا گیا اور ان کو تربیتی اداروں میں متعین کیا گیا۔

ج۔ عربی لغت کے اداروں کی خدمات:

افسران کو قومی ادارہ لغات جدیدہ اسلام آباد میں اور عریبک پروموشن سوسائٹی کراچی میں بھجوایا گیا۔ زبان دانی کے بعد انہیں اساتذہ اور مترجمین کے فرائض ادا کرنے کے لئے متعین کیا گیا۔ کالج آف آرمی ایجوکیشن میں بھی افسران اور سردار صاحبان کے لئے الگ الگ دینی تربیتی کورسز جاری کئے گئے۔ فوج کے تمام طبقوں کے لئے دینی اور تحریکی عنوانات پر سالانہ تقریری مقابلے منعقد کئے گئے۔

د۔ شعبہ دینی تعلیمات کی عمومی خدمات:

اس شعبہ نے سپاہ کے دینی رجحانات کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی عمومی خدمات کے چند پہلو یہ ہیں:

(1) دینی امور کے لئے افسران اور دینی معلمین کو بھرتی کرنا اور انہیں تربیت دینا۔

(2) کالج آف آرمی ایجوکیشن میں چلنے والے کورسز کے لئے تربیتی نصاب مرتب کرنا۔

(3) متفرق نوعیت کے کورسز کا انتظام کرنا:

(I) افسران کے لئے بنیادی دینی تربیتی کورس۔

(II) دینی معلمین کے لئے تجوید اور امامت کا کورس۔

(III) قرآن اکیڈمی راولپنڈی اور مختلف عسکری مراکز میں قرات و تجوید کورس۔

(4) باہمی مقابلے اور لٹریچر کا اہتمام کرنا:

(1) سالانہ حفظ قرآن کے مقابلے۔

(2) خطباء کے باہمی تقریری مقابلے۔

Manual of Army Education, GHQ, Rwp, 1970

(3) جمعہ کے خطبات میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے خطباء کے لئے تین جلدوں پر مشتمل "خطبات عساکر" کی اشاعت۔

(4) مختلف موضوعات پر سہ ماہی دینی مجلہ "نشانِ منزل" کا اجراء۔

(5) مختلف جہات پر مشتمل دینی لٹریچر کی اشاعت اور تقسیم۔

(6) دیگر خیراتی اداروں کے شائع کردہ کتب اور لٹریچر کی فراہمی اور تقسیم۔

(7) نشانِ منزل کے اہم مضامین میں سے انتخاب پر مشتمل اسلامی نظامِ حیات اور جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے کتب کی اشاعت۔

ھ۔ نظامت خدمات عامہ کی دینی کارکردگی:

یہ نظامت سپاہ کے حوصلہ پر نگاہ رکھتی ہے اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے ان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتی ہے۔ دینی اقدار کے فروغ کے لئے مواقع مہیا کرنا بھی اس نظامت کی ذمہ داری ہے۔ یہ نظامت ہر سال حج اور عمرہ کے لئے کئی وفود بھجوانے کا انتظام کرتی ہے۔ اس عمل نے سپاہ کو حج و عمرہ کے جملہ فوائد حاصل کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔

و۔ نظامت ارتباط کی دینی خدمات:

اس نظامت نے ماضی قریب میں بہت سے عساکر کو لیبیا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور کویت میں فرائض کی بجا آوری کے لئے بھیجا۔ نیز اقوام متحدہ کے زیر انتظام مختلف ممالک میں قیام امن کے مقاصد کے تحت افواج کو روانہ کیا۔ اس سے عساکر پاکستان کے ملی جذبہ کو جلا ملی۔

ز۔ نظامت نشرو اشاعت کا ترجیحی کردار:

اس نظامت یعنی انٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈائریکٹوریٹ نے سپاہ کے دینی نظریہ اور رجحان کو بہتر بنانے میں بڑی مدد دی ہے۔ یہ نظامت افواج پاکستان کے تینوں حصوں کی روز مرہ سرگرمیوں کی اشاعت کرتی ہے۔ اس کے ہفتہ وار مجلہ "ہلال" کے مضامین کا پچاس فیصد سے زائد حصہ دین، اخوت، اخلاق حسنہ اور تاریخ اسلام پر مشتمل ہوتا ہے۔ افواج کے ارکان باقاعدگی سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔[۵۱]

---

۵۱ Hilal, ISPR Weakly, GHQ, Rwp (ہفت روزہ)

خلاصہ:

دینی جہتیں اور پیمانے جو شروع میں ناپید تھے رفتہ رفتہ افواج میں پہنچنے لگے۔ موہوم انداز میں عسکری تربیت کے ایک غیر اہم جزو کے بطور شروع ہونے والی دینی تربیت و تعلیم اب افواج کے اندر ایک مستقل نیز مسلسل ترقی پانے والی ہیئت کے بطور ابھر کر آئی ہے اور اب یہ فوجی اداروں کے تمام شعبوں میں نافذ العمل ہے۔

14- پاک بحریہ اور پاک فضائیہ کا دینی و نظریاتی تربیتی نظام:

بری فوج کی طرح فضائیہ اور بحریہ کی بھی آزادی کے بعد نئے سرے سے تشکیل کی گئی۔ یہاں بھی آئمہ مساجد کا تقرر کیا گیا۔ البتہ یونٹ کی بجائے فضائیہ کے کیمپوں اور بحریہ کے جنگی یونٹوں اور جہازوں کی بنیاد پر آئمہ مقرر کئے گئے۔ وہاں بھی شروع میں سویلین علماء اور موذنین رکھے گئے جن کو 1977ء کے وزارت دفاع کے حکم کے تحت باقاعدہ فوج کا حصہ بنا دیا گیا۔ البتہ فضائیہ میں ریتک کا نظام ذرا پہلے شروع ہو گیا۔ فضائیہ میں موٹیویشن اور ریلیجس آفیسرز کا محکمہ ترتیب دیا گیا اور بحریہ میں ادارہ دینی تعلیمات کا اجراء کیا گیا۔

عمومی طور پر مذہبی امور اور موٹیویشن کے افسران اور سردار صاحبان (خطباء) کی ذمہ داریاں تینوں افواج میں ایک طرح کی ہیں البتہ فضائیہ میں مکاتب یعنی مساجد میں حفظ کے مدارس کا انتظام ہے۔ جبکہ بعض جگہوں پر بچیوں کے لئے بھی حفظ کا انتظام الگ کسی عمارت میں کیا گیا ہے۔ اساتذہ، مرد اور مستورات، باہر سے مقرر کر لئے جاتے ہیں۔ موذنین بھی باہر سے لئے جاتے ہیں۔ جو عارضی ہوتے ہیں جبکہ بری فوج میں تمام افراد باقاعدہ افواج کا حصہ ہوتے ہیں۔ فضائیہ اور بحریہ میں حفظ و قرات کے مقابلے نیز درس و تدریس کے شعبے فعال انداز میں جاری ہیں۔ فضائیہ اور بحریہ کے دینی امور کے شعبے کتابچات، رسالوں اور کتب کی شکل میں سپاہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کا انتظام کرتے رہتے ہیں فضائیہ کی مساجد میں روزانہ درس قرآن و حدیث اور گاہے گاہے درس فقہ کا بھی اہتمام ہے۔ فضائیہ ہر سال موسم حج میں اپنا جہاز سی-130 اپنے جوانوں کے لئے مقرر کرتی ہے اور بحریہ اپنا بحری جہاز روانہ کرتی ہے۔ فضائیہ اور بحریہ کے افراد بھی دوسرے ممالک میں مبعوث کئے جاتے ہیں اور ان کے شعبہ ہائے دینی امور بھی یکساں نوعیت کے فرائض سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

---

[64] Motivation Directives, Air HQ and Naval HQ, Islamabad, 1977

15- فوجی اعزازات کی شکل میں عساکر کی حوصلہ افزائی:

عساکر کی روز مرہ کارکردگی کی بنا پر موقع بہ موقع قائدین شاباش، تعریفی کلمات اور انعامات کی شکل میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ خاص مواقع پر انہیں تعریفی اسناد جاری کی جاتی ہیں۔ جبکہ قومی خدمات پر زمانہ امن میں سول ایوارڈ دیئے جاتے ہیں۔ زیادہ اہم تو قومی اعزازات ہیں جو میدان جنگ میں اعلیٰ کارکردگی کی بنیاد پر یا زمانہ امن میں فوجی نوعیت کی کاروائی کرنے پر عطا کئے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا عسکری اعزاز "نشان حیدر" ہے جو آج تک پاکستان کے آٹھ مایہ ناز سپوتوں کو مل چکا ہے جن کے نام زبان زد عام ہیں۔ اس کے بعد دوسرے نمبر کا اعزاز ستارہ جرات ہے۔ یہ اعزاز عساکر پاکستان کے کثیر ارکان نے حاصل کیا ہے۔ یہ نہ صرف مجاہد اور اس کے خاندان کے لئے باعث اعزاز ہیں بلکہ اس کی یونٹ، بریگیڈ اور ڈویژن کے لئے بھی باعث افتخار ہیں۔

1965ء کی جنگ کی طرح 1971ء کی جنگ میں بھی افواج پاکستان نے باوجود غیر موافق سیاسی اور بین الاقوامی حالات کے گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور قابل رشک جذبہ کے تحت دشمن سے لڑے۔ اعزازت پانے والے سپوتوں کو خراج تحسین مختلف انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اخبارات و رسائل میں تفصیل لکھی جاتی ہے۔ عسکری مجلات میں بار بار ہر سال ان کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ ٹی وی، ریڈیو پر یوم دفاع کے موقع پر پروگرام چلائے جاتے ہیں۔ ان پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ بالخصوص نشان حیدر پانے والے شہداء پر افواج پاکستان نے تحقیق کتب لکھوائی ہیں۔ ان میں سے نمونے کے طور پر ایک شہید لانس نائک محمد محفوظ نشان حیدر کے بارے میں کچھ حقائق رقم کئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو کہ کس طرح اعزازات پانے والوں کی زندگیوں سے سپاہ کی عسکری تربیت کی جاتی ہے۔

الف۔ 1971ء کی جنگ میں اعلیٰ جنگی اعزاز پانے والے لانس نائک محمد محفوظ (نشان حیدر) کا ایمان افروز خط:

دسمبر 1971ء کی جنگ کے دنوں میں لانس نائک محمد محفوظ نے اپنے بہنوئی محمد فرید کو جو ان دنوں 35 پنجاب میں ڈیوٹی کر رہے تھے۔ خط لکھا جس کا متن یہ ہے:

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ ہم اس وقت جنگ کی حالت میں ہیں۔ ہمارے دشمن نے ہم پر جنگ مسلط کر دی ہے۔ مگر ہم نے بھارت کو سبق سکھانا ہے۔ پاکستان اتنا تر نوالہ نہیں کہ جس کو بھارت آسانی سے نگل جائے۔ ہم

اپنا خون دینا جانتے ہیں۔

جنگ کے دوران اگر لڑتے لڑتے شہادت جیسی نعمت نصیب ہو تو مردوں کی طرح جان دینا۔ زندگی ہوئی تو موت ہم پر غالب نہیں آسکتی اور موت لکھی ہو تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس سے نہیں بچا سکتی۔

اللہ تعالیٰ میدان جنگ کی موت نصیب فرمائے۔

زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔ فقط آپ کا بھائی محمد محفوظ[1]

ب۔ تعریفی رپورٹ:

لانس نائک محمد محفوظ شہید (نشان حیدر) کی اعلیٰ جنگی کارکردگی پر اور شجاعت و فرض شناسی کی گراں قدر مثال قائم کرنے پر یونٹ کی طرف سے سائٹیشن (Citation) یعنی تعریفی رپورٹ کا اردو ترجمہ:

2222519 لانس نائک محمد محفوظ کا تعلق 15 پنجاب رجمنٹ کی الفا کمپنی کی پلاٹون نمبر3 سیکشن نمبر1 سے تھا۔ وہ سیکشن کمانڈر بھی تھا اور ایل ایم جی کا نمبر1 بھی' کمپنی کو 10 ڈیو کی ذمہ داری کے علاوہ واہگہ اٹاری سیکٹر میں پل کنجری گاؤں پر حملہ کرنے کا حکم ملا۔ یہ حکم 17/18 دسمبر 1971ء کی درمیانی رات کو دیا گیا۔ نمبر3 پلاٹون لیفٹ فارورڈ حملہ آور سب یونٹ تھی۔ گاؤں اور گاؤں کے کنارے پر حملہ کرنے سے پہلے بتایا گیا تھا کہ وہ خالی ہیں۔ یہ اطلاع اس علاقے کی حفاظت پر متعین کمپنی نے دی تھی۔ تاہم جب کمپنی گاؤں کے کنارے سے 70 گز کے فاصلے پر پہنچی تو دشمن کے چھوٹے ہتھیاروں بشمول ایم جی نے فائر کھول دیا۔ سامنے اور کراس فائر کے زور سے دشمن نے کمپنی کو بے بس کر دیا۔ گاؤں پر صبح کی پہلی کرن سے پہلے قبضہ کرنا تھا۔ مگر حملہ آوروں کو کھلے میدان میں بے اثر کر دیا گیا۔ گاؤں کے کنارے پر موجود دستے جب بے دست و پا بنا دیئے گئے تو اس وقت روشنی پھیل چکی تھی اور دشمن نے کم از کم دو آرٹلری رجمنٹ سے فائر کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران دشمن کے خودکار ہتھیار بھی نشانہ لگا لگا کر فائر کر کے 15 پنجاب کے لئے خطرناک ثابت ہو رہے تھے۔

اس مشکل وقت میں جبکہ لانس نائک محمد محفوظ اپنی ہلکی مشین گن سے دشمن کو روکے ہوئے تھے۔ دشمن نے اس کی مشین گن کو تباہ کر کے اسے غیر موثر کر دیا۔ اس دوران لانس نائک محمد محفوظ نے تقریباً 30 گز دور پڑی ہوئی ہلکی مشین گن اٹھالی۔ جس کا گنر شہید ہو چکا تھا۔ اس مشین گن کی مدد سے اس نے دشمن کے مورچے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ جس کے باعث وہ اور اس کے ساتھی پریشان تھے۔ اس دوران لانس نائک محمد محفوظ کی ایک ٹانگ بھی دشمن کی

---

[1] میجر محمد امین' لانس نائک محمد محفوظ شہید (نشان حیدر) آرمی ایجوکیشن پریس' راولپنڈی' 1994ء' ص: 39

گولہ باری کے باعث زخمی ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ اپنی ٹانگ کو گھسیٹتے اور فائر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ جب وہ مورچے کے قریب پہنچا تو مافوق الفطرت قوت سے اٹھا اور دشمن کے مورچے پر یلغار کر دی اور مورچے میں موجود گنر کو ہلاک کر دیا۔[سلہ]

مورچے میں کودتے وقت ایک گولی اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ مگر اس نوجوان نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح جست لگا کر اپنے دشمن کو گردن سے دبوچ کر واصل جہنم کیا اور شہادت پائی۔

لانس نائک محمد محفوظ شہید کی یہ کاروائی اس قدر دلیرانہ اور حوصلہ افزا تھی کہ اس کے ساتھیوں میں سے دو اور سپاہی بھی اٹھے اور اپنے قریب ترین مورچوں پر حملہ کر دیا۔ بعد ازاں ان کی لاشیں بھی ان مورچوں سے حاصل کی گئیں۔ اس لاجواب بہادری نے کمپنی کے جوانوں میں اس قدر حوصلہ پیدا کر دیا کہ وہ پل کنجری کے مضبوط مورچوں کے سامنے چار پانچ گھنٹوں تک ڈٹے رہے۔ اس دوران ان پر شدید گولہ باری بھی ہوتی رہی۔ خود کار ہتھیاروں کی گولیوں کی بوچھاڑ بھی آتی رہی۔ انہوں نے دشمن کو مصروف کار رکھا۔ اس کی ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کو ٹھکرا دیا حالانکہ انہیں نہ تو اپنے توپ خانے کا فائر حاصل تھا اور نہ ہی آر آر (چھوٹی گنیں) موجود تھیں۔

بہادری، مضبوط قوت ارادی اور بے مثال شجاعت، جس کے سبب یہ قربانی دی گئی نہ صرف 15 پنجاب بلکہ پاکستان آرمی کی تاریخ میں، سنہرے حروف سے لکھی جائے گی۔ اس بے مثال قربانی پر صدر پاکستان سے اس نوجوان کو نشان حیدر دینے کی سفارش کی جاتی ہے۔[ملہ]

اس سائیٹیشن کی بنیاد پر شہید کو اعلیٰ ترین جنگی اعزاز نشان حیدر دیا گیا۔

ج۔ اعزاز کی اطلاع والدہ کو:

قائد عساکر میجر جنرل ایس اے زیڈ نقوی جنرل آفیسر کمانڈنگ دس ڈویژن کی طرف سے محترمہ سرور جان والدہ لانس نائک محمد محفوظ شہید کو نشان حیدر کا اعزاز دینے کی اطلاع ان الفاظ میں دی گئی:

"محمد محفوظ شہید کو اس کی جرات کی بنا پر اعلیٰ قومی اعزاز نشان حیدر عطا کیا گیا ہے۔ مجھے اس پر فخر ہے کہ اسلام کا یہ عظیم فرزند اس ڈویژن میں تھا جب اس نے مادر وطن کے دفاع کے لئے سب سے بڑی قربانی دی۔ محمد محفوظ پاکستانی

سلہ میجر محمد حسین، لانس نائک محمد محفوظ شہید (نشان حیدر) آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1994ء، ص 140

ملہ نفس المصدر، ص: 141

فوج کی تاریخ اور اس ملک کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس ڈویژن کے تمام افسران سردار صاحبان اور جوان بشمول میرے، آپ کے عظیم فرزند کی اس اعلیٰ کارکردگی پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔"[1]

د۔ یونٹ کی طرف سے اعزاز کا اعلان:

لانس نائک محمد محفوظ شہید نشان حیدر کی یونٹ 15 پنجاب جسے 33 محمدی بھی کہا جاتا ہے کے کمانڈنگ آفیسر نے فرمان امروز کے ذریعے 15 اپریل 1972ء کو اس اعزاز کا ان الفاظ میں اعلان کیا:

"آج کا دن 33 محمدی کے لئے نیک فال اور باعث فخر دن ہے صدر پاکستان نے اس بٹالین کے نمبر2222519 لانس نائک محمد محفوظ شہید کو ان کی میدان جنگ میں بے مثال شجاعت اور جان کی عظیم قربانی جو شہید نے پل کنجری میں 8 کمپنی کے حملہ کے دوران 18 دسمبر1971ء کو دی، کے صلہ میں انہیں ملک کے سب سے بڑے جنگی اعزاز نشان حیدر سے نوازا ہے۔

عسکری پیشہ میں جان نثاری کے ایسے ہی کارہائے نمایاں ہماری قومی روایات کو اجاگر کرتے ہیں۔ اور تاریخ پاکستان میں ایک نئے روشن باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ ہم سب اسی جذبہ سے سرشار ہیں۔ اور تعظیم و تکریم محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں لڑائی میں محفوظ کے ساتھیوں میں شمار ہونے کا مرتبہ حاصل ہے۔ مجھے یقین محکم ہے کہ ہمیں محفوظ کی تعین کردہ عمدہ روایات مستقل میں شجاعت کی بلندیوں میں ممیز رکھیں گی۔

آج کا دن 33 محمدی کے لئے عظیم اور فخر کا دن ہے جہاں ہم مسرت اور فخر سے سرشار ہیں۔ وہاں ہم خداوند کریم کے حضور سربسجود ہیں کہ اس نے کرم فرمایا اور محفوظ جیسا بہادر جنگجو ہم میں سے پیدا کیا۔ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ بٹالین کی شہرت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بلند و برتر رکھے۔[2]

افواج پاکستان میں عساکر کے جذبہ محرکہ کو تازہ رکھنے اور دشمن کے مقابلے میں اپنی پوری استعدادیں استعمال کرنے کے لئے اس طرح کے اعزازات دیے جاتے ہیں۔ یہ اعزازات جہاں عساکر کا حوصلہ بڑھاتے ہیں وہاں یہ ان کی تربیت کا بھی ایک موثر ذریعہ ہیں۔

---

[1] میجر محمد امجد حسین، لانس نائک محمد محفوظ شہید (نشان حیدر)، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1994ء، ص:142
[2] نفس المصدر، ص:143

اس طرح اعزازات کو عساکر کی تربیت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

16- نتائج:

اسلام کے تناظر میں عساکر کے موجودہ نظام تربیت کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ان کی دینی اور نظریاتی تربیت کی بنیاد دین اسلام پر ہی رکھی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں دیئے گئے احکامات کی تعلیم اور نبی اکرم ﷺ کی اختیار کردہ عسکری پالیسی ہی ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اسلام کے زمانہ امن اور زمانہ جنگ کے لئے دیئے گئے مفصل احکامات کو عسکری تربیت کا حصہ بنانا اشد ضروری ہے مکمل ضابطہ حیات کے طور پر دین اسلام نے عسکری میدان میں جو تمام جزیات کا احاطہ کیا ہے۔ اسے پورے طور پر عساکر پاکستان کے مزاج کا حصہ بنانا مقصد کے حصول کے لئے لازمی ہے۔ جنگ کی قبل از وقت تیاری کے لئے زمانہ امن میں تمام طبقوں کو اپنے اپنے شعبوں میں فعال طور پر مستعدی اختیار کرنا کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے رباط فی سبیل اللہ کی روح کو زندہ کرنے اور ہر سپاہی کو بلکہ دفاع سے منسلک ہر فرد کو مستعد رکھنا تربیت کا بنیادی خاصہ ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اس تیاری پر مرتب ہونے والے اجور اور فضائل کا تذکرہ ہر سطح پر ضروری ہے تاکہ ہر شعبے اور ہر میدان میں پوری تن دہی سے جہاد کی تیاری کی جا سکے۔

افواج پاکستان کی بنیاد بھی وطن عزیز کی طرح ایک نظریہ پر ہی تھی اس لئے عساکر کی دینی تربیت کے لئے الگ سے کسی کاوش کا اہتمام ضروری نہ سمجھا گیا۔ دینی اور ملی جذبات اتنے قوی تھے کہ عساکر نے خود بخود پورے اخلاص اور لگن سے ملکی دفاع اور ملکی ترقی کے کام کو سرانجام دیا۔

برصغیر میں مسلم معاشرہ کی ترقی کی وجہ سے مجاہدانہ اور عسکری ذہن تیار ہوتا رہا عرب، افغان اور ترک افواج نے مقامی آبادی کو آسانی سے زیر کر لیا اور کئی سو سال حکومت کرتے رہے۔ انگریز نے آکر لادینیت کا تصور متعارف کرایا لیکن وہ زیادہ عرصہ اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکا حتیٰ کہ عساکر میں مسلمان عوامل نے پاکستان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

پاکستانی قوم نے، جو اسلام اور آزادی کے جذبہ سے سرشار تھی، انگریز اور ہندوؤں کی مسلط کردہ روایات سے قطع نظر اپنے معاشرہ کی تشکیل اسلامی خطوط پر شروع کر دی اور اسلام کے آفاقی اصولوں کو اپنا کر اپنے آپ کو جلد باقی اقوام سے ممیز کر لیا اور ہر لحاظ سے اپنا منفرد مقام پیدا کر لیا۔ پاکستان بننے کے ساتھ ہی یہ محسوس کیا گیا کہ مادر وطن کے محافظ

یعنی افواج پاکستان بالخصوص بری فوج اپنے اس دینی جذبہ کو برقرار رکھے جو حقیقت میں پاکستان کو دنیا کے نقشہ پر ابھارنے کا ذریعہ بنا اس کے لئے تینوں مسلح افواج میں ہمیشہ اس مقصد کے لئے تجاویز مرتب ہوتی رہیں۔

افواج پاکستان میں مساجد اور آئمہ مساجد کا انتظام شروع میں ہی قائم ہو گیا تھا رفتہ رفتہ مساجد، خطباء اور دینی لٹریچر میں اضافہ ہوتا چلا گیا 1977ء میں شعبہ دینی امور کی شکل میں عساکر میں مستقل ادارہ بنا دیا گیا۔ جسے دینی اور نظریاتی تربیت کی ذمہ داری دی گئی۔ اس ادارے کے تحت ہر سطح پر اس جہت میں پیش رفت ہوئی اور سپاہ کی تربیت کے لئے منظم طور پر کاروائی عمل میں لائی گئی۔

عربی زبان، علوم اسلامیہ کی تعلیم، عرب ممالک میں مبعوث ہونے والے عساکر اور وفود نیز حفظ و قرات کی تعلیم اور دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد میں اسلامی تربیتی کورسز جیسے اہم انتظامات کئے گئے۔ پاک فضائیہ اور پاک بحریہ نے اپنے اپنے ماحول کے مطابق کچھ خصوصی انتظامات بھی کئے۔ جنگوں میں اعلیٰ کارکردگی پر اعزازات و انعامات کی شکل میں بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔

باب چہارم

افواج پاکستان کی مروجہ دینی اور نظریاتی تربیت کے ثمرات و نتائج

ابتدائیہ:

افواج پاکستان کی تاریخ نہایت شاندار ہے۔ برصغیر میں ان کے آباؤ اجداد نے سکندر اعظم کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے محمد بن قاسم کے پرچم تلے سرزمین ہند پر پہلی اسلامی مملکت کا سنگ بنیاد نصب کیا۔ وہ محمود غزنوی اور محمد غوری کی فوجوں میں شامل تھے۔ عظیم مغل بادشاہوں نے ان کی مدد سے پورے برصغیر کو مطیع کیا۔

جب کوئی حاکم بے انصافی سے پیش آیا یا ان کے مذہب میں مداخلت کرنے لگا تو یہ بگڑ اٹھے اور اپنے حقوق کے لئے اعلیٰ قوتوں سے ٹکرائے۔ پچھلی صدی میں سید احمد بریلوی جیسے بزرگوں نے مسلمانوں کی بہتری کے لئے جدوجہد کی تو انہوں نے ساتھ دیا۔ تیتو میاں اور دیگر کسان رہبروں کی بھی پیروی کی۔ جہاں اپنے حاکموں کی اطاعت میں وہ کڑی سے کڑی مشقتیں برداشت کرنے کو تیار تھے۔ وہاں عزت و انصاف کی نگہبانی میں جان تک کی بازی لگانے کو تیار رہتے تھے۔

پاکستانی فوج کے سپاہی عسکریانہ خوبیوں میں اپنے بزرگوں سے کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ ان میں حب الوطنی کا جذبہ کہیں زیادہ ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی۔ انہیں مختلف قبیلوں اور گروہوں سے چنا جاتا ہے۔ ان سب کو اپنے ماضی پر فخر ہے۔ ان میں شمال مغرب کے پٹھان ہیں اور پنجابی، سندھی، بلوچی بھی شامل ہیں۔ ان کے دل خدمت وطن کے جذبے سے سرشار ہیں ان سب کو اسلام نے متحد کر دیا ہے۔ یہ اس سیدھے سادے عقیدے کے مالک ہیں کہ اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ ان کے پیغمبر ہیں۔ اور یہ مذہب جغرافیائی حدود اور زبانوں کے تفرق سے بالاتر ہے۔ ہر پاکستانی جوان فوج میں بھرتی ہو سکتا ہے۔[1]

پاکستان بننے کے بعد ہر خطے اور ہر علاقے سے نوجوان بخوشی مادر وطن کے دفاع کے لئے اور اپنے دین کی خدمت کے لئے افواج پاکستان میں شامل ہونا شروع ہو گئے۔ بھارت نے پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہ کیا اس لئے اس نے

---

[1] میجر جنرل فضل مقیم خان (ر) ترجمہ، رتناز جاوداں پاک فوج کی کہانی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لاہور، 1967ء، ص 1-3

شروع دن سے ہی پاکستان کو گزند پہنچانے کا عہد کر لیا۔ پاکستانی افواج نے اپنی عسکری تاریخ اور اعلیٰ تربیت کی وجہ سے ہر محاذ پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اس باب میں اس بات کا احاطہ کیا جائے گا کہ عساکر پاکستان نے اپنی دینی اور نظریاتی تربیت کی بنا پر کس طرح مادر وطن کے دفاع میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تربیتی عوامل کا بھی تذکرہ کیا جائے گا جس سے پاکستانی افواج کی کارکردگی بعض مواقع پر ناقص رہی اور اس سے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ پھر اس چیز کا مطالعہ کیا جائے گا کہ اندرون ملک مختلف قدرتی آفات کے دوران کس طرح افواج پاکستان نے دین اسلام کے ساتھ لگاؤ اور حب وطن کے جذبات کی وجہ سے کیا خدمات سرانجام دیں ملکی تعمیر و ترقی میں کیا کردار ادا کیا۔ اور آخر میں اس چیز کا تجزیہ کیا جائے گا کہ مختلف ادوار میں افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کے لئے جو اقدامات کئے گئے ان کے کیا اثرات و نتائج مرتب ہوئے۔

فصل اول---دفاع وطن کے تناظر میں تربیتی ثمرات و نتائج:

برصغیر کی آزادی کے وقت عساکر ہند میں شامل مسلم افراد نے افواج پاکستان کا حصہ بننا پسند کیا۔ ان کی تعداد اگرچہ تھوڑی تھی مگر یہ اسلامی جذبہ سے سرشار سپاہی نو آزاد مسلم مملکت پاکستان کی خدمت کے لئے ہمہ تن مستعد تھے۔ ہندوستان کی دور دراز چھاؤنیوں سے آکر پاکستان میں مجتمع ہونے اور نئی یونٹوں کی صورت میں تشکیل پانے میں ان کو کچھ وقت لگا۔ اس کے علاوہ آخر وقت تک انگریز اور ہندو کی جانب سے یہ کوشش جاری رہی کہ افواج ہند مشترکہ کمان کے تحت ہی رہیں۔ نیز ہندوستان کی طرف سے ہتھیاروں میں مطلوبہ حصہ نہ دینے کے عمل نے اور اس طرح کی دیگر رکاوٹوں نے پاکستانی افواج کو ایک فعال ادارہ بننے میں تاخیر کرا دی۔ آگے چل کر بھی ہندوستان کے مقابلے میں پاکستانی فوج ہمیشہ عددی قلت اور عسکری کمی کا شکار رہی لیکن اس کے باوجود وقت آنے پر پاکستانی سپاہ نے اپنی مجاہدانہ صفات کی بدولت دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا اور دینی اور نظریاتی اعتبار سے تربیت یافتہ عساکر نے مادر وطن کے دفاع کا پورا حق ادا

کیا۔ آئندہ چند صفحات میں اس چیز کا مطالعہ کیا جائے گا کہ پاکستانی افواج نے کس طرح اپنا دفاعی فریضہ کمال حسن و خوبی سے سرانجام دیا۔

1- کشمیر میں پاکستانی فوج کی عمدہ کارکردگی:

14- اگست 1947ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا نیز برصغیر کی ریاستوں کو بھی آزادی مل گئی۔ ہر ریاست کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق بھارت یا پاکستان سے الحاق کرے تاہم گورنر جنرل نے ان کے حکمرانوں کو مشورہ دیا کہ وہ الحاق کرتے وقت آبادی کے فرقہ ورانہ تناسب، عوام کی خواہشات اور متعلقہ ریاست کے جغرافیائی محل وقوع کو بھی مدنظر رکھیں۔

جہاں تک ریاست کشمیر کا تعلق ہے اس کی پوزیشن بالکل واضح تھی یعنی وہاں کا حکمران ہندو تھا لیکن تقریباً 80 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی ریاست کا علاقہ پاکستان سے ملا ہوا ہے اور سیاسی، اقتصادی، جغرافیائی تقاضوں کے مطابق اسے پاکستان سے ملحق ہونا چاہئے تھا۔ کشمیر کے مہاراجہ نے محض دھوکہ دہی کی غرض سے پہلے پاکستان سے الحاق کیا پھر جلد ہی بھارت سے کر لیا۔ کشمیر کے عوام کو جب مہاراجہ کے اس منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے آزادی کی تحریک شروع کر دی اور تقریباً ایک چوتھائی علاقہ آزاد کر کے اس کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ مہاراجہ نے بھارت سے فوجی امداد طلب کر لی جس سے تین چوتھائی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے جواب میں حکومت پاکستان بھی اپنی فوجیں بھیجنے پر مجبور ہو گئی۔ چھ ماہ تک دونوں فوجوں کے درمیان جنگی کیفیت رہی۔ البتہ بھارتی فوجوں کو مزید آگے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔[ﻪ]

پاکستانی فوج نے اپنا کام نہایت عمدگی سے سرانجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فوج نے اس سے کہیں زیادہ کر دکھایا جس کی اس سے توقع تھی یا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ وہ کشمیر کو فتح کرنے نہیں گئی تھی اسے تو صرف ایک دفاعی مہم پر بھیجا گیا تھا۔ اگرچہ ہندوستانی فوج اس سے تعداد، جنگی سامان اور ہتھیاروں میں کہیں زیادہ تھے پھر بھی پاکستانی فوج نے انہیں اس ارادے سے باز رکھا کہ وہ کشمیر کا فیصلہ اپنی طاقت کے بل پر کر سکیں۔ اس مختصر سی فوج نے، جس کے پاس معمولی ہتھیار تھے۔ جسے ٹھیک طرح راشن بھی نہ ملتا تھا جو غیر منظم اور بے حد تھکی ہوئی تھی، کمال جرات سے پاکستان کو بچا لیا

ﻪ زاہد حسین انجم، 6 ستمبر 1965ء تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور 1990ء، ص 63۔

کیونکہ کشمیر میں اسی فوج کے ڈٹ کر مقابلہ کرنے ہی سے ہندوستان مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے کی اپنی آرزو کو پورا نہ کر سکا۔ ہندوستان میں ایسے متعدد خوش فہم لوگ تھے جن کے دلوں میں یہ آرزو جڑ پکڑ چکی تھی کہ پاکستان بھی حیدر آباد دکن کی طرح آسانی سے ہڑپ کر لیا جائے گا۔ پاکستان میں اس امر کا احساس شاید ہی کبھی ہوا ہو کہ 1948ء میں یہ ملک تباہی کے کس قدر قریب تھا اور اس مختصر سی بہادر فوج نے کس طرح ہمارے ملک کو دنیا کے نقشے سے نیست و نابود ہونے سے بچا لیا۔ [91]

پاکستانی افواج کی ایسے میں اعلیٰ کارکردگی کو خراج تحسین پیش ہوئے اس کے معمار فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے یوں کہا تھا:

"اس فوج کے لئے یہ بات ہمیشہ باعث فخر و افتخار رہے گی جب تاریخ میں رقم کیا جائے گا کہ اس پر کیسے کیسے بھاری بوجھ ڈالے گئے لیکن اپنی نو عمری کے باوجود بڑی پامردی سے ہر ہر آزمائش میں پوری اتری" [92]

2- 65ء کی جنگ میں افواج پاکستان کی اعلیٰ کارکردگی:

الف۔ بری فوج کی جرات مندانہ مدافعت:

10 ڈویژن کا دفاعی معرکہ: کشمیر ایک متنازہ علاقہ چلا آرہا تھا۔ 65ء سے قبل بھی پاکستانی اور بھارتی فوجوں کا ٹکراؤ ہوتا رہا ہے 65ء کے اگست ستمبر میں بھی دونوں فوجوں کا معمول کے مطابق کشمیر میں مقامی طور پر آپس میں ٹکراؤ ہو رہا تھا پاکستان اور بین الاقوامی برادری کو یہ قطعاً گمان نہیں تھا کہ ہندوستان بین الاقوامی سرحدوں کو پار کر کے پاکستان پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کرے گا۔ اسی لئے پاکستان نے اپنی فوجوں کو اپنی اپنی چھاؤنیوں میں روکے رکھا اور انہیں اگلے مورچوں پر دفاعی پوزیشن لینے کے لئے نہ نکالا تاکہ بھارتی فوجوں نے بالفعل لاہور پر حملہ کر دیا انہیں اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ بھارتی ریڈیو اور بی بی سی نے اعلان کر دیا کہ:۔

"لاہور پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور یہ کہ بھارتی سپاہ انارکلی بازار میں فاتحانہ انداز میں مارچ کر رہی ہے"

114 بریگیڈ جو لاہور کے دفاع پر مامور تھا اس نے اپنے جنگی ریکارڈ (War Dlrary) میں 6 ستمبر کی لڑائی کو

---

[91] میجر جنرل فضل مقیم خان (ر)، جنگ و آزمائش جاودانہ پاک فوج کی کہانی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لاہور، 1967ء، ص: 133

[92] نفس المصدر، ص: 263

یوں درج کیا:

(I) دشمن نے مکمل طور پر ہمیں بے خبری میں آلیا اپنی سپاہ بڑی مشکل سے اپنے دفاعی مورچوں میں پہنچی تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا۔

(II) دشمن کے بڑے دستے کسی کے علم میں آئے بغیر اطراف سے یوں گذر گئے کہ اگلے مورچوں پر متعین فوج کو خبر نہ ہوئی اور ریزرو فوج کو فوراً بے بس کر دیا۔ اسی طرح جب 15 ستمبر 1965ء کو بھارتی فوج کے لیفٹیننٹ سریش چندرا کو 3 بلوچ نے گرفتار کیا تو اس افسر نے تسلیم کیا کہ بھارتی ڈویژن کو 6 ستمبر کو لاہور فتح کرنے کی پوری امید تھی اور انہیں معمولی مقابلہ کی توقع تھی اور ان کا اندازہ غلط بھی نہ تھا۔ یہ محض اتفاق تھا (گویا نصرت خداوندی تھی) کہ جنرل سرفراز نے اپنے ڈویژن کو 6/5 ستمبر کی درمیانی شب کو دفاعی پوزیشن لینے کا حکم دے دیا تھا[91] بھارتی فوج پاکستانی ڈویژن کی راتوں رات نقل مکانی سے بے خبر تھی۔ ایک اور واقعہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ 6 ستمبر کو لیفٹیننٹ عبدالمالک ایزرور جب غلطی سے دشمنوں کے مورچوں میں جا نکلا تو دشمن کے لیفٹیننٹ کرنل نے اس سے پوچھا: "تم لوگ یہاں (دفاعی مورچوں پر) کب آئے؟" اس نے جواب دیا۔ "پچھلی رات" کیونکہ وہ پچھلی رات مقامی کمانڈر کے حکم سے ہی دفاعی پوزیشن پر پہنچ چکے تھے۔ کرنل نے کہا "تم جھوٹ کہتے ہو۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تمہارا کوئی جوان (سپاہی) اپنی دفاعی پوزیشن پر نہیں ہے۔ لیفٹیننٹ عبدالمالک نے پر اعتماد انداز میں جواب دیا "آگے بڑھیں، آپ خود انہیں دیکھ لیں گے" جب ہندوستانی یونٹ آگے بڑھی تو کرنل نے واقعی انہیں اپنی اپنی جگہوں پر پایا۔[92]

(III) 1965ء میں پاک فوج کو بلا ارادہ اور بغیر تیاری کے اپنے آپ کو ہندوستان کے ساتھ جنگ میں جھونکنا پڑا۔ لاہور سیالکوٹ کے محاذ پر بھارتی فوج نے اچانک حملہ کر کے بے خبری کا پورا پورا فائدہ اٹھایا لیکن پاک فوج نے جس چابک دستی اور اہلیت کے ساتھ رد عمل کیا اور مادر وطن کا دفاع کیا اس سے بھارتیوں کو بھی واقعی اچنبھا ہوا۔ اس کے علاوہ بھارتی فوج کو انتظامی اور عددی برتری بھی حاصل تھی نیز اچانک حملہ کرنے اور اپنی مرضی کے محاذ کھولنے کا فائدہ بھی اسے میسر تھا۔[93] مگر محض نصرت خداوندی کی برکت سے عساکر پاکستان کو کامیابی حاصل ہوئی۔

91- Maj Gen (R) Shaukat Riza, The Pak Army War 65, Services Book Club, Rwp, 1984, p 206

92- Do p.195

93- Maj Gen (R) Shaukat Riza, The Pak Army War 65, Services Book Club, Foreword by Gen Zia.ul.Haq

(2) جنگ ستمبر میں پاکستانی کمانڈروں کا دشمن کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا: جنگ ستمبر میں کرنل صاحب زاد گل نے 6 لانسرز اور ون فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی دو کمپنیوں کے ساتھ چھمب کرن سیکٹر میں حملہ کیا۔ جذبہ جہاد سے سرشار کرنل گل ٹینک کے اندر بیٹھ کر حملہ کی قیادت کرنے کی بجائے دشمن کے برستے گولوں میں جنگ کی کیفیت کا بنظر غائر ملاحظہ کرنے کے لئے اور ماتحت کمانڈروں کی فعال قیادت کرنے کے لئے ٹینک کے اوپر کھڑا ہو گیا مشین گن کا فائر ہوا ٹینک ڈرائیور نے ایک بوٹ گردن میں گھستا ہوا محسوس کیا جب دیکھا تو یہ کرنل صاحب زاد گل ٹرٹ (ٹینک کے چھت) کے نیچے سرک رہا تھا جب کہ اس کے سینے سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ صاحب زاد گل ایک حوصلہ مند مرد، ایک اعلیٰ ٹینک کمانڈر اور اپنے جوانوں کے لئے جنگ میں حوصلہ مندی کا چراغ تھے۔ اس کی شجاعت کے اعتراف میں اسے میدان جنگ میں تمغہ جرات کا اعزاز دیا گیا۔[له]

(3) کمانڈوز کی عمدہ کارکردگی: Special Services Group (SSG): مئی 1965ء میں ایئر فورس کی درخواست پر جی ایچ کیو نے بھارت کے پانچ ایئر فیلڈ تباہ کرنے کا مشن قبول کر لیا تاکہ دشمن کے طیارے حملہ کرنے میں پہل نہ کر سکیں اس مشن کی تکمیل کا فریضہ کمانڈوز یعنی ایس ایس جی کو دیا گیا یہ حملے بہت مشکل تھے کیونکہ تربیتی میدان کا حقیقی میدان سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ جو لوگ ان حملوں میں شریک ہوئے ان میں سے کسی کو بھی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ بلکہ ایک دفعہ دشمن کے اڈے پر حملہ کرنے کے بعد واپس آنے کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ وہ دشمن کے علاقے میں لڑنے گئے تھے جب کہ عام فوج اپنے علاقے میں لڑتی ہے یہ ایک غیر فطری حقیقی جنگ تھی۔ ان کے مشن کا تقابل جرمن کمانڈوز کا 1944ء میں لندن پر حملہ کرنے یا 1973ء میں امریکی کمانڈوز کی طرف سے هنوئی پر حملہ کرنے سے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن پاکستانی کمانڈوز کی ایسی صورت حال کے لئے کبھی تیار نہیں کیا گیا تھا یہ ایک دائمی خراج تحسین ہے، پاکستان کمانڈوز کی جرات اور وفاداری کو، کہ کسی ایک جوان نے بھی دو اڑھائی سو میں سے شرکت کرنے سے معذوری ظاہر

له Maj Gen (R) Shaukat Riza, The Pak Army War 65, Services Book Club, Rwp, 1984, p 23

نہ کی۔ [19]

(4) جملہ عساکر کا فرض کی پکار سے بڑھ کر کردار ادا کرنا: بریگیڈ اور یونٹ کی قیادت مجموعی طور پر بہت ذمہ دار تھی یہ وہ کمانڈر تھے جنہوں نے جوانوں کے شانہ بشانہ جنگ لڑی اور انہوں نے شاندار مہارت و جرات کا ثبوت دیا حالانکہ دوران جنگ مطلوبہ راہنمائی بھی انہیں میسر نہیں تھی۔

ہمارے جونیئر افسران اور جوانوں کے کارنامے بھی کسی طرح کم نہ تھے وہ ایک تاریخی (یادگار) ارادے سے متصف تھے انہوں نے ایسے دشمن کا مقابلہ کیا جو کئی گنا زیادہ تھا۔ اور وہ بھی اس عہد کے ساتھ کہ انہیں ہر حالت میں اپنے مادر وطن کا دفاع کرنا ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے فرض کی پکار پر لبیک کہا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اپنا کردار ادا کیا جو واقعی قابل دید تھا۔ [20]

پاکستانی افواج کے جذبہ حریت و جرات کے ساتھ ساتھ اللہ کی غیبی مدد بھی شامل حال رہی اور یہ عساکر پاکستان کا اپنے مالک حقیقی پر یقین کا نتیجہ تھی۔

ب۔ پاک بحریہ کا کردار:

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام حوصلہ شکن حالات کے باوجود پاکستان بحریہ کی سرگزشت طویل مستعدی اور چوکسی نیز امن و جنگ دونوں زمانوں میں جرات مندانہ کارناموں کی سرگزشت ہے۔ اس کے افسروں اور جوانوں نے اپنے وطن کی خدمت نہایت فرض شناسی اور لگن سے کی ہے اور اپنے فرائض منصبی تعریف و توصیف سے بے نیاز ہو کر سرانجام دیئے ہیں۔ ویسے بھی نیوی کو روایتی طور پر "خاموش فوج" کہا جاتا ہے۔

دفاعی اعتبار سے پاکستان بحریہ کی برابر مخالفت کے باوجود ملک کے ارباب بست و کشاد کو اسی پر اصرار رہا کہ ہماری اصل جنگ صرف خشکی ہی پر ہو گی۔ [21] اس لئے تمام تر توجہ بری اور فضائی قوت بڑھانے ہی پر رہی۔ چنانچہ بحریہ کو اس قابل نہ بنایا جاسکا کہ وہ کسی آڑے وقت میں مشرقی یا مغربی پاکستان جانے والے سمندری راستوں کی حفاظت کر سکے یا ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان مواصلات کا سلسلہ برقرار رکھ سکے۔ اس حکمت عملی سے "مشرقی پاکستان کا دفاع

---

[19] Maj Gen (R) Shaukat Riza, The Pak Army War 65, Services Book Club Rwp, 1984, p.268

[20] Gul Hassan, Lt Gen (R), Memoirs of Gen Gul Hassan, Oxford University Press Karachi, 1993, p.23

[21] میجر جنرل (ر) فضل مقیم خان، پاکستان کا المیہ 1971ء، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، ص۔ 315-320

مغربی پاکستان میں ہوگا) یہ نتیجہ نکلا کہ جنگ کی صورت میں مشرقی پاکستان میں جو دریائی اور ساحلی لڑائی ناگزیر تھی اس کے تقاضوں پر بھی کما حقہ' توجہ نہ دی گئی۔

ان حالات میں ستمبر1965ء کی پاک و ہند جنگ کے دوران پاکستان نیوی کا کام صرف یہی تھا کہ کراچی، چٹاگانگ اور چالنا کا سمندر میں دفاع کرے اور مشرقی پاکستان کے دریائی دفاع میں بری فوج کا ہاتھ بٹائے۔ اس کے علاوہ اس کے ذمے یہ کام تھا کہ جو بحری تجارتی جہاز اہم قسم کا مال لے کر آرہے ہوں انکے لئے بدرقے کا کام دے۔ پھر بھی 1965ء کی چند یوم کی جنگ میں نیوی کی کارکردگی اس کے فرائض منصبی اور توقعات سے کہیں بڑھ کر رہی اس جنگ کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستانی نیوی بالکل بھونچکی رہ گئی ہے اور اپنے سے کہیں کمزور حریف سے دو بدو ہونے کی ہمت نہیں رکھتی۔

1965ء کی جنگ سے ہندوستان نے بڑا سبق حاصل کیا اور اپنی نیوی کو بہت تیزی سے بڑھانا شروع کردیا۔ جبکہ 1971ء کی جنگ میں پاکستانی بحریہ کو اس حالت میں حصہ لینا پڑا کہ اس کے پاس ساز و سامان اور جہاز تھوڑے اور وہ بھی از کار رفتہ تھے، اسے کوئی فضائی اوٹ بھی حاصل نہ تھی۔ مزید ستم یہ کہ مقدار اور معیار، کسی اعتبار سے بھی ہندوستان کی نیوی سے کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ 1965ء کی جنگ کے بعد پاکستان آرمی اور پاکستان فضائیہ میں تو کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا تھا مگر پاکستان بحریہ کی طاقت خاصی گھٹادی گئی تھی۔

بری و ہوائی فوج کے مقابلہ میں پاک بحریہ کی کارکردگی اس لحاظ سے اور بھی قابل فخر ہے کہ اس نے باوجود ایک قلیل فورس کے ہندوستان کے مضبوط ترین فوجی ہوائی اور بحری اڈا "دوارکا" کو صفحہ ہستی سے ہی مٹادیا۔ جو کاٹھیاواڑ کے علاقے میں واقع تھا اور مغربی پاکستان کے جنوبی حصے پر جارحانہ اقدامات کے لئے اہم بھارتی مرکز کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ اس بحری اڈہ سے کراچی وغیرہ پر حملے کیے گئے۔ راڈار اسٹیشن اور ساحلی توپخانہ بھی اپنی مثال آپ تھا جو پیوند زمین کردیا گیا۔ پاک بحریہ نے فائر بندی سے چند گھنٹے قبل کراچی سے دور بھارتی بحریہ کے حملہ کو ناکام بناتے ہوئے اس کے ایک فریگیٹ جہاز کو بھی غرق کردیا۔ [سلہ]

سلہ شریف فاروق، پاکستان میدان جنگ میں، بساط ادب، لاہور، 1969ء، ص: 424

ج۔ پاک فضائیہ کی مستعدی:

65ء کی جنگ میں پاک فضائیہ نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ 6 ستمبر 65ء کو پاکستان ایئر فورس نے ایک ہی دن میں جو بیس فضائی حملے کئے۔ ان حملوں نے دشمن کے ٹینکوں اور گاڑیوں کو خاصا نقصان پہنچایا اور بھارتی سپاہ کو بی آر بی نہر پار کرنے سے روک دیا۔ پاکستان ایئر فورس نے زمینی سپاہ کی فراخدلانہ حمایت کی۔

گیارہ سے پندرہ ستمبر کے درمیان صرف سیالکوٹ میں دشمن کے ٹھکانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک سو فضائی حملے کئے گئے۔ مجموعی طور پر سترہ دنوں کی جنگ میں ساڑھے پانچ سو فضائی حملے بری فوج کی مدد کے لئے کئے گئے۔ اس سے نہ صرف اپنی سپاہ کے دلوں میں پاکستان ایئر فورس کی قدر و منزلت بڑھی بلکہ دشمن نے بھی اس کی کارکردگی کو سراہا۔[۵۱]

1965ء کی جنگ میں پاکستانی فضائیہ کی کارکردگی واقعی اعلیٰ ترین رہی۔ جب اس کے بارے میں اس وقت کے کمانڈر انچیف سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "پاکستان ایئر فورس کے لوگوں کا یہ راسخ ایمان تھا کہ ہماری قوم حق پر ہے اور اللہ ہمارے ساتھ ہے اس لئے انہیں موت کا کوئی ڈر نہ تھا۔ حالات سخت ناموافق تھے۔ دشمن کی تعداد ہم سے کہیں زیادہ اور سازوسامان ہم سے کہیں بہتر تھا۔"[۵۲] یہ حقیقت ہے کہ اس جنگ میں ہندوستان کی کہیں بڑی اور بہتر ایئر فورس کے مقابلے پر پاکستان کی چھوٹی سی ایئر فورس نے توکل علی اللہ، اپنے بہتر منصوبوں اور دلیرانہ تدبیروں سے اعلیٰ ترین کارنامے سرانجام دیئے۔ اور رات ہی رات میں عالمگیر نیک نامی حاصل کرلی۔

3۔ 65ء کی جنگ میں انفرادی کارہائے نمایاں:

الف۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے پہلے شہید:

میجر محمد سرور شہید ستارہ جرات و تمغہ خدمت 1965ء کی جنگ کے پہلے شہید تھے۔ انہوں نے کشمیر کے محاذ پر بھمبر سے آگے بڑھتے ہوئے 3 ستمبر کو جوڑیاں کا قلعہ فتح کیا اور اس پر پاکستان کا پرچم گاڑ دیا جس کی وجہ سے کشمیر کا علاقہ پاکستان کے قبضے میں آگیا۔ صدر ایوب خاں نے ریڈیو پر اپنی تقریر میں کہا کہ "میں مبارکباد پیش کرتا ہوں کمانڈوز کے اس دستے کو جو وادی کشمیر کے پہاڑوں کو چیرتے ہوئے بجلی کی طرح آگے بڑھا اور اپنی جان کی بازی لگا کر جوڑیاں کا

---

[۵۱] Maj Gen (R) Shaukat Riza, The Pak Army War 65, Services Book Club, Rwp, 1984, p.2

[۵۲] جان فریکر، جنگ پاکستان 1965ء کا فضائی معرکہ، الامین علی کیمشنر، کراچی، 1979ء، ص: 191

تین منزلہ اسلحہ سے بھرا ہوا قلعہ فتح کر لیا اور دشمن کو شرمناک شکست دی۔" میجر محمد سرور شہید اسی دستے کے کمانڈر تھے یہاں پر انہوں نے دشمن کے پانچ سو افراد کو پکڑا اور جنگی قیدی بنا کر اٹک فورٹ روانہ کیا اور قلعہ کو ریگولر آرمی کے حوالے کر دیا۔

کمانڈوز کے اسی دستے نے تیزی کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کر دیا اور اکھنور کے مقام پر جا پہنچا جہاں پر ان کا دوسرا مشن جموں اور اکھنور کے درمیان بڑے پل کو اڑانا تھا۔ دشمن نے جہازوں کی ایک کھیپ اس دستے کے پیچھے روانہ کر دی۔ ان جہازوں کے پروں سے بیک وقت دو سو گولیاں برس رہی تھیں وہ اس دستے کا پیچھا کرتے رہے۔ میجر محمد سرور کمانڈوز کا دستہ لئے آگے بڑھ رہے تھے اسی ایکشن کے درمیان 17 گولیاں میجر محمد سرور شہید کے سینے اور ایک گولی ماتھے پر لگی انہوں نے کلمہ پڑھا اور اپنی جان کی عظیم قربانی خدا کے حضور پیش کر دی۔ اپنی خدمات کے بدلہ میں انہیں فوج کا سب سے بڑا اعزاز نشان حیدر دیا گیا۔[1]

ب۔ میجر عزیز بھٹی شہید کا شاندار کارنامہ:

جس روز بھارتی فوجوں نے پاکستان پر حملہ کیا میجر عزیز بھٹی برکی سیکٹر میں پنجاب رجمنٹ کی ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔ جس کی دو پلٹنیں اگلے مورچوں سے صرف چھ سو گز کے فاصلے پر تھیں۔ انہوں نے خطرات کی پرواہ کیے بغیر اگلے مورچوں میں ڈٹے رہنے کا عزم کیا۔ تاکہ ذاتی طور پر دیکھ بھال کر سکیں۔ بھارت نے پورے بریگیڈ کے ساتھ حملہ کیا تھا جس کے ساتھ توپ خانہ اور ٹینک بھی شامل تھے۔ دشمن نے چھ مرتبہ پوری شدت سے حملہ کیا مگر ہر مرتبہ منہ کی کھائی۔ اس مقابلے کا مقصد بی آر بی کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لئے کچھ وقت لینا تھا چنانچہ میجر عزیز بھٹی نے نہر کے اگلے کنارے پر متعین پلاٹون کے ساتھ آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا ان حالات میں جب کہ دشمن تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور اسے توپ خانے اور ٹینکوں کی پوری پوری امداد حاصل تھی۔ میجر عزیز بھٹی اور ان کے جوانوں نے آہنی عزم کے ساتھ لڑائی جاری رکھی اور اپنی پوزیشن پر ڈٹے رہے۔ 9 اور 10 ستمبر کی درمیانی رات کو دشمن نے اپنے سارے سیکٹر میں بھرپور حملے کے لئے ایک پوری بٹالین جھونک دی۔ میجر عزیز بھٹی کو اس صورت حال میں نہر کے اپنی طرف کے کنارے

---

[1] آغا اشرف، ہمارا پاکستان، مکتبہ القریش، لاہور، 1986ء، ص: 264

پر لوٹ آنے کا حکم دیا گیا مگر جب وہ لڑ بھڑ کر راستہ بناتے نہر کے کنارے پہنچے تو دشمن اس مقام پر قابض ہو چکا تھا۔ انہوں نے انتہائی سنگین حملے کی قیادت کرتے ہوئے دشمن کو اس علاقے سے نکال باہر کیا اور پھر اس وقت تک وہاں دشمن کی زد میں کھڑے رہے جب تک کہ ان کے تمام جوان اور گاڑیاں نہر سے پار نہ پہنچ گئیں۔

انہوں نے نہر کے اس کنارے پر کمپنی کو نئے سرے سے دفاع کے لئے منظم کیا۔ دشمن اپنے چھوٹے ہتھیاروں، ٹینکوں اور توپوں سے بے پناہ آگ برسا رہا تھا مگر یہ اس کے شدید دباؤ کا سامنا کرتے رہے اس دوران دشمن کے ایک ٹینک کا گولہ ان پر آ لگا جس سے وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ حکومت پاکستان نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں فوج کا سب سے بڑا اعزاز "نشان حیدر" دیا۔[1]

4- فرمان خصوصی (Order of the Day) کے مثبت اثرات:

افواج پاکستان کے لئے جاری کردہ فرمان خصوصی نے بھی مثبت اثرات مرتب کئے افواج میں اہم مواقع پر کمانڈر کی طرف سے جو خصوصی فرمان جاری ہوتے ہیں انہیں آرڈرز آف دی ڈے (Oreders of the Day) کہا جاتا ہے۔ یہ آرڈرز جنگ چھڑ جانے کی شکل میں یا قیادت تبدیل ہونے کی صورت میں جاری کئے جاتے ہیں۔ جنگ ستمبر کے لئے جو آرڈرز جاری کئے گئے وہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے الفاظ بڑے جاندار اور جذبہ جہاد کو زندہ کرنے والے ہیں مسلح افواج کے قائدین نے جو فرمان خصوصی جاری کئے ان سے منتخب جملے یہ ہیں:

الف۔ "لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہوئے دشمن کو فنا کردو" فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان

ب۔ "ارض پاک پر قدم رکھنے والے دشمن کے ہر سپاہی کا سر کچل دو" جنرل محمد موسیٰ بری فوج کے سپہ سالار

ج۔ "بھارت کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کا دور شروع ہو گیا ہے" ایئر مارشل نور خان فضائیہ کے سربراہ

د۔ "بحریہ کے افسر اور جوان ایمان، جرات اور اعتماد کے ساتھ اپنا مقدس فرض ادا کریں"[2] وائس ایڈمرل اے آر خان بحریہ کے کمانڈر

صدر پاکستان، مسلح افواج کے سربراہان کے خصوصی فرمان اور سپہ سالاران کی اگلے مورچوں پر تقاریر نے

---

[1] چودھری نعمت علی، قائداعظم سے جنرل ضیاء تک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1963ء، ص: 271

[2] شریف فاروق، پاکستان میدان جنگ میں، بساط ادب، لاہور، 1969ء، ص: 41-50

عساکر پاکستان کے جذبہ جہاد کو جلا بخشی اور جنگ ستمبر میں وہ فتح یاب ہوئے۔

5- پاکستانی قومیت اور جذبہ اخوت کے مثبت اثرات:

اسلامی جذبہ اخوت و مودت کی وجہ سے برصغیر کے تمام مسلمان خطوں نے اور بالخصوص مسلم بنگال نے پاکستان کی تشکیل میں بھرپور کردار ادا کیا۔ 1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں قرار داد پاکستان مشرقی پاکستان (مسلم بنگال) سے تعلق رکھنے والے مولوی ابو القاسم فضل الحق نے ہی پیش کی۔ اور اسی طرح ترمیم شدہ قرار داد پاکستان 1946ء میں بنگال سے ہی تعلق رکھنے والے حسین شہید سہروردی نے پیش کی۔[91]

برصغیر کی آزادی کے موقع پر مسلم قومیت کے ساتھ ساتھ پاکستانی قومیت بھی وجود میں آئی ستمبر1965ء کی جنگ میں اگرچہ بھارت نے حملہ مغربی پاکستان پر کیا مگر مسلم بنگال نے اسے پورے پاکستان پر حملہ تصور کیا اور پاکستانی قومیت کے حوالے سے ملکی دفاع میں مشرقی پاکستان نے اپنا پورا حصہ ڈالا۔ جنگ کے زمانہ میں مشرقی پاکستان میں فوجی بھرتی نے ناقابل قیاس طور پر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ہر نوجوان کے دل میں وطن کے دفاع کے لئے اس قدر جذبہ تھا کہ فضائیہ، بحریہ اور بری فوج میں بھرتی کے امیدواروں کی تعداد میں دس گنا اضافہ ہو گیا۔ یہی حال مجاہد فورس کا تھا۔ صرف میمن سنگھ میں ایک ہی دن بھرتی کے لئے دس ہزار نوجوان پیش ہوئے۔[92]

عمومی طور پر پاکستانی قوم کی کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف جنگ کے محاذ پر پاکستان کی بہادر فوجیں دشمن کے پرخچے اڑا رہی تھیں ان کے جوابی حملوں کو بری طرح ناکام بنایا جا رہا تھا۔ فضائی، بری اور بحری محاذوں پر اسے تباہ و برباد کیا جا رہا تھا۔ سینکڑوں اور ہزاروں بھارتی فوجیوں اور ان کے افسروں کو گرفتار یا واصل جہنم یا زخمی کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف بہادر پاکستانی عوام دفاعی فنڈ میں ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں روپے جمع کروا رہے تھے ملک کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں عوام ایثار و قربانی کے جذبہ میں سرشار دکھائی نہ دے رہے ہوں۔ زخمیوں کو خون دینے کے لئے بلڈ بینکوں کے باہر ہزاروں لڑکے، لڑکیاں، مرد اور عورتیں جمع ہو رہی تھیں اور اپنا خون پیش کر رہی تھیں عورتوں کا کہنا یہ تھا کہ اگر وہ میدان جنگ میں عملاً حصہ نہیں لے سکتیں تو کم از کم اپنے خون کی پیش کش تو کر سکتی ہیں۔ صدر پاکستان

---

[91] میجر جنرل (ر) محمد امراؤ خان، ایک جرنیل کی سرگزشت، فیروز سنز لاہور، ص 330-331

[92] نقش الصدور، ص: 203

کی اس ترغیب نے خاطر خواہ اثرات چھوڑے کہ ایک پیسے میں ایک ٹینک" یعنی اگر ہر پاکستانی روزانہ ایک پیسہ بھی رفاہی فنڈ میں دے تو دس کروڑ عوام کے چندے سے روزانہ ایک ٹینک خریدا جا سکتا ہے اس تجویز سے غریب سے غریب پاکستانی کے لئے بھی دفاع فنڈ میں حصہ ڈالنے کے مواقع نکل آئے۔

اگر یہ بات درست ہے کہ جنگ تنہا فوجیں ہی نہیں لڑا کرتیں بلکہ اس میں شہری آبادی پوری طرح برابر کا حصہ لیا کرتی ہے تو پاکستانی قوم نے ثابت کر دیا کہ وہ میدان جنگ میں اپنا کردار کما حقہ ادا کر رہی ہے۔ جب عالمی تاریخ میں اس جنگ کا حال لکھا جائے گا تو جہاں ایک طرف پاکستانی فوجوں کو خراج تحسین پیش کیا جائے گا وہاں پاکستانی عوام کے جذبہ ایثار کو بھی کچھ کم نہیں سراہا جائے گا [1] گویا 1965ء کی جنگ اور اس کے بعد عوام کی طرف سے حمایت اور حوصلہ افزائی نے فوج پر مثبت اثرات چھوڑے۔ ان کے وقار میں اضافہ ہوا اور مورال یعنی جذبہ جہاد میں ایک گونہ بہتری پیدا ہوئی۔

مولانا خلیل احمد حامدی جنگ ستمبر کے مثبت اثرات کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ 6 ستمبر 1965ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان جو 17 روزہ جنگ ہوئی وہ در حقیقت ملت اسلامیہ پاکستان کے لئے ایک نعمت عظمٰی ثابت ہوئی۔ اس کی بدولت ملت اسلامیہ کو جو صدیوں سے خواب غفلت میں مدہوش تھی، پہلی مرتبہ شعور ہستی نصیب ہوا، اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوئی کہ اس کی سربلندی کا راز جہاد میں مضمر ہے۔ شہیدوں اور غازیوں کا گرم خون ہی کشت ملت کو سیراب کرتا ہے اور تلواروں کی جھنکار ہی میں حیات جاوداں ملتی ہے۔ پوری قوم نشہ جہاد میں سرشار ہو گئی اور ہر پیر و جواں یقتلون و یقتلون (مارتے ہیں اور مر جاتے ہیں) کی زندہ تفسیر نظر آنے لگا۔ [2]

ستمبر 65ء میں جونہی جنگ چھڑنے کا اعلان ہوا تو جہاں ہر شخص نے اپنی خدمات حکومت کو پیش کیں وہاں علماء کرام نے بھی اسی جذبے کا اظہار کیا۔ علمائے کرام نے جمعہ کے خطبوں میں جہاد کی فضیلت بیان کی اور کہا کہ یہ جنگ حق و باطل کی لڑائی ہے اور تاریخ اسلام کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ فتح ہمیشہ حق کی ہوئی ہے اس موقع پر انہوں نے جنگ بدر، جنگ حنین، فتح مکہ کے علاوہ صلیبی جنگوں کا ذکر کیا اور حضرت علیؓ، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت عمروؓ بن

---

[1] چودھری نعمت علی، قائداعظم سے جنرل ضیاء تک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1983ء، ص: 336

[2] خلیل احمد حامدی، جہاد اسلامی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1984ء، مقدمہ

العاص، موسیٰ بن نصیر، سلطان صلاح الدین ایوبی، حیدر علی، ٹیپو سلطان اور دیگر مسلمان جرنیلوں کے جنگی کارناموں، قربانیوں حکمت عملیوں، جنگی معاہدوں اور آزمائش کی گھڑیوں میں کامیابی و کامرانی کے پرچم گاڑنے کے سلسلے میں پیش آنے والے حالات و واقعات پر بھرپور روشنی ڈالی۔

علماء کرام نے قرآن پاک، احادیث نبویؐ اور آئمہ کرام کی تعلیمات کی روشنی میں عوام میں جذبہ جہاد بڑھانے کے لئے مساجد کے علاوہ عوامی اجتماعات میں تقاریر کیں اور اخبارات کو بیانات جاری کئے۔ علمائے کرام نے عوام کو یہ باور کرایا کہ جنگ ستمبر بھی چونکہ کافروں کی جانب سے مسلط کی گئی ہے اس لئے اس جنگ میں ہر پاکستانی کو تن، من اور دھن سے شامل ہونا چاہئے۔ انہوں نے مسلح افواج کے جوانوں سے کہا کہ وہ اس جنگ میں اپنی جان کی قربانی کا نذرانہ پیش کریں گے تو ان کا شمار مردوں میں نہیں ہو گا بلکہ شہداء میں ہو گا اور شہداء کا صلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ انہیں مردہ مت کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں اور رزق حاصل کرتے ہیں۔ علمائے کرام مختلف جنگی محاذوں پر بھی گئے اور وہاں بھی مسلح افواج کے جوانوں اور افسروں میں جذبہ جہاد کو ابھارا۔[1]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس ضمن میں اسلامی ممالک کے تقریباً ایک سو سربراہان، علماء اور ایڈیٹروں کو ذاتی طور پر خطوط لکھے۔ مولانا نے اپنے خطوط میں لکھا کہ مسلمان اقوام کا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ مجاہدین آزادی کی امداد و اعانت کریں۔ انہوں نے کشمیری عوام کے بارے میں لکھا کہ کشمیری عوام کے سامنے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ کشمیری عوام کو آزادی کا حق دینے کے لئے اقوام متحدہ نے 18 سال قبل جو قرار داد منظور کی تھی اسے ردی کاغذ کے ایک پرزے کی حیثیت دے دی گئی ہے انہوں نے اسلامی ممالک پر زور دیا کہ وہ کشمیر کی جنگ آزادی کو غیر مبہم الفاظ میں جہاد قرار دیں۔ مولانا کے خطوط نے بڑا کام کیا اور تمام اسلامی ممالک نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

عوام نے علماء کرام کی بھرپور تائید اور تقاریر کا خاطر خواہ اثر قبول کیا اور ان کے اندر چھپا ہوا پاکستانی جاگ اٹھا اور پھر اس نے اپنا سب کچھ پاکستان پر قربان کر دیا۔ یوں زندہ دل پاکستانی عوام نے مسلح افواج کے جانبازوں سے مل کر بھارت کو شکست دی اور اسے جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا۔

---

[1] خالد محمود، رن کچھ سے چونڈہ تک، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1967ء، ص:290

6- جنگ ستمبر میں ناقص کارکردگی کے تربیتی عوامل:

ستمبر1965ء کی پاک بھارت جنگ میں اگرچہ پاکستان نے مجموعی طور پر کامیابی حاصل کی تھی لیکن اس دوران میں ایسی چند غلطیاں بھی ہوئیں جن کی وجہ سے مسلح افواج وہ نتائج حاصل نہ کر سکیں جن کی عوام کو توقع تھی اگر خدانخواستہ غلطیوں کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔ اس ضمن میں ستمبر1965ء کا تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔ جس سے ان غلطیوں کا اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کس قدر بڑی غلطیاں تھیں:

کشمیری مجاہدین کی امداد کے لئے بنائے گئے اپریشن جبرالٹر کے منصوبے کو روبہ عمل لانے کے لئے کم وقت دیا گیا اس لئے مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی سرگرمیاں چند روز کی جنگ کے بعد ماند پڑ گئیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس آپریشن کو مقبوضہ کشمیر کے لوگوں سے کسی عملی رابطے کے بغیر شروع کیا گیا تھا اور انہیں اس کا علم ہی نہیں تھا کہ یہ جنگ ان کے لئے لڑی جا رہی ہے۔

اپریل 1965ء میں جب رن کچھ میں پاکستان اور بھارت کی افواج کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں تو اس کے نتیجے میں بھارت کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اسی بنا پر بھارتی وزیراعظم لال بہادر شاستری نے یہ اعلان کیا تھا کہ بھارت اب اپنی مرضی کا محاذ کھولے گا۔

چنانچہ بھارتی وزیر اعظم کے اس اعلان کے بعد پاکستانی عوام کو جنگی حالات سے نمٹنے اور انہیں شہری دفاع کے اصولوں سے مکمل طور پر آگاہ کیا جانا ضروری تھا لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ حالانکہ رن کچھ اور ستمبر کی جنگ کے درمیان چار ماہ کا وقفہ تھا جو عوام کو فوجی تربیت دینے کے لئے کافی تھا نیز انہیں شہری دفاع کے اصولوں سے بھی روشناس کرایا جا سکتا تھا۔

مشرقی پاکستان کی حفاظت کے لئے کوئی خاطر خواہ انتظام نہ کیا گیا جس کے نتیجے میں وہاں کے عوام کے دلوں میں عدم تحفظ کا احساس اجاگر ہوا اور انہوں نے انہی ایام سے مغربی پاکستان کے حکمرانوں کے خلاف محاذ قائم کر لیا تھا جو بعد ازاں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا باعث بنا۔ [1]

---

[1] زاہد حسین انجم، 6 ستمبر1965ء تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1990ء، ص 213-215

7- 71ء کی جنگ میں فضائیہ کی خلاف توقع کارکردگی کے عوامل:

جب ہم 1971ء کی جنگ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بار پاک فضائیہ کی ہائی کمان کی منصوبہ بندی اس معیار کی نہیں تھی جو چھ سال پہلے کے کارہائے نمایاں کو ظہور میں لاتی چنانچہ یہ قوم کی توقعات پر پوری نہ اتری اور اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔

1971ء کی جنگ جس ماحول اور جن حالات میں لڑی گئی وہ 1965ء کی جنگ سے قطعی مختلف تھے۔ فضائی جنگ کے ضمن میں ان حالات کا جائزہ لینا بہت مناسب ہوگا۔ ہندوستان نے 1965ء کی جنگ سے بہت کچھ سیکھا تھا اور خوب سوچ سمجھ کر سیکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی فضائیہ کی نئے سرے سے تنظیم کی اور اسے نئے ساز و سامان سے آراستہ کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انڈین ایئر فورس کو 1971ء تک وسیع اور جدید بنایا جا چکا تھا اور اس کی حملہ کرنے کی قوت بھی بڑھ چکی تھی۔ اب یہ امریکہ، روس، چین اور فرانس کے بعد پانچویں بڑی فضائیہ بن چکی تھی ایک اندازے کے مطابق انڈین ایئر فورس کے پاس سب طیاروں کی کل تعداد دو ہزار کے قریب ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے تمام طیاروں سے اڑتیس سکاڈرن بنا لئے تھے۔ اٹھائیس تو مغربی پاکستان کے بالمقابل اور باقی دس سکاڈرن مشرقی پاکستان کے ساتھ متعین تھے۔ اس کے برعکس پاک فضائیہ کی حالت یہ تھی کہ اس کے پاس صف اول کے صرف ڈھائی سو کے لگ بھگ ہوائی جہاز تھے۔ ان سے ساڑھے گیارہ سکاڈرن بنا لئے گئے تھے۔ ساڑھے دس سکاڈرن تو مغربی پاکستان اور ایک مشرقی پاکستان میں تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستانی ایئر فورس کو پاکستان پر بہت زیادہ فضائی برتری حاصل تھی اور وہ حملہ کر کے پاکستان ایئر فورس کو ناکارہ کر سکتی تھی۔

لیکن تمام مشکلات، ناسازگار حالات اور انڈین ایئر فورس کا تعداد اور ساز و سامان میں برتری کے باوجود پاک فضائیہ کے نوجوان افسروں کو یہ یقین تھا کہ وہ انڈین ایئر فورس پر حاوی ہو کر کاری ضرب لگا سکتے ہیں۔ اس میں کسی کمزوری کا احساس نہیں پایا جاتا تھا۔ [سلہ]

سلہ میجر جنرل (ر)، فضل مقیم خان، پاکستان کا المیہ 1971ء، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، ص: 336-340

فصل دوم ---- عساکر پاکستان پر مرتب ہونے والے عمومی نوعیت کے اثرات

1- دور غلامی کی غیر اسلامی عسکری روایات کے اثرات:

1857ء کے بعد ہندوستانی فوج کی ساخت اور اس کا کردار بنیادی طور پر یہ تھا کہ ہندوستان میں برطانوی راج کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے اس لئے انگریزوں کی بنا کردہ روایات تادیر قائم رہیں۔ جس کی وجہ سے مغربی تہذیب کا رنگ موجود رہا اور ان غیر اسلامی روایات کی وجہ سے اسلامی روایات کو جگہ پانے میں کافی وقت لگا۔ آزادی کے بعد عساکر پاکستان میں اسلامی تعلیمات کو کافی حد تک رواج ملا البتہ کچھ اثرات ابھی تک باقی ہیں۔

2- انگریزی دور کے مادہ پرستانہ نظام تعلیم کے اثرات:

غلامی کے طویل دورانیے میں برصغیر کے مسلم معاشرے کے مختلف شعبوں کی تنظیم و تربیت کا کام مغربی انداز میں ہوتا رہا۔ دور غلامی میں مسلمانوں کے نظام تعلیم کے کھنڈروں پر اسی انگریزی نظام تعلیم کی عمارت اٹھائی گئی جو غیر ملکی حکمرانوں کی خواہشات اور ضروریات کے تابع تھا۔ اس لئے قیام پاکستان کے وقت نظام تعلیم میں یہ بنیادی نقص تھا کہ نظام تعلیم اسلامی تہذیب و ثقافت سے مطابقت نہ رکھتا تھا اور جدید علوم نظریہ مادیت کی بنیاد پر استوار تھے۔

آزادی کے بعد معاشرے کے تمام شعبوں کو اسلامی تہذیب و ثقافت سے ہم آہنگ کرنے اور اسلام کے نظریہ حیات کو نظام حیات میں منقلب کرنے میں نظام تعلیم کی اصلاح کی گئی۔ خصوصاً افواج پاکستان کو لشکر اسلام کے قالب میں ڈھالنے کے لئے عسکری تربیت میں دینی اور نظریاتی تعلیمات کو شامل کرنے کی خصوصی کوشش کی گئی اگرچہ اس جہت میں مزید کام کرنے کی کافی گنجائش ہے۔[1]

3- مادیت اور محض اسلحہ کے حصول میں مسابقت کے منفی پہلو:

باقی غیر مسلم سپاہ کی طرح عساکر پاکستان کی زیادہ توجہ عسکری تربیت اور اسلحہ کے حصول ہی کی طرف رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی اور نظریاتی پختگی کی طرف برابر توجہ مبذول کرنی چاہئے۔ کیونکہ عالم عربی و اسلامی کی

---

[1] ڈاکٹر شبیر حیدر ترمذی، اسلام کا نظام تعلیم، کاروان ادب، لاہور، 1993ء، ص: 12'11

کامیابی ایمانی اور پیشہ ورانہ دونوں طرح کی قوت میں مخفی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عربوں کی ایمانی اور پیشہ ورانہ قوت کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جو عالم اسلام کے لئے بعینہ صادق آتی ہے کہ:

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے۔ محمد ﷺ اس کے امام اور قائد ہیں۔ ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتح یاب ہوا۔ اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ عالم عربی کو اگر کمیونزم یا سوویت سے جنگ کرنا ہے یا کسی دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کر سکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے یا پٹرول کی قیمت کے طور پر اس کو حاصل ہوتی ہے وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اس ایمان، معنوی قوت اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کر سکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی اور فتح حاصل کی تھی اور وہ اس دل کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس کو زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو۔ اس جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدادہ ہو۔ اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس کو شک و شبہ کا گھن لگ چکا ہو اور افکار و خواہشات باہم دست و گریباں ہوں۔ اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ ضعف الایمان اور متشکک قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جا سکتا۔[1]

4- سپاہیوں اور قائدین میں مصنوعی فاصلے اور عدم مساوات کے منفی اثرات:

افواج پاکستان کا موجودہ نظام کافی حد تک آزادی سے قبل کی ترتیب پر چل رہا ہے جس میں عساکر کو طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے اور طبقات کو باہم دور دور رکھا گیا ہے۔ اسلام نے ایسی کسی طبقاتی تقسیم کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف ستر اونٹ تھے جو ان میں تقسیم کیے گئے حضور اکرم ﷺ کے حصے میں جو اونٹ آیا اس میں آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اور مرثد بن مرثدؓ شریک تھے ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم پیدل چلیں کے ہمارے حصے کی سواری بھی آپ ہی کر لیں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا، میں تم دونوں سے نہ تو زیادہ کمزور ہوں اور نہ

---

[1] ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص 288

ہی اپنا اجر کم کرانا پسند کرتا ہوں۔[53]

ایک جنگی سفر میں کھانے پکانے کے کام تقسیم ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: جنگل سے لکڑی کاٹ کر لانا میرے ذمہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے کہا کہ آپ کے حصے کا کام ہم کریں گے مگر آپ ﷺ نہ مانے۔[54]

غزوہ خندق میں خندق کھودنے کی نوبت آئی تو آپ ﷺ نے اپنے حصے کی خندق خود ہی کھودی بلکہ ایک دوسرے صحابی کی خندق میں سخت چٹان آئی تو آپ ﷺ نے اس کو بھی توڑا۔[55] ان واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مساوات کا عملی نمونہ اگر کوئی پیش کر سکتا تو وہ بھی نبی اکرم ﷺ ہی کی ذات مبارک تھی۔

سپاہیوں اور سپہ سالار میں مصنوعی فاصلوں کی بجائے قربت، بے تکلفی، اپنائیت اور مساوات ہو تو فوج کے حوصلوں میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں اپنے قائد کا احترام ہی نہیں محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ جوانوں میں قائد کی محبت و احترام ایک ایسا جوہر ہے جو باہمی ربط کو بڑھاتا اور جذبہ ایثار اور قربانی کو ترقی دیتا ہے اور یہی جذبہ جنگ میں موثر کردار ادا کرتا ہے۔

بدقسمتی سے دو صد سالہ غیروں کی غلامی نے ہمیں احساس کمتری میں مبتلا کر رکھا ہے جس کی وجہ سے جوانوں اور افسروں میں غیر فطری فاصلے حائل ہو گئے ہیں۔ ان فاصلوں کو مٹانے ہی میں ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔ سامراجی طاقتیں دانستہ طور پر ہمارے اندر یہ مہلک بیماری چھوڑ گئی ہیں جبکہ وہ خود ان سے پاک ہیں۔[56]

5۔ 71ء کی شکست اور اس کے منفی اثرات:

الف۔ جنگ 1971ء کے اسباب شکست:

دسمبر 1971ء میں پاکستان کو شکست ہی نہیں ہوئی پاکستان کی تذلیل بھی ہوئی، اسباب شکست چنداں ناقابل فہم نہیں۔ اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ کمزوری ہماری ذات میں تھی اس کی بیرونی عوامل میں تلاش بے سود ہے۔ یہ سارا قصور ہمارا ہے۔ اہم اسباب یہ تھے۔

(1) حکومتوں کا سول امور میں فوج پر بھروسہ۔ مسلم افواج جو تقسیم کے بعد 1947ء میں ہمارے حصہ میں

---

[53] محمود خطاب شیت، آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار، شیخ غلام علی، لاہور، ص. 126

[54] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1979، 75/2

[55] عکس المصدر

[56] ادارہ دینی تعلیمات، "سرور کائنات کی جنگی حکمت عملی موجودہ حالات کی روشنی میں"، پاک بحریہ، نیول ہیڈ کوارٹرز، اسلام آباد، ص: 7-88

آئیں اور جنہیں ہم نے آزادی کے پہلے عشرہ میں ترقی دی، واقعی اعلیٰ پیشہ ورانہ صلاحیت کی حامل تھیں۔ ان کی تعداد زیادہ نہ تھی تاہم ساری دنیا میں ایک چھوٹی مگر اعلیٰ فوج کی حیثیت سے ان کی شہرت تھی۔ بعد میں حکومت مسلح افواج پر تکیہ کرنے لگی اور فوج کو ملک کے نظم و ضبط کی بحالی کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ مشکل معاشرتی اور اقتصادی مسائل فوج کے سپرد کر دیئے گئے اور داخلی امن و امان بھی بالعموم افواج کی ذمہ داری قرار پایا۔ فوج ان ذمہ داریوں سے بڑی مستعدی سے عہدہ بر آ ہوتی آرہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت زیادہ سے زیادہ فوج پر بھروسہ کرنے لگی۔ ان غیر عسکری فرائض سے فوجی تربیت پر مضر اثرات مرتب ہوئے اور سول انتظامیہ بھی بد دلی اور بے اعتباری کا شکار ہو گئی۔[1]

(2) علاقائی تعصب: قومی زندگی میں غیر یقینی حالات کی وجہ سے لوگ علاقائی عصبیت کا شکار ہو گئے اور قومی اتحاد کا جذبہ مفلوج اور مغلوب ہو کر رہ گیا۔ بھارت نے پاکستان کے اندرونی خلفشار اور نفاق انگیز رجحانات کا پورا فائدہ اٹھایا اور پاکستان پر فتح حاصل کرنے کی اس روش پر چل نکلا جو کسی زمانے میں ہٹلر نے اختیار کی تھی۔ ہٹلر نے ایک مرتبہ کہا تھا "دشمن کو اس صورت میں تلوار کے زور سے مفتوح کیا جاتا ہے جبکہ دشمن کو مغلوب کرنے کے دوسرے ذرائع سے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکے لیکن ہم نے ایک ایسا موثر اور وسیع لائحہ عمل مرتب کر لیا ہے جس میں اعلیٰ قوت کے استعمال سے ہم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں ----- مجھے دشمن کی قوت ارادی سلب کرنے کے لئے فوجی ذرائع کے استعمال کی چنداں ضرورت نہیں ہے جبکہ میں دوسرے ذرائع سے نہایت آسانی سے اور ارزاں طور پر دشمن کو برباد کرنے پر قادر ہوں۔ ہمارا لائحہ عمل یہ ہے کہ دشمن کو اندرونی طور پر برباد کرو اور دشمن کو اسی کے ذریعے سے مغلوب کرو۔[2]

(3) بھارت کی کامیاب نفسیاتی جنگ: بھارت موجودہ جنگ کے نفسیاتی مضمرات سے بخوبی آگاہ تھا۔ آج کل دشمن کی فوج کو نشانہ بنانے کی بجائے دشمن قوم کے دلوں کو شکست دی جاتی ہے۔ چنانچہ 1965ء کی جنگ کے بعد بھارت نے اپنی تمام تر توجہ پاکستان کے خلاف نفسیاتی جنگ پر مرکوز کر دی اور اس نے پروپیگنڈے کو نفسیاتی اسلحہ جنگ

---

[1] میجر جنرل (ر) فضل مقیم خان، پاکستان کا المیہ 1971ء، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، ص 368۔

[2] B.H. Liddel Hart, Strategy The Indirect Approach, Fabre and Fabre, London, p.225

کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کے برعکس پاکستانی عوام اور ارباب اقتدار انتشار اور نفاق میں مبتلا رہے اور انہوں نے 1971ء کے اواخر میں خود ہی اپنے ملک کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا اور بھارت کے سیاسی مقصد کے حصول کے لئے از خود راہ ہموار کر دی۔ [1]

(4) دفاعی صلاحیت کا فقدان: جب قوم کو جنگ کی تربیت ہی نہ دی گئی ہو تو وہ قومی اتحاد کے تحفظ کے لئے کیسے نبرد آزما ہو سکتی ہے بالفاظ دیگر پاکستان میں اس دفاعی صلاحیت کا فقدان تھا جو دشمن کے خلاف عوامی جذبہ مزاحمت کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور عوام اپنے ملک و وطن کی حفاظت کے لئے جان و مال کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ پاکستانی عوام کو کبھی اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا۔

(5) ملکی دفاع کا غلط تصور: عوام اور ان کے لیڈروں نے ملکی دفاع کا غلط تصور قائم کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک مسلح افواج سرحدوں پر جمی ہوئی ہیں ملکی دفاع کو کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ فوجی حکمرانوں نے اپنی یقین دہانیوں سے لوگوں کی خوش فہمیوں کو پختہ عقیدہ میں بدل دیا اور لوگ مزے سے اپنی روز مرہ کی زندگی میں مصروف رہے۔ ان کا کیا قصور تھا۔ انہیں اصلی خطرات اور ذمہ داریوں سے کسی نے روشناس ہی نہیں کرایا تھا۔

(6) سیاسی بحران: دریں حالات مشرقی پاکستان میں سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔ حکومت سخت پریشان خیالی میں مبتلا تھی اور اس کے پیش نظر کوئی واضح مقصد اور لائحہ عمل نہ تھا۔ فطری بات ہے کہ سیاسی مقصد کے بغیر فوجی مقصد متعین نہیں کیا جا سکتا۔ محض یہ دعویٰ کہ پاکستان غیر ملکی حملے کی مدافعت کرے گا' واضح فوجی مقصد نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مشرقی پاکستان کے لئے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ تیار نہ تھا۔ ہم نے حالات کا جائزہ لئے بغیر عسکری قوت کو داخلی مشکلات پر قابو پانے کا ذریعہ بنا لیا۔ اس کے علاوہ ہمارے مقاصد اور وسائل قطعی طور پر ہم آہنگ نہ تھے۔ ہمارے پاس اتنی فوجی صلاحیت نہ تھی کہ صرف فوجی قوت کے استعمال سے مشرقی پاکستان کو اپنے ساتھ رکھ سکتے۔

(7) قومی منصوبہ بندی کا فقدان: 1971ء میں قومی سطح پر منصوبہ بندی مفقود تھی۔ ملک جنگ کے لئے ہرگز تیار نہ تھا اور قرین دانش یہی تھا کہ ہر طرح جنگ سے گریز کیا جاتا۔ سیاسی' سفارتی اور فوجی اعتبار سے قوم جنگ کرنے کے

---

[1] محمد بشیر احمد' تاریخ پاکستان' المرا آرٹ پریس' لاہور' 1984ء' ص: 442

قابل نہ تھی۔ فوجی طور پر ہمارے وسائل جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ بھارتی وزیر اعظم نے فخریہ اعلان کیا تھا کہ جب پاکستان کاریں درآمد کرنے میں مصروف تھا بھارت ٹینک اور طیارے بنانے میں کوشاں تھا۔ ان کا یہ فخر بجا تھا۔[1]

(8) <u>داخلی بدامنی و عدم استحکام</u>: 1971ء کی جنگ بنیادی طور پر داخلی عدم استحکام اور بدامنی کا نتیجہ تھی۔ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کا اپنے مغربی پاکستان کے بھائیوں سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ اس نے دفاع پاکستان پر منفی اثرات ڈالے۔ اسلام نے جو پہلا کام تجویز کیا وہ داخلی امن و استحکام تھا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد جو اہم ترین کارنامہ سرانجام دیا تھا وہ تھا "میثاق مدینہ" جو دراصل 51 دفعات پر مشتمل اولین اسلامی ریاست کا ایک متفقہ جمہوری دستور تھا جس پر مدینہ کے یہودیوں نے بھی دستخط ثبت کئے تھے۔ اس دستور سے مدینہ کی سلامی ریاست کو مکمل داخلی امن و استحکام حاصل ہو گیا جو جنگ میں کامیابی کے لئے دوسری اہم بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے ہر ذی شعور، حضور اکرم ﷺ کی جنگ بصیرت، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کا اندازہ کر سکتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ داخلی خلفشار اور انتشار کی موجودگی میں کوئی بھی فوج خواہ کتنی ہی زیادہ اور کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، کامیابی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس اصول کی روشنی میں پاکستان کے 1971ء کے واقعات کا جائزہ لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہماری اس شکست کا ایک بڑا سبب داخلی انتشار اور خلفشار بھی تھی۔ خوش فہمی اور خود فریبی قوموں کی تباہی، بربادی، شکست، ذلت اور محکومی کی راہ ہموار کیا کرتی ہے۔ حقیقت پسندی اور دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جو بھی رائے قائم کریں یا فیصلہ کریں وہ داخلی و خارجی حقائق اور واقعات کے ساتھ بھی مطابقت رکھتا ہو۔

محمد عربی ﷺ کے اتباع کا دم بھرنے والے اگر واقعی جنگ میں کامیابی کے خواہش مند ہیں تو سب سے پہلے داخلی امن و استحکام کا مکمل انتظام کرنا ہوگا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی اسلامی ریاست کے لئے فرمایا جو اس وقت چاروں طرف سے بدترین دشمنوں میں گھری ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود کوئی بھی اس کے داخلی امن و استحکام میں معمولی سا خلل بھی نہ ڈال سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ داخلی محاذ سے مکمل یکسوئی حاصل کر کے بیرونی دشمنوں پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوئے یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسلامی ریاست کے

---

[1] میجر جنرل (ر) فضل مقیم خان، پاکستان کا المیہ 1971ء، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، ص، 367-371

داخلی امن و استحکام کے لئے صرف میثاق مدینہ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدینہ کے نواح میں دوسرے غیر مسلم قبائل سے بھی تحریری معاہدے کئے جو ٹھوس اور پائیدار امن و استحکام کی بنیاد بنے۔[91]

ب۔ 71ء کی جنگ کے عسکری جذبہ محرکہ پر منفی اثرات:

1971ء میں سقوط مشرقی پاکستان نے افواج کے عسکری جذبہ محرکہ پر منفی اثرات ڈالے۔[92] ذرائع ابلاغ اور یونٹ کی سطح پر دیئے جانے والے لیکچروں میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ یہ ایک سیاسی شکست تھی مگر ان کوششوں سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اثرات کو زائل نہ کیا جا سکا۔ ہمارا فوجی جوان جو نظریہ پاکستان اور مشرقی و مغربی صوبوں کے اتحاد پر یقین رکھتا تھا اس کے دل میں یہ باتیں نہ اتر سکیں۔ جنگی قیدیوں کی واپسی میں دو سال کا عرصہ لگا۔ اس تاخیر نے نہ صرف جنگی قیدیوں کے عسکری جذبہ پر منفی اثرات چھوڑے بلکہ دیگر فوجی بھی ذہنی طور پر متاثر ہوئے اور ایک بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ جس نے پہلے سے موجود بے یقینی میں مزید اضافہ کیا۔

فوج کو اس بے یقینی کی کیفیت سے نکالنے کے لئے کمانڈر ان چیف اور دوسرے اعلیٰ افسروں نے یونٹ بریگیڈ اور بعض مقامات پر چھاؤنی کی سطح تک فوجی درباروں سے خطاب کیا۔ فوجی اصطلاح میں دربار سے مراد فوجیوں کا وہ اجتماع ہے جس سے کوئی کمانڈر یا اعلیٰ افسر خطاب کرتا ہو۔ ان اجتماعی خطابات سے بہر حال یہ فائدہ ہوا کہ فوج کا اعتماد کسی حد تک بحال ہوا اور فوجی جوان اس ہزیمت کا داغ مٹانے کے لئے کمر بستہ دکھائی دینے لگے۔[93]

دسمبر 1971ء سے 1975ء تک نظریہ پاکستان کے متعلق مختلف کتابچے شائع کئے گئے۔ اخبارات اور رسالوں میں مضامین بھی شائع ہوئے جن سے پڑھے لکھے لوگوں نے استفادہ کیا مگر فوج میں ایک بڑی تعداد ان پڑھ یا کم پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے اس طبع شدہ مواد سے بخوبی فائدہ نہ اٹھا سکی۔

(1) 1971ء کی پاک بھارت جنگ نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور حوصلے پست کئے۔ اس جنگ میں نہ صرف پاکستان کا بازو مشرقی پاکستان کٹ گیا بلکہ ایک لاکھ کے قریب سویلین اور فوجی دشمن کی قید میں چلے گئے۔ یہ سب ان کمزوریوں کی وجہ سے ہوا جو دینی، اخلاقی اور معاشرتی انحطاط کی وجہ سے پاکستانی قوم اور افواج پاکستان میں در آئی تھیں۔

---

[91] ادارہ دینی تعلیمات، سرور کائنات کی جنگی حکمت عملی موجودہ حالات کی روشنی میں، پاک بحریہ، نیول ہیڈ کوارٹرز، اسلام آباد، ص 54

[92] Gul Hassan, Lt Gen Memoirs of Gen Gul Hassan, Karachi, Oxford University Press, 1993, p 412

[93] Maj Gen Shaukat Riza, The Pakistan Army 1966 71, Services Book Club, Rwp, p 57,213

(2) کشمیر کی جنگ نے بھی ابھی تک افواج پاکستان پر مثبت اثرات نہیں ڈالے۔ بلکہ تین دفعہ بھارت کے ساتھ جنگ کرنے کے باوجود خاطر خواہ نتائج مرتب نہیں ہوئے۔ پچھلے پچاس سال سے دشمن کے سامنے کشمیر کی سرحد پر مورچہ بند افواج بغیر کسی حاصل کے صف آراء ہیں۔ اس بے نتیجہ کاوش کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

(3) افواج پاکستان میں زندگی روز بروز مشقت کے مقابلہ میں سہولت والی ہوتی جا رہی ہے۔ بعض حالات میں تو پر تعیش ہو رہی ہے۔ مراعات میں کافی تفاوت ہے۔ سپاہی کا بطور بیٹ مین (گھریلو معاون یا خدمت گار) کام کرنا اپنے اندر مثبت پہلو نہیں رکھتا بلکہ اکثر اوقات منفی پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

(4) تنخواہوں میں تفاوت نے بھی نچلے طبقے کے افراد پر منفی اثرات ڈالے ہیں اور ان کے جذبہ محرکہ کو متاثر کیا ہے اور کمزور کیا ہے۔

(5) افواج کی کامیابی کا مدار مادی وسائل اور ترقی پر مبنی کرنے کی وجہ سے مادہ پرستی میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے کمانڈر کی غیر مشروط اطاعت کا رواج پڑا اور اکثر مواقع پر "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"[1] کی نفی سامنے آئی۔ ذاتی ترقی کے لئے اپنے کمانڈر اور سینئر کی خوشامد کا رواج پڑا گویا اللہ پر اعتماد اٹھنے کا ذریعہ بنا۔ دنیاوی ترغیبات کے سامنے ثابت قدمی قائم نہ رہی اور پائے استقلال میں تزلزل کی وجہ سے حق تلفی کے آثار نظر آنے لگے۔

(6) مغربی تہذیب کو اپنانے سے اور مرد و زن کے مخلوط اجتماع سے پردہ کا تصور اٹھتا چلا گیا اور معاشرتی زندگی میں اخلاقی قدریں کمزور ہوتی گئیں۔

(7) قومی مقاصد کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے عسکری مشن بھی جامعیت اختیار نہ کر سکا۔

6- عساکر پاکستان پر ہمہ گیر مثبت اثرات مرتب کرنے والے عوامل:

الف۔ مسلسل تربیت:

اسلامی تعلیمات کے رباط فی سبیل اللہ کے احکامات پر عمل درآمد کرتے ہوئے افواج پاکستان کی تربیت کا اہتمام کیا

---

[1] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، قرآن محل، کراچی، 240/1

جا رہا ہے۔ اس کے تینوں شعبے یعنی بری، بحری اور فضائی افواج اپنے اپنے میدان میں نہایت یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو ملکی دفاع کے لئے تیار رکھے ہوئے ہیں اور ملک کے چپے چپے کی حفاظت کے مقصد پر پوری طرح عمل درآمد کر رہی ہیں۔ ہماری تینوں افواج آپس میں باہم مربوط اور ان کے تمام ذیلی شعبے حتیٰ کہ ہر جوان دوسرے سپاہی کے ساتھ پوری طرح منسلک اور متحد ہے اور یوں Regimentation کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ رفاقت کی کڑیاں جوانوں کے اس احساس کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ وہ ایک مشترکہ کام کے لئے اکٹھے کام کر رہے ہیں اور یہ کہ وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں نیز یہ کہ مشترکہ کام سب کے فائدے کے لئے ہے ایک عسکری تجزیہ نگار نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ:

"چھوٹے گروہوں میں گروہی لگاؤ سپاہیوں کی جنگی تحریک کے لئے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ گروہی روابط حب الوطنی میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور باہمی اعتقادات اور مقاصد کی وجہ سے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ایک لڑاکا سپاہی کے لئے سب سے زیادہ اہم افراد وہ ہیں جو اس کے پہلو بہ پہلو لڑتے ہیں اور اس کے ساتھ زندہ رہنے کی آزمائش میں برابر کے شریک ہیں۔"[1]

ہماری بحریہ بھی سمندر کی سمت سے چوکنی ہے تاکہ اس طرف سے حفاظت رہے، اسی طرح فضائی افواج فضا سے اور بری افواج چاروں طرف سے سرحدوں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔

ہماری افواج کے دلوں میں خدا کی ہستی کا یقین اتنا مستحکم ہے کہ وہ ہر وقت نشہ توحید سے سرشار رہتے ہیں۔ اللہ کے لئے محبت اس قدر عمیق ہے کہ ہزار قسم کی تکالیف بھی انہیں ایمان سے باز نہیں رکھ سکتیں۔ خدا کی ہستی پر یقین نے ان کے اندر عجیب جوش پیدا کر دیا ہے کہ وہ بڑے سے بڑے لشکر کو خاطر میں نہیں لاتے۔ وہ وسائل جنگ اختیار ضرور کرتے ہیں مگر یقین صرف اللہ کی ذات پر کرتے ہیں۔ اسی یقین کی وجہ سے پاکستانی افواج نے 1965ء کی جنگ میں اپنے سے کئی گنا بڑے مقابل کو زیر و زبر کر دیا اور انہوں نے آنے والی نسلوں کو بتا دیا ہے کہ فتح اور غلبہ کا انحصار فوجوں کی کثرت اور سامان کی زیادتی پر نہیں ہوتا بلکہ یہ نتیجہ ہوتا ہے اس قلبی طاقت اور طمانیت کا جو اسلامی عقائد سے قلوب

---

[1] S L AMarshal, Men Against Fire, Oxford University Press, Karachi, p 10

میں پیدا ہوتی ہے۔ ہماری فوج نے اپنے عمل اور کردار سے دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے انسان کے اندر کتنا عظیم انقلاب برپا ہوتا ہے اور وہ کتنی بڑی اور عظیم طاقت کا منبع بن جاتا ہے۔

ب۔ عمومی عوامل:

میجر جنرل (ریٹائرڈ) فضل مقیم اسلامی مملکت پاکستان کے حالات کے پیش نظر کسی مستقبل کے معرکہ میں عساکر پاکستان کو کامیابی کے لئے یہ تجاویز دی ہیں کہ:

"اگر اعلیٰ سطح پر ہمارے مقاصد غیر مبہم ہوں، نشان منزل واضح ہو اور انہیں حاصل کرنے کے لئے باہمی اشتراک عمل کو فروغ ہو، تو اب بھی ہمارے ملک میں اتنی طاقت مضمر ہے کہ وہ ایک خود دار اور باعزت ملک و قوم کے طور پر ابھر سکے۔ اس وقت ملک کا مقدر ایک آزمائشی دور سے گزر رہا ہے۔ ہمیں حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ مہلت مل گئی ہے۔ ہمیں اس مہلت کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اب ہمیں اس امر کی ضمانت دینی ہوگی کہ ہم قوم اور مسلح افواج کو تیاری اور منصوبہ بندی کے بغیر دوبارہ کبھی جنگ کی آگ میں نہیں جھونکیں گے۔ ہمیں عہد کرنا ہوگا کہ ہم 1965ء اور 1971ء کی جنگی غلطیوں کا اعادہ نہیں ہونے دیں گے۔ ہمیں عزم کرنا ہوگا کہ ہم ملک و قوم کی قسمت کسی فرد واحد کی مرضی کے تابع نہیں کریں گے۔ جنگی طور پر مستعد رہنے کے چند تقاضے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(1) قومی نصب العین واضح ہو اور دفاعی حکمت عملی غیر مبہم ہو۔

(2) عوام کو دفاعی امور سے آگاہ کیا جائے اور کاروبار حکومت چلانے والے افراد اپنی دانستہ اور غیر دانستہ غلطیوں کے لئے عوام کے سامنے جواب دہ ہوں۔

(3) ملک کی سلامتی کو جو خارجی خطرات درپیش ہوں ان کے متعلق صحیح سیاسی اور سفارتی موقف اختیار کیا جائے۔

(4) اعلیٰ سطح کی دفاعی تنظیم قائم کی جائے جس کے مقاصد اور فرائض کی واضح طور پر تصریح کر دی جائے۔

(5) بہترین تربیت یافتہ اعلیٰ فوجی قیادت مہیا کی جائے۔ مسلح افواج کو جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا جائے اور

محض ذاتی شجاعت اور جسمانی قوت پر انحصار کرنے کی حکمت عملی کو ترک کر دیا جائے۔

ان تمام مقاصد کے حصول کے لئے ایک لازمی شرط ہے اور وہ ہے ایک اچھی حکومت جو واضح اور مستحکم سیاسی اداروں پر مبنی ہو اور ان کے ذریعہ سے اپنا کاروبار چلائے۔ حکومت اور سیاسی اداروں کا قیام سیاسی رہنماؤں کا کام ہے۔ گذشتہ کئی سال سے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ادارے بحران کا شکار ہیں اور ہم ان کی صحت مندانہ نشوونما کے لئے مناسب لائحہ عمل مرتب نہیں کر سکتے۔ اس بے عملی اور بے بصری کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ 1971ء کی جنگ کے لئے ہم اخلاقی، ذہنی اور مادی اعتبار سے قطعی طور پر تیار نہ تھے۔ اس افسوسناک صورت حال کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے لیکن اس کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہمارے سیاسی راہنما ہیں۔ اگر ہمارے سیاستدان یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک ایک ایسے باوقار اور آزاد ملک کے طور پر زندہ رہے جیسا کہ مقابلتاً ایک چھوٹا اور غریب ملک اس دنیا میں رہ سکتا ہے تو انہیں انتظام حکومت کو خوش اسلوبی سے چلانے کا تہیہ کرنا ہوگا۔ انہیں اپنے ذاتی اختلافات اور جھگڑے فراموش کرنے ہوں گے۔ انہیں غور کرنا ہوگا کہ ان کی کوتاہ نظری اور خود غرضی سے ملک کو کس قدر ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھیں اور قومی اتحاد اور قوت کی طرف قدم اٹھائیں۔"[1]

ایک مسلم فوجی جنرل محمود شیت خطاب کے نزدیک مسلم عساکر کے لئے کامیابی کا ذریعہ یہ ہے کہ عسکری تربیت میں ملی جذبہ پیدا کیا جائے اور پوری قوم کو مادر وطن کے دفاع کا ذمہ دار بنایا جائے۔ ان کے بقول اس زمانہ کی نئی جنگیں صرف لشکر اور فوج کی جنگیں نہیں رہ گئیں ہیں۔ یہ جنگیں اب اجتماعی رنگ اختیار کر گئی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کے خلاف اپنی ساری قوتوں سے جنگ لڑتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ پوری جماعت اپنی تمام قوتیں، عقلی، ادبی اور مادی جنگ کی خدمت میں صرف کر دے اور یہ طاقتیں آئندہ جنگ کے لئے تمہید بن جائیں۔ جنگ وسیلہ ہے مقصود نہیں۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ پوری قوم کو جنگ کے لئے تیار کیا جائے اور پوری قوم ہر وقت تیاری میں مصروف رہے۔[2]

---

[1] میجر جنرل (ر) فضل مقیم خان، پاکستان کا المیہ 1971ء، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، ص 385-384

[2] محمود شیت خطاب، آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار، شیخ غلام علی، لاہور، ص: 498-496

7- ملکی تعمیر و ترقی میں افواج کا کردار:

پاکستان کی مسلح افواج نے پاکستان کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مسلح افواج ملک میں قومی یک جہتی اور اتحاد کا مظہر ہیں اور انہوں نے ہمیشہ حب الوطنی اور فرض شناسی کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ جن کی کچھ تفصیل یہ ہے:

الف۔ سپاہ کا مادر وطن کی حفاظت کا ولولہ اور قانون کی پاسداری:

آزادی نے پاکستانی سپاہی کے اندر فخر کا یہ ایک نیا جذبہ پیدا کیا کہ وہ بذات خود ملک کی خود مختاری کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ آزادی کے دنوں میں اس کی نئی ذمہ داری نے، یعنی اپنے ہی لوگوں کی عزت اور زندگی کی حفاظت کرنا، اسے حب الوطنی کے اعلیٰ نشے سے سرشار کیا[51] اور اس نے اعلیٰ نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا کیونکہ اسے اس حقیقت کا علم تھا کہ:

"*A soldier con not be a soldier without belief in law, without discipline*"

یعنی ایک سپاہی اس وقت تک سپاہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قانون کی پاسداری اور نظم و ضبط کا پابند نہ ہو۔[52]

اور وہ اس امر کا عہد بھی کر چکا ہے کیونکہ مسلح افواج کے ہر فرد کے لئے آئین کی دفعہ 244 کے تحت حلف اٹھانا لازمی قرار دیا گیا ہے:

حلف وفاداری

"میں ------- صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں خلوص نیت سے پاکستان کا حامی اور وفادار رہوں گا اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی حمایت کروں گا جو عوام کی خواہشات کا مظہر ہے اور یہ کہ میں اپنے آپ کو کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں میں مشغول نہیں کروں گا اور یہ میں قانون کے تقاضوں کے مطابق اور ان کے تحت پاکستان کی بری فوج (یا بحریہ یا فضائیہ) میں پاکستان کی خدمت ایمانداری اور وفاداری کے ساتھ سرانجام دوں گا۔[53]

---

51. Maj Gen Shaukat Riza (R), The Pakistan Army War 1965, Services Book Club, GHQ, Rwp, 1984, p 24

52. Do p 57

53. Constitution of Islamic Republic of Pakistan, Clause 244

ب- مہاجرین کی آباد کاری:

پاکستان کی آزادی کے وقت جب بھارت سے پاکستان منتقل ہونے والے مسلمانوں پر ہندوؤں اور سکھوں نے حملے شروع کر دیئے اور ان کا پاکستان آنا مشکل بنا دیا نیز انہیں لوٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا تو پاکستان کی نو تشکیل شدہ مختصر افواج نے مہاجرین کو بحفاظت لانے اور بعد میں ان کے آباد کرنے میں قابل تعریف مدد دی۔

ج- قدرتی مصائب میں مدد:

جب بھی ملک میں کوئی قدرتی مصیبت یا آفت آئی مثلاً سمندری طوفان، سیلاب یا زلزلہ تو افواج نے اپنے بھائیوں کی بھرپور مدد کی۔

د- سول حکومتوں کی امداد:

جب بھی ملک کی سول حکومتوں کو ہنگامی حالات میں مسلح افواج کی امداد کی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے اپنے فرائض بطریق خوبی سرانجام دیئے۔ ملک کی تاریخ میں تین مرتبہ جب پورے ملک میں سول انتظامیہ ملک کا نظم و نسق احسن طریقے سے چلانے میں ناکام رہی تو مسلح افواج کو ملک کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ انہوں نے ہنگامی حالات سے نمٹنے کے بعد حکومت دوبارہ عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دی۔ اس طرح مقامی طور پر جب بھی امن عامہ کا مسئلہ پیدا ہوا تو افواج نے نہایت دیانتداری سے اپنا فریضہ ادا کیا۔ انتخابات اور مردم شماری جیسے اہم قومی اہمیت کے حامل امور بھی ہمیشہ افواج کی نگرانی میں کئے گئے ہیں یہ عوام کا اپنی افواج پر اعتماد کی علامت ہے۔ 1953ء کے لاہور میں مارشل لاء کے ضمن میں پاکستانی سپاہ کو یوں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ "ایک قومی سپاہ ملک میں مذہبی اور سیاسی برتری کے لئے جاری چپقلش سے بے پرواہ نہیں رہ سکتی۔ ایک پیشہ ور فوج کے لئے بھی مسلسل فرقہ وارانہ باریکیوں میں ملوث رہنا بہت نقصان دہ ہے۔ اس لئے پاکستانی فوج کے لئے یہ ایک دائمی تمغہ ہے کہ اس نے ملک میں قانون کی حکمرانی کو بحال کرنے کے مشن کو ہمیشہ تن دہی سے، بلا خوف و خطر اور بلا امتیاز پورا کیا۔"[1]

ہ- تعمیراتی پروگرام میں حصہ:

ملک کے مختلف علاقوں بلوچستان، آزاد کشمیر، گلگت اور چترال وغیرہ میں سڑکیں، مواصلاتی نظام اور ڈیم تعمیر کئے

1- Maj Gen (R) Shauket Riza, The Pakistan Army War 1965, Services Book Club, GHQ, Rwp 1984, p.51

ہیں۔ قراقرم ہائی وے جو پاکستان کو چین سے ملاتی ہے تعمیر کی گئی ہے۔ دیر سے چترال جانے کے لئے پانچ میل سے زیادہ لمبی سرنگ تعمیر کی جا رہی ہے۔ بلوچستان میں جہاں پانی کی قلت ہے، کچھ ڈیم، ولی تنگی ڈیم اور کیسان ڈیم وغیرہ تعمیر کئے۔ بہت سے کھیت اور باغات لگائے۔ فوجی فاؤنڈیشن کے تحت ملک میں صنعتی ترقی کے لئے اور بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے چینی، کپڑے، چاول، تمباکو آٹے وغیرہ کے بہت سے کارخانے قائم کئے گئے۔ اس طرح سکول اور ہسپتال بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔ ملکی ترقی کے لئے شاہراہ ریشم کی تعمیر میں فوج نے بے شمار جانی قربانی دے کر کام مکمل کیا۔ جن کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

"While constructing Indus Valley Road our Engineers lost one man peromile, a total of 400 men." [۵۸]

آرمی ویلفیئر ٹرسٹ کے تحت ہاؤسنگ سکیمیں، جوتوں اور اون کے کارخانے نیز عسکری بنک اور عسکری لیزنگ وغیرہ جیسے ترقیاتی پراجیکٹ شروع کئے گئے ہیں۔ سول اداروں کو سابقہ فوجیوں کی خدمات مہیا کرنے اور ملکی ترقی کے لئے بہتر افرادی قوت مہیا کرنے کے لئے سیکورٹی سروسز اور ایمپلائنٹ بیورو کی سہولتیں بھی شروع کی گئی ہیں۔ اسی طرح آرمی سپورٹس کنٹرول بورڈ کے ذریعے قومی کھیلوں مثلاً ہاکی، اتھلیٹک، باکسنگ اور سوئمنگ میں بڑھ چڑھ کر خدمات انجام دیں نیز ملٹری اور اسٹڈ فارم کے ذریعے زراعت اور پرورش حیوانات میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

د۔ ذرائع نقل و حمل کی تعمیر:

بری فوج کے ذیلی ادارہ نیشنل ماجسٹک سیل (NLC) نے نقل و حمل کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہے۔ ایمرجنسی کی صورت میں اس نے ایک قابل اعتماد ادارہ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اب اس ادارے نے شاہراہوں کی تعمیر میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔

ذ۔ طبی سہولتوں کی فراہمی:

پاکستانی افواج ناگہانی مصائب و دشوار گذار علاقوں اور حج کے موقع پر سعودی عرب میں ملک کے تمام شہریوں کو طبی سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ زمانہ امن میں چھاؤنیوں کے متعدد ہسپتال فوج کی نگرانی میں چلائے جا رہے ہیں جن میں

---

۵۸ Maj Gen (R) Shaukat Riza, The Pakistan Army War 1965, Services Book Club, GHQ, Rwp 1984, p 31

چھاؤنی کے علاقے کے لوگوں کے لئے ایمرجنسی علاج کی سہولت میسر ہے نیز سویلین بیماروں کے لئے کسی بھی اسپیشلسٹ سے علاج کی سہولت موجود ہے۔

ح۔ تعلیمی میدان میں خدمات:

دوران امن ہر اس شخص کو جو فوج میں بھرتی ہوتا ہے خواہ وہ ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ مزید تعلیم دی جاتی ہے۔ فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد ہر سپاہی ایک اچھا تعلیم یافتہ اور ہنرمند شہری ثابت ہوتا ہے۔ فوج نے ملک میں کئی ایک ممتاز تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں۔ مثلاً نیشنل ڈیفنس کالج، پاکستان ملٹری اکادمی، ملٹری کالج جہلم، ملٹری کالج آف انجینئرنگ، کالج آف آرمی ایجوکیشن، ای ایم ای کالج، ملٹری کالج آف سگنلز، آرمڈ فورسز میڈیکل کالج وغیرہ۔ فوج کی مدد سے ملک میں کئی کیڈٹ کالج اور ملک کے دور دراز علاقوں میں کئی سکول قائم ہوئے۔ اس کے علاوہ فوج تقریباً 200 فیڈرل گورنمنٹ سکولوں اور کالجوں کا انتظام چلا رہی ہے جس کا سلیبس پورے ملک میں یکساں ہے اور معیار بلند ہے۔ ان اداروں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے علاوہ ہر چھاؤنی میں آرمی پبلک سکول اور کالج بنائے جا رہے ہیں جن کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ کالج آف آرمی ایجوکیشن سے ہر سال سینکڑوں اساتذہ پی ٹی سی۔ سی ٹی۔ بی ایڈ اور ایم ایڈ کرتے ہیں۔ یہ تمام اساتذہ نہ صرف چھاؤنیوں میں تعلیم کو عام کرنے میں معاون ہوتے ہیں بلکہ ریٹائرمنٹ کے بعد سول اداروں میں اساتذہ کی اور پرنسپل کی ذمہ داریاں ادا کر کے معاشرے کی تعلیمی ترقی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اسی طرح تمام ریٹائر ہونے والے افسران اور جوان افواج میں سیکھے ہوئے ہنر کی بنا پر معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے رہتے ہیں۔

پس مسلم افواج نے ہمیشہ جنگ اور امن ہر دور میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے ہیں۔

8۔ عساکر پاکستان کی بیرون ملک خدمات کے ثمرات:

برادر اسلامی ممالک کے ساتھ عمدہ تعلقات استوار کرنے اور ان کے ساتھ مشترکہ فوجی تربیت حاصل کرنے کی غرض سے کثیر تعداد میں پاکستانی سپاہ کو بیرون ملک بھیجا گیا۔ مثلاً متحدہ عرب امارات، کویت، لیبیا اور سعودی عرب میں طویل عرصہ تک پاکستانی افواج اس خدمت پر مامور رہیں۔ عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب میں خاصی تعداد میں پاکستانی

سپاہ کے قیام کی وجہ سے نہ صرف اسلامی اخوت اور محبت میں اضافہ ہوا بلکہ وہاں کے جدید اسلحہ پر ٹریننگ کے مواقع بھی میسر آئے اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی معیشت کو بھی مدد ملی۔ دینی اعتبار سے افواج پاکستان کو بیرون ملک قیام سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہاں فراغت نسبتاً زیادہ تھی اور دیگر مشاغل نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ وقت مساجد میں گزرا جہاں یونٹ کے دینی معلم کو درس قرآن کے ذریعے سپاہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کا وافر موقع میسر آگیا۔ بالخصوص سعودی عرب میں قیام کے دوران حرمین شریفین کی زیارت اور امت مسلمہ سے میل جول سے نہ صرف عقائد کی اصلاح ہوئی بلکہ اعمال صالحہ کے اختیار کرنے میں بھی ترقی حاصل ہوئی۔ اقوام متحدہ کے زیر انتظام قیام امن کے مقاصد کے لئے پاکستانی سپاہ کو کمبوڈیا، صومالیہ، بوسنیا اور سلوانیا جیسے ممالک میں تعین کیا گیا جس سے پاکستانی سپاہ کے انسانی ہمدردی کے مقاصد کو جلا ملی اور اقوام عالم میں پاکستان کی عزت میں اضافہ ہوا نیز سپاہ کو بین الاقوامی حالات کا بہت اندازہ ہو گیا۔

فصل سوم ---- شعبہ ہائے دینی امور کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کے ثمرات ونتائج

عساکر پاکستان کے تینوں حصوں یعنی بری، بحری اور فضائی افواج کے شعبہ ہائے دینی تعلیمات نے 1977ء کے بعد دینی و نظریاتی تربیت کے نظام کو منظم کرنے کے لئے ہدایت نامے جاری کئے۔ عمومی طور پر ان ہدایت ناموں کی روح اور شکل ایک ہی طرح کی رہی البتہ بری فوج نے بوجوہ زیادہ مفصل احکام جاری کئے۔ ان ہدایات کی روشنی میں سپاہ کے چھوٹے سے گروپ سے لے کر اعلیٰ سطح تک اپنے اپنے مقام پر اور اپنے اپنے وقت پر منصوبہ بندی ہونے لگی اور بر وقت اور موثر تربیت کا انتظام بھی ہونے لگا۔

افواج پاکستان میں دینی تربیت کے لئے جاری کردہ ہدایات کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ایک عسکری ادارے نے نجی نوعیت کا سروے کیا۔ آئندہ آنے والی تفاصیل زیادہ تر اس سروے رپورٹ سے لی گئی ہیں۔[1]

---

[1] College of Army Education, Murree, Study Report. 1993, Trends of Religious Attitudes and Practices in the Army from 1976 to 1992

1- قائدین کی دینی تربیت کے مثبت نتائج:

شعبہ ہائے دینی امور کی طرف سے کئے گئے اقدامات کی وجہ سے مجموعی طور پر سپاہ کی منظم تربیتی کاوش کے ساتھ ساتھ مختلف سطح کے قائدین کی دینی تربیت کا ایک جامع نظام وجود میں آیا اور عساکر کا جزو لاینفک بن گیا۔ افواج میں احکامات پر عمل در آمد کے لئے بنیادی ذمہ داری قائدین اور افسران پر ہے اس لئے جی ایچ کیو نے افسران کی اعلیٰ دینی تربیت کے لئے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی دعوۃ اکیڈمی کے تحت کورسز کا اہتمام کیا اس کی افادیت کا اندازہ دعوۃ اکیڈمی کی طرف سے مرتب کردہ اس کورس کے سلیبس سے ہی ہو جاتا ہے بہرحال مزید جو بہتر نتائج مرتب ہوئے ان کی تفصیل یوں ہے:

الف۔ افسران کو ایک عالمی شہرت کے حامل ادارے میں دینی تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس سے ان کو وسعت نظر اور وسعت قلب میسر ہوئی۔

ب۔ افسران کو یکسوئی سے ایک مناسب ماحول میں دینی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ باہم مل بیٹھ کر ایک دوسرے سے استفادہ کرنے اور باہم فکر و عمل کو آگے بڑھانے کا موقع ملا۔

ج۔ یونیورسٹی کے فاضل اساتذہ اور مہمان مقررین کی عالمانہ تقاریر اور مواعظ و نصائح سے افسران کے دینی علم میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور عمل کا شوق بڑھا۔

د۔ فوج کے مختلف اداروں کی طرف سے افسران کو ہر سال اس کورس کے لئے فارغ کرنے والے سپہ سالاران کے دل میں بھی دین کی عظمت بڑھتی رہی۔

ہ۔ یہ کورس کرنے والے افسران جوں جوں کمانڈرز بنتے چلے جا رہے ہیں اپنے عساکر کو بخوشی اس قسم کے کورسز کے لئے فارغ کرنے میں معاون ہوتے جا رہے ہیں۔

ز۔ افسران کی اعلیٰ دینی اور عربی زبان کی تعلیم کے لئے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور امریکن یونیورسٹی قاہرہ مصر میں مستقل نشستوں کے حصول کا انتظام ہوا۔ جس سے افسران کو بین الاقوامی سطح پر دینی تربیت کے مواقع ملے نیز اخوت اسلامی میں اضافہ ہوا۔

2- کیڈٹس پر عربی زبان اور علوم اسلامیہ کی لازمی تعلیم کے مثبت اثرات:

ملٹری اکیڈمی کاکول میں پہلے صرف انگریزی زبان، سائنس یا عمرانی مضامین اور عسکری مضامین کی تدریس کی جاتی تھی- 1977ء سے عربی لغت اور اسلامی تعلیمات کو لازمی قرار دینے سے مثبت نتائج مرتب ہوئے مثلاً:

الف- بعض اختیاری مضامین کے مقابلہ میں ان دونوں کو لازمی قرار دینے سے گویا دین کی اہمیت کیڈٹس کے ذہنوں میں اجاگر ہوئی اور ان کی فکر کا رخ سرزمین حجاز کی طرف ہونے لگا-

ب- مغربی تہذیب سے شناسائی اور ترویج کے ماحول میں اسلامی تہذیب کو سمجھنے اور ان کے باہم تقابل کا موقع ملا-

ج- زیر تربیت افسران کے لئے فراہم کردہ یہ بنیاد ان کی عسکری زندگی میں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے معاون بنی-

د- ان علوم کے پڑھانے والے فاضل اساتذہ سے گفت و شنید، ذاتی تعلقات اور ان میں سے اکثر کی دینی زندگی کا مشاہدہ کرنے سے افواج پاکستان کے مستقبل کے قائدین کو دین سے قرب نصیب ہوا-

3- کالج آف آرمی ایجوکیشن میں سردار صاحبان کی دینی تربیت کے نتائج:

سردار صاحبان، سپاہ اور افسران کے درمیان ایک مضبوط رابطہ کا کام کرتے ہیں- ان کا چناؤ اور ترقی سپاہ کے اندر سے ہی ہوتا ہے- البتہ اپنی قائدانہ صلاحیتوں کی بنیاد پر یہ لوگ اوپر آتے رہتے ہیں-

اس طبقہ کی دینی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کے واضح اثرات مرتب ہوئے- سردار صاحبان کا سپاہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے- کیونکہ جوانوں میں سے ہی ترقی پاکر یہ سرداری کے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں- 1977ء سے ریکروٹ سنٹروں میں ہی تربیت پانے والے جوانوں کی دینی تعلیمات کا انتظام کر دیا گیا- جب کہ سرداری کے مراتب پر مامورین کی دینی تربیت کا ایک موثر نظام کالج آف آرمی ایجوکیشن میں کیا گیا جس کا کافی حد تک اندازہ متعلقہ نصاب سے ہو جاتا ہے- دوران تربیت سردار صاحبان کو ضروری تعلیمات ازبر کرانے کے علاوہ ان کو امامت کی باقاعدہ عملی مشق کرائی گئی اس سے نماز باجماعت کو عام رواج ملا- نیز جنگی مشقوں کے دوران مختلف ٹکڑیوں

میں تعیناتی کی صورت میں جا بجا نماز باجماعت کا سہل نظام وجود میں آیا۔ اور یوں عساکر پاکستان میں امامت کی جھجک دور کرنے میں کافی مدد ملی۔

4- دینی معلمین کی تقرری اور تربیت کے ثمرات:

الف۔ دینی معلمین کی انتظامی اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو ابھار کرنے کے لئے کالج آف آرمی ایجوکیشن اپر ٹوپہ مری میں عسکری نوعیت کی تربیت کے لئے کورسز چلائے گئے نیز دعوۃ اکیڈمی اور فارمیشنوں میں قرات، امامت اور خطابت جیسی پیشہ ورانہ تربیت کا دائمی سلسلہ جاری کیا گیا اس سے سپاہ کے اندر شب و روز ایک دینی تربیتی فضا قائم کرنے میں بڑی مدد ملی۔ بری فوج میں کم و بیش ایک ہزار ایسے علماء کو شامل کیا گیا جو مدارس سے فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کی مروجہ تعلیم کی سند بھی رکھتے ہیں۔ مختلف نقطہ ہائے نظر کے علماء کو باہم مل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ اس سے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے اور برداشت کرنے کی تربیت ہوئی اور سپاہ میں باہمی الفت و بھائی چارہ نے فروغ پایا۔

ج۔ ایک ہزار سے زائد علماء کرام کے ورود اور بیسیوں فاضل درس نظامی ارکان کا بحیثیت مشیر دینی امور تقرری سے دین پر عمل کرنے والی ایک کثیر تعداد افواج میں نظر آنے لگی۔

د۔ سپہ سالاران کو دینی راہنمائی کے لئے فاضل اور قابل افراد کی خدمات مل گئیں۔

ھ۔ دینی تعلیمات، درس قرآن و حدیث اور مواعظ جمعہ و عیدین کا معیار بلند ہوا نیز سپاہ کی دینی اور نظریاتی تربیت کے وافر اور سہل مواقع میسر ہوئے۔ ان حضرات سے استفادہ کرنے والے عساکر کی روز افزوں تعداد نے افواج کے مجموعی ماحول کو کافی حد تک دینی بنایا۔ اور عساکر کی ایک معقول تعداد نے بچوں کو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے فارغ کیا۔

5- چھاؤنیوں میں مساجد کی آبادی اور تعمیر کے اثرات:

ایمان کے بعد اعمال صالحہ سے نماز کو دین اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ 1977ء میں شعبہ دینی امور کے قیام کے ساتھ ہی نماز کی پابندی بالخصوص یونٹوں اور دفاتر میں نماز ظہر کو باجماعت ادا کرنے کی ہدایات جاری ہوئیں۔

پاکستان بننے سے پہلے افواج پاکستان کی چھاؤنیوں اور کیمپوں میں ایک آدھ مرکزی مسجد کا رواج تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اس میں کچھ اضافہ ہوا مگر 1976ء کے بعد افواج میں دینی رجحان بڑھنے کے نتیجہ میں مساجد کی تعمیر میں نمایاں پیش رفت ہوئی۔ نہ صرف یہ کہ مرکزی جگہوں پر بڑی بڑی اور خوبصورت مساجد کی تعمیر نے جنم لیا بلکہ جا بجا مساجد کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ عسکری تربیتی اداروں اور ہیڈ کوارٹرز میں نمایاں جگہوں پر مساجد کی تعمیر کی گئی' نیز افسروں کے رہائشی علاقوں اور آفیسروں کی میسوں میں مساجد نے جگہ لی جبکہ پہلے ایسا نہ تھا۔ پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول نے افسران' کیڈٹوں اور جوانوں کے لئے کئی ایک مساجد تعمیر کرائیں جس سے اس مرکزی تربیتی ادارے میں دینی ماحول پیدا کرنے میں بڑی مدد ملی۔

ایک سروے کے مطابق نمازیوں کی تعداد میں بتدریج اور معقول اضافہ ہوا۔ بالخصوص نماز ظہر کو باجماعت ادا کرنے کا رواج پڑا جس میں افسران اور سپاہ کو باہم اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کا موقع ملا۔

مساجد کے اندر لائبریریاں کھولی گئیں تاکہ نمازیوں کو دینی کتب سہولت سے میسر ہوں جن سے عساکر بھی اور ان کے نوجوان بچے بھی' جو بعد میں عساکر کا روپ دھارنے والے ہیں مسلسل استفادہ کر رہے ہیں۔

6۔ علوم اسلامیہ اور قرآنی تعلیم کو رواج دینے کے نتائج:

افواج کا اپنا نظام تعلیم ہے۔ خصوصاً بری فوج میں پرائمری کی سطح سے گریجویشن تک کے انتظامات ہیں۔ 1973ء تک علوم اسلامیہ کا مضمون نصاب میں شامل نہ تھا۔ 1974ء سے اس مضمون کو نصاب میں شامل کرنے کی ابتداء ہوئی تو 1991ء تک تعلیمی نوعیت کے اور پیشہ ورانہ ترقی کے تمام امتحانات میں اسلامی علوم کے حصول کو لازمی قرار دیا جا چکا تھا۔ یوں ریکروٹ آفیسر تک تمام طبقوں کو دین اسلام سے مکمل شناسائی کا موقع ملا۔ مختلف طبقات کی آپس کی بیگانگی کم ہوئی اور ایک دوسرے کے احساسات کا بہتر انداز میں خیال رکھا جانے لگا۔

اسلامی تعلیمات کو عساکر کے تمام تربیتی اداروں اور مراحل میں لازمی قرار دینے سے کثیر تعداد میں ان علوم کے حامل اساتذہ کو افواج میں آنے کا موقع ملا۔ نیز ایک کثیر تعداد نے دوران ملازمت اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی۔ ایک اندازے کے مطابق ایسے فاضل اساتذہ کی تعداد آفیسرز کے طبقے میں ایک سو اور سردار صاحبان کے طبقے میں ڈیڑھ سو تک جا

پہنچی۔

افواج پاکستان میں دینی تعلیم کے لئے ہمیشہ قرآن مجید کو ہی بنیاد بنایا گیا۔ اس طرف رغبت دلانے کے لئے افواج میں مقابلہ حسن قرات و حفظ کا انتظام کیا گیا۔ ہر سال ہر سطح پر ایسے مقابلے میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو دیگر انعامات کے علاوہ حج کی سعادت کا موقع دیا گیا۔ ان اقدامات سے عساکر میں تجوید و قرات کی طرف رغبت بڑھی اور بحیثیت مجموعی قرآن مجید سیکھنے اور اس کی طرف لگاؤ میں خوب اضافہ ہوا۔ سالانہ مقابلوں سے تجوید و قرات کے کورسز میں ہزاروں عساکر نے حصہ لے کر قرآن مجید کے ساتھ اپنے تعلق کو پختہ کیا۔

اس کے ساتھ عربی لغت کی تدریس کے لئے ہر چھاؤنی میں کورسز کا اہتمام کیا گیا۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد اور عریبک پروموشن سوسائٹی کراچی سے فارغ التحصیل افسران اور سردار صاحبان نے سینکڑوں افراد کو عربی زبان سکھائی۔ سعودی عرب جانے والے عساکر کو بالاہتمام عربی لغت سکھائی گئی جس سے عساکر کے لئے قرآن فہمی میں بڑی آسانی ہوئی۔

عمومی طور پر قرات و حفظ کے مقابلوں کی تقریبات ہر سال منعقد کرنے کے یہ مثبت نتائج نکلے کہ ہر چھوٹی بڑی یونٹ میں تجوید و قرات کی تقاریب منعقد ہونے لگیں اور کلام اللہ کے پڑھنے پڑھانے کی عمومی فضا بنتی چلی گئی اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی تعلیمات کے سمجھنے سے دین پر عمل کی نئی راہیں کھلتی چلی گئیں۔

7۔ اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے اثرات:

سپاہ کے اندر قرآنی اور دینی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے مختلف شعبوں نے مختلف جہتوں میں کام کیا۔ آرمی کے شعبہ دینی امور نے مرکزی کردار ادا کیا جبکہ آرمی ایجوکیشن پریس اور آرمی سروسز کلب نے اپنی اپنی جگہ ایسا مواد چھاپا اور سپاہ کو مہیا کیا کہ اس سے انہیں دین کی معرفت ملی اور عمل میں پیش رفت ہوئی۔ ان مثبت نتائج کا اندازہ کتب اور دیگر علمی مواد سے ہو جاتا ہے جو مختلف شعبوں نے طبع کرایا۔ آرمی کے شعبہ دینی تعلیمات نے مندرجہ ذیل مواد تقسیم کیا:

الف۔ اللغۃ العربیۃ:

سپاہ میں عربی زبان کی ترویج کے لئے تین کتابیں چھاپی گئیں۔ المحادثۃ العربیہ، تدریس اللغۃ العربیہ اور دلیل اللغۃ العربیہ ان کتب میں عساکر کی ضرورت کا خاص خیال رکھا گیا۔

ب۔ قرآن:

قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے خلاصہ مفہوم قرآن، قرآن مجید مع انگریزی ترجمہ اور آڈیو کیسٹ برائے تجوید و ترجمہ کا اہتمام کیا گیا۔

ج۔ جہاد:

جہاد کے موضوع پر کئی کتابیں چھاپ کر مہیا کی گئیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دفاع اور جنگی تیاری کا اسلامی تصور، غازی و شہید، آئین سرفروشی وغیرہ۔ اس کے علاوہ جہاد کی فضیلت اور دعاؤں پر مشتمل جیبی سائز کی کتاب ہر جوان کو مہیا کی گئی جس سے انہوں نے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا۔

د۔ نظریاتی تربیت:

سپاہ کی نظریاتی تربیت کے لئے کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان طبع کرائی گئیں نیز اسلامی سپاہ کے لئے اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات و فرمودات بالخصوص خطبہ حجۃ الوداع پر مشتمل کتبات و چارٹ تقسیم کئے گئے جنہیں نمایاں جگہوں پر آویزاں کیا گیا جس سے چلتے پھرتے سپاہ کی نظریاتی تربیت میں مدد ملی۔

ہ۔ علماء کے لئے مواد:

علماء کی راہنمائی کے لئے شعبہ دینی تعلیمات نے گاہے گاہے ہدایات جاری کرنے کے علاوہ خطبات عسکر اور نشان منزل کے عنوان سے تقاریر و مواعظ کے لئے مواد مہیا کیا گیا جس سے انہیں سپاہ کی تعلیم و تربیت میں بڑی مدد ملی۔

و۔ عمومی تعلیمات:

عساکر کی عمومی تعلیم کے لئے متفرق کتب طبع کرا کے یونٹوں میں تقسیم کی گئیں مثلاً حج و عمرہ، اسلامی تعلیمات I، II، اسلام کا ضابطہ اخلاق، اسلام کا نظام حیات، خطبات علماء اسلام پر مبنی ویڈیو کیسٹ، اسلامی تعلیمات پر مبنی دعوۃ اکیڈمی کے

جاری کردہ پمفلٹ اور متفرق عنوانات پر مشتمل صدیقی ٹرسٹ کے مہیا کردہ پمفلٹ۔

ز۔ افسران کی تربیت کے لئے دینی کتب:

آرمی بک کلب نے نظامت تعلیم کے تحت افسران کی تربیت کے لئے جہاں انہیں ہر سہ ماہی میں دیگر پیشہ ورانہ کتب مہیا کیں وہاں انہوں نے دینی اور نظریاتی تربیت کے لئے تفہیم القرآن کا سیٹ، سیرت النبی کا سیٹ، ٹیپو سلطان شہید اور پاکستان آرمی کی تاریخ و کارکردگی پر مشتمل کئی کتابیں مہیا کیں۔

8- فضائیہ کی طرف سے شائع کردہ تربیتی مواد:

فضائیہ کے شعبہ موٹیویشن اور دینی امور نے مختلف موضوعات پر مواد جاری کیا۔ مثلاً خطبات فضائیہ دو جلدیں، فضائل رمضان، مناسک حج، صدقہ فطر، فہرست خطبات جمعہ مع اشارات اور دینی اور نظریاتی تربیت کے لئے کتابچے۔

9- پاک بحریہ کی طرف سے جاری کردہ تربیتی مواد:

بحریہ کے شعبہ دینی امور نے بھی کتب طبع کرا کے تقسیم کیں مثلاً اقبال اور قرآن، قائداعظم، درس قرآن (پمفلٹ کی شکل میں) اور سرور کائنات ﷺ کی جنگی حکمت عملی موجودہ حالات کی روشنی میں۔

10- حج و عمرہ کے وفود کی برکات:

افواج پاکستان نے موسم حج میں بالخصوص ہر سال اور دوران سال جو گاہے گاہے عمرہ کے حرمین شریفین کی طرف وفود تشکیل دیئے اس سے ہزاروں جنود اور ان کے اعزاء و اقارب کو اس پاک سرزمین پر جانے کی سعادت ملی۔ دوران سفران وفود کی دینی تعلیمات و تربیت کا مستقل انتظام کیا گیا۔ جس سے حج و عمرہ کی مقصدیت کو مزید تقویت ملی اور وہاں جا کر عساکر نے اپنے دینی اور ملی عہد کی تجدید کی۔ یہ سلسلہ چونکہ مستقل بنیادوں پر چل رہا ہے اس لئے اس سے برکات حاصل کرنے والے افراد کی تعداد روز افزوں ہے اور معاشرہ اور فوجی ماحول پر اپنے روحانی اثرات مرتب کر رہا ہے۔ خلیج کی جنگ سے قبل یہ قافلے ایران، ترکی اور عراق جیسے برادر اسلامی ممالک سے ہو کر جاتے تھے۔ اس سے ان برادر ملکوں سے باہمی روابط میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ دینی اور نظریاتی اعتبار سے وسعت نظری آتی رہی۔

حکومتی سطح پر سعودی عرب سے برادرانہ تعلقات بڑھانے اور افواج پاکستان کے ہزاروں ارکان کو دیار

حبیب ﷺ بھیجنے کی وجہ سے نہ صرف عقائد میں پختگی آئی بلکہ اعمال میں بھی پابندی آئی۔ اس طرح بننے والے دینی مزاج کی جھلک سپاہ کی روزمرہ زندگی میں نظر آنے لگی۔

11- سعودی عرب میں مبعوث کردہ سپاہ پر دین دارانہ ثمرات:

1976ء سے عساکر پاکستان کو برادر اسلامی ملک سعودی عرب میں عسکری میدان میں باہمی تربیت، برادرانہ تعلقات میں اضافہ اور میزبان ملک میں باہمی رضامندی سے طے پانے والی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے مبعوث کیا جانے لگا۔ پچھلے بیس برسوں میں اس سعادت کو حاصل کرنے والوں کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل مثبت نتائج مرتب ہوئے:

عساکر کی کثیر تعداد کو مفرد زندگی گذارنی پڑی لہذا توفیر اوقات کے سبب ترجمہ قرآن اور دیگر دینی علوم کے حصول کے وافر مواقع ملے۔ اکثر افراد نے قرآن مجید کو ایک دفعہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھ لیا۔

ب- ان مبعوثین نے نہ صرف خود بلکہ والدین اور اہل و عیال کو بھی حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بلایا۔ یوں عساکر کا اپنا دین پختہ ہوتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ ماحول بھی دینی فضا سے آراستہ ہوتا رہا۔

ج- سعودی عرب میں قیام کے دوران وہاں کی دینی فضا نے عساکر کے عقائد و نظریات کو جلا بخشی، نمازوں کی پابندی میں معاون بنی اور دیگر دینی معاشرتی قدروں کو اختیار کرنے میں ممد ثابت ہوئی۔ بے شمار افراد اور خاندانوں کی زندگیوں کے رخ بدلے۔ توحید کا عقیدہ راسخ ہوا۔ جس سے وہ افواج میں اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے ادا کرنے لگے۔

12- بری فوج میں دینی تجدید کورسز کے نتائج:

افسران، سردار صاحبان اور عساکر کے لئے مختصر دورانیے مثلاً دو، تین یا چار ہفتے کے جو تجدیدی کورسز چلائے گئے انہوں نے دینی جذبات کو جلا دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کورسز کو فوجی تربیت کے دیگر مستقل کورسز کی نہج پر چلایا گیا اس لئے پہلے سے رو بہ عمل فعال عسکری تربیتی نظام نے اس کاوش کو مزید موثر بنا دیا۔ اگر صرف ان افراد کو ہی لیا جائے جنہوں نے چند سالوں میں یہ تربیت حاصل کی تو ان کی تعداد ہزاروں تک چلی گئی۔

ان کورسز سے سپاہ کے اندر نہ صرف دینی تعلیمات کی عظمت اجاگر ہوئی بلکہ عسکری کے سامنے دینی میدان میں اپنی کمزوریاں بھی ابھر کر آئیں۔ جس سے ان کے اندر دینی تعلیمات کے حصول کا مستقل جذبہ پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ ایسے جنود کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جنہوں نے اپنی یونٹوں اور فارمیشنوں میں مختلف دورانیے کے دینی تربیتی کورسوں میں حصہ لیا۔ ان کی اس تربیت سے مجموعی طور پر افواج میں دینی فضا بنتی چلی گئی۔ دین کے سیکھنے کی طرف رغبت بڑھی۔ نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور دینی رنگ چڑھنے لگا۔ کالج آف آرمی ایجوکیشن پر ٹوپہ مری میں آٹھ ہفتے کے دورانیے کے دینی تربیتی کورس کا اہتمام کیا گیا جہاں امامت کی عملی مشق کرائی گئی اور یوں سپاہ کو گمٹریوں میں ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے باجماعت نماز کی سہولت میسر ہوتی چلی گئی۔

13۔ فضائیہ میں دینی پیش رفت:

1965ء کی جنگ کے بعد فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل نور خان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ہوا بازوں اور ائیر مینوں کی دینی تربیت کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔ نیز یہ کہ اس کی منصوبہ بندی کرنے کیلئے ایک اہل آفیسر کی ضرورت ہے۔ کافی سوچ و بچار کے بعد 1966ء میں انہوں نے ملک کے نامور بزرگان دین مثلاً مولانا احتشام الحق تھانوی، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا حامد حسن بلگرامی اور ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب کو الگ الگ خطوط لکھے کہ وہ اس کام کی سرانجام دہی کیلئے نام تجویز کریں۔ سب نے اپنے اپنے آدمی تجویز کئے۔ انہیں ائیر ہیڈ کوارٹر میں بلایا گیا اور ایئر مارشل نور خان صاحب نے خود ان کا انٹرویو لیا مگر ان کی تسلی نہ ہوئی۔

فضائیہ میں دینی امور کو منظم کرنے کیلئے ایک نئی پوسٹ کی منظوری دی گئی جس کا نام Assistant Director Education for Religious Affairs رکھا گیا۔ مارچ 1967ء میں اس پر تقرری کرنے کیلئے اخبار میں اشتہار دیا گیا اور ایسے احباب طلب کئے گئے جو بیک وقت دینی اور دنیاوی علوم پر یکساں دسترس رکھتے ہوں پانچ فاضل امیدوار انتخاب کے آخری مرحلہ تک پہنچے۔ فائنل انٹرویو ائیر مارشل صاحب نے خود لیا اور ڈاکٹر فدا محمد صاحب جو آج کل شریعت

کورٹ کے جج ہیں جو بعد میں ونگ کمانڈر کے عہدے پر پہنچے اس اہم کام کیلئے منتخب ہوئے۔ ان کی تقرری بطور فلائٹ لیفٹیننٹ کی گئی اور دینی امور کیلئے لائحہ عمل تیار کرنے کیلئے کہا گیا چنانچہ ابتدا میں ہر مرکز کے لئے وارنٹ آفیسر کے عہدہ کے برابر ایک خطیب کا تقرر کیا گیا بعد میں ہر مسجد کیلئے ایک خطیب کر دیا گیا جبکہ 1977ء میں فلائٹ لیفٹیننٹ اور فلائنگ آفیسر کے عہدہ کے افسران بھی ہر مرکز پر متعین کردیئے گے۔

1968ء میں ائیر فورس کی تقریب اعطائے علم (Colour Presentation) منعقد ہوئی۔ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے فضائیہ کو پرچم عطا کیا۔ اس تقریب میں شعبہ دینی امور کے ڈپٹی ڈائریکٹر فدا محمد صاحب نے موقع محل کی مناسبت سے ایسی جامع دعا کروائی کہ تمام بالا آفیسرز نے اسے سراہا اور یوں اس شعبہ کی کارکردگی پہلی بار منظر عام پر آئی۔ 1977ء میں اس شعبہ کا درجہ بڑھا کر (Directorate of motivation and Religious Affairs) کردیا گیا۔ گویا فضائیہ میں دینی شعبہ نے 1968ء میں ہی باقاعدہ کام شروع کردیا اور ائیر مارشل نور خان کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے اس شعبہ کو پہلے دن سے ہی مضبوط بنیادوں پر استوار کردیا گیا تھا۔

فضائیہ کے ایک ایجوکیشن آفیسر انعام الحق صاحب نے جو بعد میں ائیر کموڈور کے عہدہ پر پہنچے دینی تعلیمات کی پیش رفت کیلئے خاصا کام کیا۔ 1965ء سے 1975ء تک انہوں نے مختلف نوعیت کا لٹریچر فضائیہ کے مراکز کو مہیا کیا بلکہ موٹیویشن لیکچرز کی شکل میں دینی اور نظریاتی تربیت کے لئے مستقل کام کیا۔ ائیر فورس میں پیشہ ورانہ تقاضوں کے تحت انگریزی زبان کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے انکی دینی تربیت خصوصاً پائلٹوں اور افسروں کے بہتر استفادہ کے لئے انگریزی زبان میں مواد جاری کیا۔ ائیر کموڈور انعام الحق کی سرپرستی میں فضائیہ کے ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ نے کچھ پمفلٹ بھی جاری کئے مثلاً

1. A pamphlet on " Islam in Practical Life" of 160 pages.
2. A pamphlet on "Character Building" of 80 pages containing 13 chapters on virtues of Islam.
3. A pamphlet on "Prayers - The Key to Success" of 50 pages.

جولائی 1975ء میں انہوں نے فضائیہ کے ایجوکیشن ڈائریکٹر کی حیثیت میں چالیس صفحات پر مشتمل

ایک جامع کتاب 'Motivation in Peace and War' کے عنوان سے طبع کر کے سے تقسیم کیا نیز اس تمام مواد کی نقول بری اور بحری افواج کو بھی بھجوئیں۔

1976 ء میں انہیں جوائنٹ اسٹاف ہیڈ کوارٹر میں ڈائریکٹر موٹیویشن کے طور پر متعین کیا گیا جہاں انہوں نے تینوں افواج کے لئے اس میدان میں کام کیا۔ اس ذیل میں "فوج پاکستان میں موٹیویشن" کے عنوان پر تین روزہ سیمینار مورخہ 26 سے 29 نومبر 1976ء ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نہوں نے اپنی سروس کے دوران دیئے ہوئے لیکچرز کو ایک کتابی شکل میں 'Islamic Motivation and National Defence' کے نام سے کٹھا کر دیا جسے Vanguard لاہور نے 1991ء میں طبع کیا۔ یہ کتاب مسلح افواج میں اس میدان میں راہنمائی کے لئے اہم مقام رکھتی ہے۔

فضائیہ کے شعبہ دینی امور کے ایک آفیسر اسکواڈرن لیڈر ڈاکٹر محمد یونس نے تراویح سے قبل متعلقہ تلاوت کا اختصار سے ترجمہ و خلاصہ کلام پاک پیش کرنے کے لئے "قرآن حکیم منزل بہ منزل" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔

ان ساری کاوشوں نے مجموعی طور پر تینوں افواج میں اور بالخصوص فضائیہ میں دیر پا اثرات مرتب کئے۔

خلاصہ:

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ خذ کیا جاسکتا ہے کہ افواج پاکستان آزادی وطن سے ہی دینی تربیت کی اہمیت سے آگاہ تھیں۔ البتہ 1968ء تک اس کی دیکھ بھال کے لئے کوئی منظم ترتیب نہ تھی۔ دینی تربیت کو منظم بنیادوں پر کھڑا کرنے کا رجحان 1968ء میں آیا۔ س رخ پر مثبت پیش رفت ہوتی رہی حتی کہ 1977ء میں اسے حتمی شکل دی گئی۔ جب ایک باقاعدہ تنظیم وجود میں لائی گئی جس کے ذمہ افواج کے تمام طبقوں کی دینی تربیت کا نظام دیا گیا۔ اس رجحان نے رفتہ رفتہ مزید مثبت رویوں کو جنم دیا اور دینی علوم و عمل میں تدریجاً اضافہ ہوتا چلا گیا۔

باب پنجم

افواج پاکستان کے دینی اور نظریاتی نظام تربیت کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز

ابتدائیہ:

گزشتہ ابواب کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ افواج پاکستان کو شروع دن سے ہی دینی و نظریاتی نظام تربیت کے نقطہ نظر سے مناسب بنیادیں میسر رہی ہیں اور مرحلہ وار اس سمت میں پیش رفت عمل میں آتی رہی ہے۔ جس کی وجہ سے عساکر کے اندر نہ صرف دینی اقدار کو فروغ ملا بلکہ پاکستانی سپاہ کے جذبہ جہاد کو بھی تقویت ملتی رہی ہے۔ البتہ یہ حقیقت بھی مطالعہ کے بعد سامنے آئی ہے کہ کچھ عوامل ایسے ہیں جو عساکر کے جذبہ جہاد کو مضبوط کرتے ہیں اور اس میں قوت اور تیزی کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ عوامل ایسے بھی ہیں جن کی بدولت اس جذبے میں کمی آجاتی ہے۔ قائد کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ پیش آمدہ حالات کے پیش نظر وہ کیا طریقہ اختیار کرے جس سے مسلم سپاہ کے جذبہ جہاد میں شدت برقرار رہے اور اس جذبہ کو کمزور کرنے والے عوامل سے بھی بچا جا سکے۔ جذبہ جہاد سے سرشار فوجیوں کو میدان جنگ میں کامیابی سے استعمال کرنا قائد کے لئے ایک اہم کام ہے مگر اس جذبہ سے عاری افراد کو دشمن کے مقابلے میں لانا اور مطلوبہ نتائج حاصل کرنا اس سے بھی زیادہ اہم اور مشکل کام ہے[1]۔

اس باب میں افواج پاکستان کی راہنمائی کے لئے ان دو قسم کے عوامل کا علیحدہ علیحدہ مطالعہ کیا جائے گا اور ایسی تجاویز پیش کی جائیں گی۔ جن کی روشنی میں عساکر پاکستان کے مروجہ نظام میں بہتری لائی جا سکتی ہے تاکہ افواج پاکستان کے لئے اپنے ہدف کو حاصل کرنا مزید سہل ہو جائے۔

---

[1] پاک فوج کے شعبہ امور سے تعلق رکھنے والے بریگیڈیئر گل نواز صاحب نے اس سے ملتے جلتے عنوان "اسلام میں عسکری جذبہ محرکہ کا تصور" پر کچھ تحقیق کی ہے۔ اس باب میں تجویز کردہ لائحہ عمل کیلئے ان کے مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے۔

فصل اول --- جذبہ جہاد کو تقویت دینے والے عوامل

وہ عوامل جو ایک مجاہد کے جذبہ جہاد کو تقویت دیتے ہیں اور جن سے افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کے لئے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

1- ایمان کی پختگی:

دینی تعلیمات کا اولین مقصد انسانوں کے قلوب میں اللہ کی عظمت کو راسخ کرنا ہے۔ جن دلوں میں اللہ کی عظمت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ وہ غیر اللہ کے خوف سے قطعی بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے سے کہیں زیادہ اور سازوسامان سے لیس سپاہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ بلکہ بسا اوقات یہ چیزیں ان کی ایمانی قوت میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ کیونکہ وہ قرآنی ارشادات سے تقویت پکڑتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا ولو کثرت وان اللہ مع المومنین [1]

(کافرو) تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور خدا مومنوں کے ساتھ ہے۔

وہ ظاہری اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود اسی ایمانی قوت کے باعث دشمن کے سامنے صف آراء ہو جاتے ہیں۔ ان کا جذبہ جہاد قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے مقصد پیدائش اور مقصد حیات پر غور کرتے ہیں تو انہیں اپنے اندر ایک غیر مرئی قوت کا احساس ہونے لگتا ہے اور فوری طور پر اپنے مقصد حیات کے حصول کیلئے سربکف ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے حقیر اور دیگر مخلوقات کے مقابلے میں افضل و برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اللہ کی طرف سے عطا کردہ اعزاز پر فخر ہوتا ہے۔ جو انہیں ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتبکم [2]

اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔

یہ وہ منزل ہے جہاں ایک مجاہد کو ایمان کا اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے اور وہ باطل کی بڑی سے بڑی قوت کے ساتھ بڑی بے پرواہی سے ٹکرا جاتا ہے۔ چونکہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد وحید اسلام کا ادیان عالم پر غالب کرنا

---

[1] القرآن - 19:8
[2] القرآن - 78:22

ہے۔ لہذا مسلمان سپاہ اس عظیم مقصد کے حصول کو اپنی زندگیوں کا مقصود و مطلوب بنالیتی ہے۔ پھر وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنا مال و جان، گھربار، بیوی بچے حتی کہ ہر قسم کی دنیاوی متاع کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

اور یوں نبی اکرم ﷺ کی اس بشارت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے بارے میں فرمایا۔

قال قیل یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الناس افضل؟ قال مؤمن یجاھد فی سبیل اللّٰہ بنفسہ و مالہ [سلہ]

کہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے افضل کون ہے؟ "فرمایا مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرتا ہے۔"

یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب ایک مسلمان سپاہی اپنے رب پر پختہ ایمان رکھتا ہو اور اس دنیا میں اپنے مالک کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں سے پوری طرح واقف ہو۔

تاریخ اسلام کا ایک واقعہ مومنین کی معرفت الٰہی اور خود آگاہی کی عمدہ مثال ہے۔ فارس میں اسلامی سپہ سالار مثنیٰؓ بن حارث نے حضرت فاروق اعظمؓ سے اہل فارس کی تیاریوں کے پیش نظر مجاہدین طلب کئے حضرت عمرؓ نے خود بھی جہاد میں شریک ہونا چاہا۔ اس بارے میں اکابر صحابہ اور حضرت علیؓ سے مشورہ لیا۔ اس موقع پر حیدر کرارؓ کا بیان مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتا رہے گا۔ آپؓ نے فرمایا۔

"اسلام کی نصرت اور خذلان کا انحصار فوج کی کمی یا زیادتی پر نہیں ہے۔ یہ اللہ کا وہ دین ہے جسے تمام ادیان پر اس نے غلبہ عطا فرمایا ہے اور یہ اس کا وہ لشکر ہے۔ جسے اس نے خود مہیا کیا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے۔ حتیٰ کہ یہ کہاں تک پہنچا اور اس نے کہاں تک ترقی کرلی ہے۔ ہمیں اللہ کے وعدے پر بھروسہ ہے اور بلاشبہ اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ وہ اپنے لشکر کا مددگار و ناصر ہے اور آپ نے کثیر تعداد کا ذکر کیا ہے تو ہم نے عہد ماضی (عہد رسالت) میں بھی کبھی کثرت تعداد کے بل پر لڑائی نہیں لڑی۔ ہمارا جہاد ہمیشہ نصرت و امداد الٰہی کی بنیاد پر ہی رہا ہے۔ [سلہ]

اس طرح کی تعلیمات کے دہرانے سے افواج پاکستان کے حوصلہ کو بڑھایا جاسکتا ہے اور اپنے مالک حقیقی سے ان

سلہ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، 60/2
و اللواء الرکن محمد جمال الدین علی محفوظ، الجانب العسکری من حیات الرسول، اقتباس النظام العسکری، دولۃ القطر، 1400ھ، ص ، 129

سلہ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت، 1983ء، 107/7
والطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الطبری، دار سویدان، بیروت، 4/ 123، 124
وابن الاثیر، ابو الحسن علی بن ابی کرم، الکامل فی التاریخ، دار الفکر بیروت، 1978ء، 3/3

کے تعلق کو مضبوط کر کے بڑے سے بڑے دشمن کے مقابلے میں آنے کے جذبہ کو مستحکم کیا جا سکتا ہے۔

2- اخروی زندگی اور جزاو سزا کا تذکرہ:

جہاد فی سبیل اللہ کی تحریض میں موت اور بعد کی زندگی کے تذکرہ کو بھی نمایاں دخل حاصل ہے۔ قرآن و حدیث میں مجاہد کو جنت کی ابدی نعمتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اسے سمجھایا گیا ہے کہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے مصائب و شدائد کا مقابلہ کر کے اپنے خالق کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ نعمت اسے اس بات کا حق دار بنا دیتی ہے کہ اگلی زندگی میں اس کا خصوصی اکرام و اعزاز کیا جائے گا اور اس کے دل میں جس چیز کی بھی خواہش پیدا ہو وہ پوری کر دی جائے گی۔ اس کا شمار مقربین میں ہو گا اور یہ سلوک اس کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھا جائے گا۔ اس کی وضاحت قرآن مجید کی سورۃ المائدہ میں یوں کی گئی ہے۔ لا یستوی القاعدون [51] یعنی "مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی عذر کے بغیر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی کا ہی وعدہ فرمایا ہے مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں۔ اور مغفرت و رحمت ہے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

یوں تو انسانی خواہشات لاتعداد ہیں۔ البتہ مجاہد فی سبیل اللہ جب ابدی خواہشات کا تصور اپنے دل میں لاتا ہے تو حصول جنت اور حصول رضائے الٰہی کا جذبہ اس کے دل میں موجزن ہو جاتا ہے۔ ایسے میں وہ جہاد کیلئے تیاری کے دوران یا میدان جنگ میں اللہ کے باغیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے اگر دوران جنگ جنت کی نعمتوں کا تذکرہ تواتر سے ہوتا رہے تو اس کا جذبہ جہاد قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دشمن کی صفوں میں گھس کر یا تو انہیں قتل کر کے غازی کا رتبہ پاتا ہے یا خود شہید ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملتا ہے۔ ہر دو صورت میں وہ کامیابی کے اعلیٰ مقام کو پا لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

ومن یقاتل فی سبیل اللّٰہ فیقتل او یغلب فسوف نوتیہ اجرا عظیما۔ [52]

---

[51] القرآن - 4:95

[52] القرآن - 4:74

کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے۔ جہاد سے منہ موڑ کر یا میدان جنگ سے فرار کی صورت میں سزا کا ذکر بھی مجاہدین کو دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں جنگ سے فرار ہونے والوں کے لئے سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا۔

یاایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار[1] وایضاً فقد باء بغضب من اللّٰہ و ماوٰہ جھنم و بئس المصیر۔[2]

"اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں کفار سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ پھیرنا۔ (اور جو شخص جنگ کے روز میدان جنگ سے پیٹھ پھیرے گا) تو (سمجھ لو) کہ وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

آخرت کا لاانتہائی عذاب دنیا کی وقتی تکلیف کے مقابلے میں اسے بہت بوجھل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ دوزخ کے عذاب کا تذکرہ بھی سپاہی کے جذبہ جہاد کو قوی کر دیتا ہے۔ اور مجاہد کو دنیا کی تکالیف سہل معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ مصیبتوں پر صابر و شاکر ہو جاتا ہے کیونکہ ان مصیبتوں پر اسے اجر عظیم سے نوازے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سپاہیانہ زندگی میں حیات بعد الممات اور جزاء و سزا کا تسلسل کے ساتھ تذکرہ ایک مجاہد کے دل میں لڑنے کی شدید خواہش پیدا کرتا ہے اور وہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کی ابدی زندگی کی تمنا کرنے لگتا ہے۔

3- آیات جہاد کی تلاوت اور دعائیں:

میدان حرب میں آیت جہاد کی تلاوت سپاہی کے جذبہ جہاد کو کئی گنا بڑھا دیتی ہے۔ جذبہ جہاد سے سرشار ایک عسکری ان آیات سے یوں محسوس کرتا ہے گویا یہ احکام اللہ نے ابھی ابھی اتارے ہیں۔ آیات قرآنی تلاوت کرنے کے بارے میں یوں ارشاد ربانی ہے۔

یاایھا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا و اذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون۔[3]

"یعنی اے ایمان والوں جب تم دشمن سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یعلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم۔[4]

---

[1] القرآن - 8 15

[2] القرآن - 8:16

[3] القرآن - 8,45

[4] القرآن - 3:164

کہ (نبی علیہ السلام) ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ نفس کرتے ہیں۔" مزید فرمایا۔

و آخرون یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فاقرو اماتیسر منہ۔ [1]

"اور کچھ لوگ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں۔ پس تم جتنا ہو سکے تلاوت کیا کرو۔"

جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق آیات کا صحیح فہم و ادراک میدان حرب ہی میں ہوتا ہے۔ مجاہد کلام الٰہی سے مستفید ہو کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں پاتا ہے۔ دشمن کا رعب اس کے دل سے یکسر نکل جاتا ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے مالک سے ملنے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔ دشمن کی صفوں میں گھس کر مردانہ وار حملہ آور ہوتا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں یا تو وہ غازی بن کر میدان جنگ سے واپس آتا ہے یا شہادت سے ہمکنار ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملتا ہے۔ میدان جنگ میں موقعہ بہ موقعہ قرآنی آیات کی تلاوت ایک مومن کے جذبہ جہاد کو مضبوط تر بنانے میں انتہائی معاون ثابت ہوتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمان زبان سے واقفیت کی بنا پر قرآن کے مطالب و مقاصد کو فوراً سمجھ لیا کرتے تھے۔ عساکر پاکستان کو بھی عربی زبان کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ دعا کا اہتمام قتال سے پہلے مجاہد کو عزم اور اعتماد بخشتا ہے۔ اسی طرح دوران جنگ اسے صبر و استقلال اور جنگ کے بعد تشکر و استقامت کا پیکر بنا دیتا ہے۔ مناجات مجاہد کے لئے ایک کارگر جنگی ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جیسے ایک کارگر ہتھیار کی موجودگی مجاہد کو پر اعتماد بنا دیتی ہے اور اسے نہ صرف اپنے دفاع کیلئے بے پرواہ کر دیتی ہے بلکہ وہ اقدامی کارروائی کر کے اپنے دشمنوں کا زور توڑنے کا بھی اہل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے مالک کے سامنے دعا گو ہونے کے بعد مجاہد کے دل میں اطمینان آ جاتا ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ پر اعتماد اور دلیر بن جاتا ہے۔ اسکے اندر روحانی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خالق حقیقی کے سوا کسی سے بھی خوف نہیں کھاتا روحانی قوت اور نصرت خداوندی پر یقین دشمن کے مقابلے میں اسے ثابت قدم رکھتا ہے۔ مجاہد کی ثابت قدمی دشمن کی حوصلہ شکنی کا بھی باعث بنتی ہے اور وہ سازو سامان کی کثرت کے باوجود مجاہدین اسلام کے مقابلے میں جم کر نہیں لڑ سکتا۔

نبی ﷺ قتال سے پہلے، دوران جنگ بلکہ ہر مرحلہ پر دعائیں مانگا کرتے تھے۔ مثلاً دعا سے معرکہ آرائی کرتے

---

[1] القرآن - 73-20

ہوئے یوں عرض گذار ہوتے " اللھم انت عضدی و نصیری بک احول و بک اصول و بک اقاتل۔"[91] "کہ اے اللہ تو میرا قوت بازو ہے، تو میرا مددگار ہے تیری مدد کے بل پر میں تدبیر کرتا ہوں اور تیری نصرت سے حملہ آور ہوتا ہوں اور تیری طاقت سے دشمن سے لڑتا ہوں۔"

آپ ﷺ نے غزوہ احزاب کے دن یہ دعا مانگی اللّٰھم اھزم الاحزاب اللّٰھم اھزمھم و زلزلھم "[92]

"اے اللہ احزاب کو شکست دے، ان کے پاؤں اکھاڑ اور ان میں افراتفری پیدا کر۔"

نیز عمومی طور پر ان الفاظ میں دعا مانگنے کا حکم دیا ہے "ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکٰفرین۔"[93]

"کہ اے اللہ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہمیں فتح نصیب فرما۔"

4۔ مسنون عسکری شعائر کا امتثال:

عہد رسالت کے غزوات و سرایا اور خلافت راشدہ کے دوران معرکوں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہر مشکل گھڑی میں مجاہدین اسلام کے دلوں کو گرمانے، ان میں عظمت الٰہی پیدا کرنے اور دشمنوں کے دلوں پر رعب طاری کرنے کے لئے نعرہ تکبیر لگایا جاتا تھا۔

جنگ قادسیہ میں دشمن کی کثرت کو مرعوب کرنے کے لئے حضرت قعقاعؓ نے نیا اسلوب جنگ اپنایا۔ قادسیہ میں تیسرے دن کی جنگ سے پہلے رات کے وقت قعقاعؓ نے چند رسالے شام کی طرف بھیجے اور انہیں ہدایت کی کہ اگلے دن سو سو سواروں کے گروہ میں وقفہ دے کر گرد اڑاتے ہوئے آئیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی پہلا دستہ نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ خوش قسمتی سے ہاشم بن عتبہ بھی سات سو سواروں کے ساتھ شام سے بطور کمک پہنچ گئے۔ اس طرح مجاہدین کے دستے پے در پے آنے شروع ہوئے۔ تقریباً سارا دن دستوں کی آمد جاری رہی ہے جب سواروں کا دستہ نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں پہنچا میدان جنگ میں مسلمان مجاہدین بھی نعرہ تکبیر بلند کرتے اور پورا میدان نعروں سے گونج اٹھتا۔ اس طرح مسلمانوں کا جذبہ جہاد تازہ ہوتا رہا اور سارا دن نعروں کی گونج سے فارسی افواج کے دل دہلتے رہے۔[94]

---

[91] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 334/2

[92] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، سعید ایچ ایم سعید کمپنی مولوی مسافر خانہ، کراچی، 103/2

[93] القرآن۔ 3: 147

[94] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الطبری، دار صادر، بیروت، 543/3
وابن الاثیر، علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 1978ء 328/2

نبی اکرم ﷺ اللہ کی بڑائی اور پاکی بیان کرنے کا خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے اور وادیوں میں اترتے چڑھتے سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور سبحان اللہ کی صدا بلند فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و جیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا او اذا ھبطوا سبحوا۔[1]

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی فوجیں جب راستے میں کسی بلند مقام پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب پستی کی جانب اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ آپ ﷺ کی اتباع میں پوری فوج اس شعار کو دہراتی تھی۔ اس طرح مسلمان فوج کو جب کوئی غیر معمولی کامیابی نصیب ہوتی تو اس پر بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر نعرہ تکبیر کی صدائیں بلند کی جاتی تھیں۔ جس سے پوری فوج کے حوصلے بلند ہوتے اور جذبہ جہاد میں تیزی آجاتی تھی۔ دوران جنگ مسلمان فوج اپنے جنگی شعائر کو بھی بلند آواز سے ادا کرتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔[2]

"ان کا شعار ان کے چہروں کے نشانات ہیں۔"

فوج کے لئے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے جو وقتاً فوقتاً شعار اختیار فرمائے۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

الف۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ایک غزوہ کے موقع پر فرمایا: کل کو تمہارا دشمن سے پالا پڑے گا لہٰذا تمہارا شعار یہ ہونا چاہئے "حم لا ینصرون" دشمن کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔[3]

ب۔ مسلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابوبکر صدیقؓ کی قیادت میں قبیلہ ہوازن پر جب رات کو حملہ کیا تو ہمارا شعار تھا "امت امت" (مار ڈالو دشمن کو) اس مہم میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارا امیر مقرر کیا تھا۔[4]

ج۔ عروہ بن زبیرؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین کا شعار "یا بنی عبدالرحمٰن" خزرج کا شعار "یا بنی عبداللہ" اور اوس کا شعار "یا بنی عبیداللہ" مقرر فرما رکھا تھا۔[5]

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، 5/440، 441
و ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، 1387ھ، 1/350

[2] القرآن۔ 48:29

[3] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 1983ء، 2/322

[4] نفس المصدر، 1:349

[5] الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، دار الکتاب العربی، بیروت، 1984ء، 1/234

اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ دوست اور دشمن کی پہچان ہو جاتی تھی۔ جبکہ دوسری طرف یہ شعار ارد گرد لڑنے والے ساتھیوں کے دلوں کو مضبوط بھی بناتا تھا۔ مسلم سپاہ کیلئے مسنون شعائر کا استمال بالخصوص نعرہ تکبیر کی اہمیت مسلمہ ہے۔

5- صوم و صلوٰۃ کی پابندی:

ان ارکان کی پابندی مجاہد کے دل میں عزم و استقلال پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے دوران نماز انسان کو روحانی طور پر اللہ کا جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ اس کے دل پر براہ راست اثر کرتا ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ اپنے مالک کی قربت میں اپنے آپ کو نہ صرف محفوظ سمجھتا ہے۔ بلکہ اسے اللہ کی مدد کا یقین زیادہ ہو جاتا ہے۔ میدان جنگ میں جہاں دل کے اطمینان اور اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں پر صرف اجتماعی نماز کا قیام ہی اس مقصد کیلئے معاون ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

استعینوا بالصبر والصلوٰۃ [۹۱] "یعنی صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔"

اسی طرح عین حالت جنگ میں نماز سے غافل نہ رہنے کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔ [۹۲]

"یعنی اے پیغمبر ﷺ جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیئے کہ ان کی ایک جماعت مسلح ہو کر کھڑی رہے۔ بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے۔"

میدان جنگ میں صلوٰۃ خوف کا اہتمام خود نبی کریم ﷺ نے کیا اور مجاہدین اسلام نے ہمیشہ اسے اختیار کئے رکھا۔ علامہ اقبال نے مجاہدین اسلام کی اس صفت کی یوں ترجمانی کی ہے۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز [۹۳]

صلوٰۃ خوف کے قیام کا مقصد دلوں کے اطمینان اور اللہ کی مدد کا حصول ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات صلوٰۃ

---

[۹۱] القرآن - 2:153
[۹۲] القرآن - 4:103
[۹۳] ڈاکٹر محمد اقبال، بانگ درا، آری سروسز کلب، 1995ء، ص: 165

خوف مسلمانوں کی فتح کا باعث بنی اور وہ اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن پر غالب آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کو نماز کے ساتھ مشروط کر کے ہمیں یہ بتا دیا کہ میدان جنگ میں یہ نسخہ مسلمانوں کے دلوں میں جوش جہاد اور شہادت کی لہریں دوڑا سکتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب دشمن پر رعب طاری کرنے کے لئے بھی کارگر ثابت ہوتا ہے۔

6- دشمن کے غلبہ کا خوف دلا کر جہاد کی ترغیب دلانا:

اسلام نے مسلمانوں کو ممکنہ شکست اور دشمن کے متوقع غلبہ کے عواقب سے خبردار کرتے ہوئے پوری قوت سے اس کی سرکوبی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

ولو لا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض۔ [1]

"اگر اللہ تعالیٰ کو ایک دوسرے پر (حملہ کرنے سے) نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔"

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا۔ [2]

"جب (کفار) فتنہ انگیزی کے لئے بلائے جائیں تو اس میں اوندھے منہ گر پڑیں۔"

آگے جا کر فرمایا۔

فخذوھم و اقتلوھم حیث وجدتموھم [3]

"تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔"

مزید فرمایا۔

فلا تھنوا و تدعوا الی السلم و انتم الاعلون۔ [4]

"تو تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) خود صلح کی طرف دعوت نہ دو اور تم تو غالب ہو۔"

مسلمانوں کو ان نتائج سے باخبر کیا گیا ہے جو غلامی کی صورت میں انہیں پیش آسکتے ہیں۔ کفار کے غلبہ کا خوف عسکری جذبے میں تحریک کا باعث بنتا ہے۔ اور مجاہد اپنے دین، عزت و ناموس، وطن اور اہل و عیال کی حفاظت کیلئے

---

[1] القرآن - 2:251

[2] القرآن - 4:91

[3] القرآن - 4:89

[4] القرآن - 47:35

ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ ایمانی قوت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اور وہ کسی درجے کی کمزوری کو بھی قبول نہیں کرتا۔ عہد نبوی میں ایسے مواقع بھی آئے کہ بظاہر مسلمانوں کی شکست کے آثار نظر آتے تھے۔ اور صحابہ کرام، ان موقعوں پر پریشان بھی ہوئے۔ انہیں کسی صورت میں کفار کا غلبہ قبول نہ تھا۔ یہ احساس انہیں میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے میں مدد بھی دیتا تھا۔

7- تاریخی کارناموں کا تذکرہ:

ملل سابقہ اور تاریخ اسلام کے اہم معرکوں کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آباؤ اجداد کے ساتھ عساکر کو ایک تعلق ہوتا ہے۔ اگر وہ انہیں یاد دلایا جائے تو ان کے دلوں کی کیفیت میں مثبت تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور وہ کمزوری دکھانے کی بجائے اپنے اسلاف کی تاریخ کو دوہرانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین نے بھی مجاہدین کے ولولہ جہاد کو تازہ کرنے کے لئے اسلاف کے عظیم کارناموں کی طرف توجہ دلائی۔[51] لہٰذا مسلم سپاہ کے دلوں میں جذبہ جہاد اجاگر کرنے کے لئے تاریخ اسلام کی معرکہ آراء جنگوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ اس سلسلے میں تاریخ اسلام سے اسلاف کے دو آثار نقل کئے جاتے ہیں۔

غزوہ حنین کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو فرمایا۔ اصحاب سمرہ کو پکارو۔ حضرت عباسؓ نے زور زور سے آواز دی یا اصحاب السمرہ! یا معشر الانصار۔ اے اصحاب سمرہ (درخت کے نیچے موت کی بیعت کرنے والے) اے انصار کی جماعت۔ حضرت عباسؓ نے بار بار یہ آواز دی حتیٰ کہ آپ کی یہ پکار پوری وادی میں گونج اٹھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جس جس جگہ یہ آواز پہنچی۔ انہوں نے لبیک لبیک کی صدا بلند کی اور فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹے۔[52]

اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ جب مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے اس وقت اسلام کے مجاہدین شام اور فارس کے دو محاذوں پر بیک وقت برسرپیکار تھے۔ قیصر و کسریٰ کی لاکھوں کی افواج کے مقابلے میں مسلمان مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی۔ خصوصاً فارس کے محاذ پر۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کے پہلے ہی دن مسلمانوں کو اہل فارس کے

---

[51] محمود شیت خطاب، الرسول القائد، مکتبہ الحیاۃ و مکتبہ النہضہ، بغداد، ص: 250،249
و الواقدی، محمد بن عمر، المغازی، عالم الکتب، بیروت، 1984ء، 989/3
[52] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 50/5

خلاف جہاد پر جانے کی ترغیب دی۔ آپ متواتر تین دن تک جہاد فارس کی تلقین کرتے رہے۔ آخر چوتھے دن آپ نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور یوں ارشاد فرمایا "کہاں ہیں وہ مہاجر جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور جن کے ساتھ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس سرزمین کی طرف قدم بڑھائیں۔ جس کے وارث بنانے کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وعدہ فرمایا ہے۔

کہاں ہیں اللہ کے نیک بندے! کہاں ہیں انصار! جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی اور ان کے دین کی مدد کی اور ان کے ساتھ کفار سے جہاد و قتال کرتے رہے۔ اس ملک کی طرف چلیں۔ جس کی فتح کی رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے۔ اور وہ کام کریں جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان الفاظ سے خوشنودی فرمائی ہے۔

ان اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص۔[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار"

حضرت عمر فاروقؓ کے اس پرجوش خطاب نے تمام مسلمانوں کو گرما دیا۔[2]

8۔ استقامت اور اطاعت امیر:

رزم حق و باطل کے ہر مرحلے میں استقامت و استقلال کا حکم نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں دیا ہے۔

و ایاکہ والفرار من الزحف و ان ھلکۃ الناس۔[3]

یعنی لڑائی سے نہ بھاگنا چاہیے اگرچہ سب ساتھی مر جائیں۔

اعلاء کلمۃ الحق کیلئے مسلم سپاہ کو نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان حالات میں ایک مستقل مزاج قائد ہی انہیں مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رکھ سکتا ہے۔ میدان حرب و ضرب میں ہر فوجی کی نگاہ اپنے قائد پر ہوتی ہے۔ اگر کسی فوج کو موثر اور قابل اعتماد امیر میسر آجائے تو وہ مشکل ترین منازل کو خندہ پیشانی کے ساتھ عبور کر سکتی

---

[1] القرآن - 61:4
[2] محمد حسین ہیکل، عمر فاروق اعظم، مکتبہ جدید، لاہور، ص: 120، 121
[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص۔ 69/4

ہے۔ بامقصد اور مضبوط قیادت ہاری ہوئی جنگ کو فتح میں تبدیل کر لیتی ہے۔ ایک سپاہی اپنے جری قائد کی موجودگی میں بہتر طور پر دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کے اندر بلند حوصلگی پیدا ہوتی ہے۔ قائد کی ذات اس کے لئے قابل تقلید نمونہ کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ انتہائی مشکل حالات میں جب مسلم سپاہ اپنے قائد کو ثابت قدم دیکھتی ہے تو اس کے اکھڑے ہوئے قدم بھی جم جاتے ہیں۔ اور وہ اس قدر جان توڑ کر لڑتی ہے کہ دشمن کے لئے فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اس کی عملی مثال خود نبی اکرم ﷺ کی ذات عالی سے ملتی ہے۔ جسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وفی غزوة حنین لما ولی المسلمون، طفق الرسول یرکض ببغلته قبل الکفار قال عباس وانا اخذ بلجامها اکفها الا تسرع و کان صلی اللّٰہ علیه وسلم یرکض ببغلته الی العدو وینوه باسمه فیقول انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب۔ ولو لم یثبت الرسول مع عشرة فقط من اصحابه فی تلک الغزوة لاستطاعت هوازن و ثقیف ن تبید المسلمین۔ [51]

یعنی غزوہ حنین بنو ثقیف کی اچانک تیر اندازی سے مسلمانوں کا بڑا لشکر تتر بتر ہو گیا مگر حضور اکرم ﷺ اپنے مقام پر جمے رہے اور حضرت عباسؓ کو یہ آواز لگا کر مسلمانوں کو واپس بلانے کے لئے کہا انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب۔ اس طرح اپنے قائد کی آواز پر سارا لشکر لوٹ آیا اور دشمن کو شکست دی۔ [52]

اسی طرح احد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی۔ اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے نرغے میں آ گئے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوئے اور کچھ بھاگے بھی۔ نبی اکرم ﷺ بھی کفار کے جتھے کے نرغے میں آ گئے اور کفار نے یہاں تک مشہور کر دیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ شہید ہو گئے مگر نبی اکرم ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اس موثر قیادت سے مسلمانوں کو حوصلہ ہوا اور وہ دوبارہ جم کر لڑے حتیٰ کہ فتح یاب ہوئے۔ [53]

غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے مشورہ کے بعد طے ہوا کہ یہ جنگ شہر سے تقریباً چھ میل دور احد پہاڑ کے دامن میں لڑی جائے۔ خود حضور اکرم ﷺ کی رائے یہ تھی کہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے۔

---

[51] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب المغازی غزوہ حنین، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1981ء، 49/5
و محمود شیت خطاب، الرسول القائد، دار مکتبۃ الحیاۃ و مکتبۃ النھضہ، بغداد، 1960ء، ص: 250

[52] نفس المصدر، ص: 114

[53] نفس المصدر، ص: 250

لیکن حضور اکرم ﷺ کے فیصلے جمہوری روح کے مطابق ہوتے تھے۔ اس لئے اکثریت کی رائے کے احترام میں آپ ﷺ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں فرمایا۔ جب آپ ﷺ اسلامی لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو بعض صحابہ کرام نے رائے دی کہ آپ ﷺ اپنی رائے پر ہی عمل کر لیں۔ لشکر کو شہر سے باہر نہ لے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "پیغمبر جب اسلحہ پہن کر آتا ہے تو اسے اتارا نہیں کرتا۔"[1]

اس جنگ میں مسلمانوں کی اپنی ایک غلطی کے باعث شکست ہوئی۔ کفار نے حضور اکرم ﷺ کو گھیرے میں لے کر آپ ﷺ پر تیروں اور نیزوں کی بارش کر دی۔ آپ ﷺ کے دانت شہید ہو گئے۔[2] آپ ﷺ کا خود آپ ﷺ کے سر انور میں دھنس گیا۔ لیکن آپ ﷺ کے پائے ثبات میں ذرا بھر لغزش پیدا نہ ہوئی۔

غزوہ حنین میں بھی مسلمانوں کو ابتدائی مرحلے میں جزوی ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ تنہا رہ گئے، دشمن نے آپ ﷺ کو گھیر لیا۔ لیکن آپ برابر فرماتے تھے۔ انا النبی لا کذب میں اللہ کا رسول ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔[3]

قوت ارادی اور ثابت قدمی کی یہ بلند ترین مثالیں بھی تاریخ انسانی میں حضور اکرم ﷺ کے سوا کوئی اور پیش نہیں کر سکا۔ قائد یا سپہ سالار کی قوت ارادی اور ثابت قدمی دشمن پر دھاک بٹھانے کے علاوہ اپنے ماتحت سپاہیوں میں بھی ایک ان دیکھی ناقابل تسخیر قوت ارادی کی طاقت بھر دیتی ہے جو جنگ میں کامیابی و فتح کے بنیادی اسباب میں سے ایک ہے۔

فوج میں جس قدر نظم و ضبط محکم اور غیر لچکدار ہو گا اسی نسبت سے اس کی دشمن پر دہشت و دھاک بھی ہو گی۔ اسی طرح اطاعت گزاری و فرمانبرداری بھی جنگی کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ نظم و ضبط کی پابندی نہ کرنے والے افراد پر فوج کا اطلاق ہی درست نہیں۔ وہ تو ایک منتشر ہجوم ہے جو دشمن کے لئے تر نوالہ ثابت ہو سکتا ہے۔

سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جن جنگی دستوں کی تربیت فرمائی وہ نظم و ضبط میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ باری باری دستوں کی کمان سونپا کرتے تھے۔

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مولوی مسافر خانہ، کراچی، 533/2
واجد باشمیل، غزوہ احد، نفیس اکیڈمی کراچی، 1988ء، ص: 331، 332
و محمود شیت خطاب، الرسول القائد، دار مکتبۃ الحیاۃ و مکتبۃ النہضۃ، بغداد، 1960ء، ص: 110

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مولوی مسافر خانہ، کراچی، 548/2

[3] نفس المصدر، 640/2
و محمود شیت خطاب، الرسول القائد، مکتبۃ الحیاۃ و مکتبۃ النہضۃ، بغداد، ص: 250

حضور اکرم ﷺ ہر مہم کا نیا کمانڈر مقرر فرماتے تھے اور وہی فرد جو پہلی مہم کا کمانڈر بنا تھا وہ دوسری مہم میں لشکر کا سپاہی ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت اسامہؓ بن زید کو امیر بنایا اور کبار صحابہ کرام کو مامورین بنایا۔[1] بعد میں حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار بنا دیا اور حضرت خالدؓ کو مامور بنا دیا۔

نظم و ضبط اور اطاعت کی یہ اعلیٰ مثالیں حضور اکرم ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت کے سوا کہیں اور دستیاب نہیں ہوں گی۔ یہی وہ خوبی تھی جس کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت ایک ناقابل تسخیر قوت بن گئی۔ زمین و آسمان کا نظام اربوں سال سے ایک مخصوص تنظیم اور ضابطے کے مطابق چل رہا ہے۔ انسان پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اپنی ان ذمہ داریوں کو اللہ پاک کے عطا کردہ علم و دانش کے مطابق بطریق احسن ادا کرنے کا نام نظم و ضبط ہے۔

دنیا کا کوئی بھی کام نظم و ضبط کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور کسی مقصد کا حصول نظم و ضبط کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں اور آنحضور ﷺ نے اپنے مختلف افعال و اقوال میں نظم و ضبط پر خصوصی احکامات صادر فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے بھی نظم و ضبط کی اعلیٰ اقدار قائم کیں۔

غزوہ بدر میں صحابہ کرام نے بے مثال نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ معلم انسانیت ﷺ نے افواج کی تربیت اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی اور ان کو صفوں میں آراستہ فرمایا اور ایک تیر سے صفوں کو سیدھا فرمایا۔[2] یہ ہے نظم کی مثال جس کو دیکھ کر کفار حیران رہ گئے کیونکہ ان کے ہاں تو ایسی لڑائی کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔

آنحضور ﷺ نے افواج کو حکم دیا کہ جب تک حکم نہ دیا جائے کوئی تیر اندازی نہ کرے۔[3] چنانچہ کفار نے تیر اندازی شروع کر دی لیکن مسلمان آہنی چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور کوئی جواب نہ دیا اس پر کفار پریشان ہو گئے کہ ان پر تیر اندازی کوئی اثر نہیں کر رہی۔ یہ ضبط کی اعلیٰ مثال تھی اور پھر جب حکم ملا۔ مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کر دیا۔

نظم و ضبط قائم کرنے کے لئے فرد کی تربیت لازمی ہے تاکہ وہ نظم و ضبط کے قواعد اور اصولوں کو دل سے تسلیم

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 2/610

[2] محمود شیت خطاب، دار مکتبۃ الحیاۃ و مکتبۃ النھضۃ، بغداد، 1960ء، ص: 77
و شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، ناشران قرآن، لاہور، 1/334

[3] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، السیرۃ النبویۃ، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1976ء، 2/416

کرے اور ذہن میں جگہ دے اور جب بھی بے ضابطگی کا مظاہرہ ہو تو اس کا دل اس کو ملامت کرے لیکن بعض اوقات مخالف پروپیگنڈے کے باعث دل، قواعد کی خلاف ورزی پر مجبور ہو جاتا ہے یا حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ مروجہ قوانین کی خلاف ورزی ہوتی ہے اس لئے قوانین کے نفاذ کے لئے باقاعدہ نظام مرتب کیا جائے۔ مختلف سطحوں پر امیر یا ناظم مقرر کئے جائیں۔ جو نظم و ضبط کو برقرار رکھیں اور داخلی و خارجی ہر دو سطحوں پر حالات کا جائزہ لیتے رہیں۔

آنحضور ﷺ نے نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لئے متقی اور قابل افراد کو قیادت کی ذمہ داری سونپی [۹۱] اور یوں نظم و ضبط کی حامل فوج تیار ہوئی جس میں ہر مسلمان سپاہی تھا۔ یہ افراد جذبہ جہاد اور شوق شہادت کے لئے جنگ کرتے تھے مال و ملک کی ہوس کے لئے لڑائی نہیں کرتے تھے۔

نظم و ضبط کی ابتدا تربیتی مراکز سے ہی ہوتی ہے جہاں افواج میں لئے گئے افراد کو ذہنی اور جسمانی طور پر ایسی تربیت دی جاتی ہے۔ جس سے ان میں قوت برداشت، مشکلات کا سامنا کرنا، شدید دباؤ میں نہ گھبرانا، ہر حال میں حکم ماننا، صبر و استقلال اور ہمت و شجاعت کے ساتھ اللہ پر بھروسہ، اپنے آپ پر، اپنے کمانڈروں اور اپنے ساتھیوں پر اعتماد اور اسلحہ وغیرہ کی مکمل واقفیت کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ محبت، ہمدردی اور ایثار کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اور دین و ملت کے لئے جان نثار کرنے کی امنگ پروان چڑھتی ہے۔

آج کل کی جنگ اور چند سو سال کی قبل کی جنگ کے تناظر میں اگر نظم و ضبط کا جائزہ لیا جائے تو اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ پرانی جنگوں میں ذہن سے زیادہ ذہنی اور روحانی قوتوں کو اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ دور حاضر میں جدید ٹیکنالوجی نے جنگی اقدار اور اندازے تبدیل کر دیئے ہیں۔ نفسیاتی اور ایٹمی ترقی نے نفسیاتی جنگ کو اور سٹریٹجک ہتھیاروں کو بہت اہمیت دے دی ہے۔ مسلح افواج اور عوام کے مورال کو نفسیاتی حربوں سے کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ موزوں تربیت اور نظم و ضبط میں پختگی سے ہی موجودہ جنگ جیتی جا سکتی ہے۔

مختصراً مسلح افواج میں نظم و ضبط کی بہت ضرورت ہے کیونکہ جسمانی اور ذہنی صحت، قوت برداشت، صبر، تقویٰ باہمی اعتماد اور تربیت ہی فوج میں نظم و ضبط کی ضامن ہو سکتی ہے۔ نظم و ضبط سے ہی ملی وحدت اور ملکی ترقی ممکن ہے۔

---

[۹۱] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1981ء، 2/3

اس لئے موجودہ دور کا تقاضا ہے کہ ہمارے افعال، اقوال، کردار غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں نظم و ضبط پایا جائے۔

9- قائد کی ثابت قدمی اور سپاہ کی مکمل تیاری:

حضور اکرم ﷺ اگر چاہتے تو مکہ میں بھی مشرکین سے جنگ کا آغاز کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے تیرہ سال تک انتظار فرمایا۔ جنگ کے لئے مناسب ماحول، وقت، عددی قوت اور سامان جنگ میسر آنے کے بعد ہی آپ ﷺ نے مشرکین کے ظلم کا جواب دیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک جنگ کے لئے انسانی استطاعت کے مطابق وسائل اور سامان کا انتظام کرنا بھی لازمی ہے۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ واعدوالھم ما استطعتم۔ [91] اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے (سامان جنگ) ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے دشمنوں (کو بھی) خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔"

حضور اکرم ﷺ عددی قوت اور سامان جنگ کی فراہمی میں مقدور بھر کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ غزوہ حنین میں منجنیق کا بھی استعمال فرمایا۔ [92] جو اس وقت کی ایک قسم کی توپ تھی۔ قرآن و سنت نبوی ﷺ سے صاف معلوم ہوا ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لئے جنگ کی پوری تیاری اور وقت کے بہترین ہتھیاروں کی فراہمی، ان کے استعمال کی مہارت حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے لازمی ہے۔ اس بارے میں کسی قسم کی کوتاہی سنت نبوی ﷺ سے انحراف ہوگا۔

10- اعتصام واخوت:

کفر پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے مسلم سپاہ کے تمام افراد میں اعتصام اور اخوت مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ جذبہ نہ صرف مجاہدین کے دلوں کو جوڑنے اور قریب لانے کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ میدان جنگ میں جانے سے پہلے اور اسکے بعد بھی مدمقابل کے مذموم عزائم و اقدامات کو روکنے کا باعث بنتا ہے۔ قرآن و حدیث میں جابجا اس کیلئے احکامات آئے ہیں۔

91۔ القرآن۔ 8۔60

92۔ محمود شیت خطاب، الرسول القائد، دار مکتبۃ الحیاۃ و مکتبۃ النھضۃ۔ بغداد، 1960ء، ص: 254

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا۔[1] کہ تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

دوسری جگہ فرمایا۔

ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم۔[2]

"کہ تم آپس میں جھگڑا نہ کرنا (ورنہ) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری شان و شوکت جاتی رہے گی۔"

ایک اور موقع پر یوں ارشاد ربانی ہے۔

ان اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص۔[3]

"کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے رستے میں اس طرح لڑتے ہیں جس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔"

اسی طرح ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔[4]

"ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے ان میں سے ایک دوسرے کے لئے تقویت کا باعث ہے"

دوسری جگہ فرمایا۔

تری المؤمنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی عضو منہ تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی۔[5]

"تو مومنین کو دیکھے گا کہ آپس میں مودت، رحم اور شفقت کا معاملہ کرتے ہیں۔ جیسے ایک جسد واحد ہوتا ہے کہ اگر کسی ایک جزو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کی شکایت کرتا ہے۔"

باہمی اخوت سے نصب العین میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ تمام افراد مل کر ایک ہی نصب العین کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ متحد اور مشترک کوشش میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوتی ہے۔ باہمی اتحاد کسی فوج میں تعداد اور

---

[1] القرآن - 103:3
[2] القرآن - 46:8
[3] القرآن - 4:61
[4] البخاری، محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 890/2
[5] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، ابواب البر اصح المطابع، کراچی، 1956ء، 321/2

سازوسامان کی کمی کا بہترین نعم البدل ہوتا ہے۔ سپاہ میں قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے رفقاء کار کی راحت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ دشمن سرتوڑ کوشش کرتا ہے کہ مسلم سپاہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان پر کاری ضرب لگائے۔ خلفائے راشدین کے دور میں مسلم امت کے اتحاد میں دراڑیں ڈالنے کی بے شمار کوششیں کی گئیں۔ جب تک مسلمانوں میں اتحاد کی فضا قائم رہی۔ مشرق و مغرب ان کے سامنے سرنگوں ہوتے رہے۔

اسلامی تعلیمات میں مسلمانوں کو جا بجا باہمی اتحاد کا درس دیا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں قرن اول میں ایسی امت وجود میں آئی جو یک جان تھی۔ وہ لوگ ایک دوسرے کے اندر جذبہ جہاد اجاگر کرنے کا باعث بنتے رہے۔ دور حاضر میں مسلم سپاہ کو اعتصام و اخوت کا درس دے کر انہیں ایک نصب العین کے حصول پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ ان کی تمام تر صلاحیتیں مثبت مقاصد کے حصول میں صرف ہوں غرضیکہ متحدہ جدوجہد مجاہدین کے جذبہ جہاد کو جلا بخشتی ہے۔

11- حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی اور اعزازات:

مجاہدین کی سعی کا مقصود دنیاوی انعامات اور اعزازات تو ہرگز نہیں ہوتے البتہ اگر کسی سپاہی یا یونٹ کو اس کی غیر معمولی کارکردگی پر بہادری کے تمغات یا اعزاز سے نوازا جائے تو ان کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ وہ پہلے سے بڑھ کر شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں اور اس اعزاز کو اپنے لئے قابل فخر سمجھتے ہیں۔ یہ چیزیں ان کے دلوں میں نیا ولولہ اور جوش پیدا کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بھی سپاہ کو انفرادی اور اجتماعی القابات سے نوازا کرتے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کو غزوہ موتہ سے واپسی پر سیف من سیوف اللہ کا لقب عطا کیا۔[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسد اللہ کا لقب عطا کیا۔[2]

غزوہ احد میں جنگ شروع ہونے سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکالا تمام صحابہ کے سامنے اسے بلند کیا اور فرمایا۔

من یاخذ السیف بحقہ[3]

ہے کوئی جو یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کرے۔ یہ سن کر کئی صحابہ اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے مگر

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مولوی سافر خانہ، کراچی، 48/2
دیگر (ریٹائرڈ) شیخ غلام نصیر، وقت کی پکار الجہاد الجہاد، جنگ پبلشرز، لاہور، 1994ء

[2] محمود شیت خطاب، الرسول القائد، مکتبۃ الحیاۃ و مکتبۃ النہضہ، بغداد، 1960ء، 404/2، 405

[3] ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 49/2

آپ ﷺ نے تلوار کسی کو نہ دی۔ حضرت ابو دجانہ ؓ انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس کا حق یہ ہے کہ تم اس سے دشمنوں کو مارتے جاؤ۔ یہاں تک کہ یہ خم ہو جائے۔" ابو دجانہ ؓ نے یہ سن کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اس کا حق ادا کروں گا۔ چنانچہ ابو دجانہ ؓ نے اپنا سرخ عمامہ نکالا۔ اس کو سر پر باندھا اور صفوں کے سامنے جوش جہاد میں اکڑ کر چلتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگا۔

انا الذی عاهدنی خلیلی　　　و نحن بالسفح لدی النخیل

"میں وہ شخص ہوں کہ مجھ سے میرے محبوب نے عہد لیا ہے جب کہ ہم لوگ پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے نزدیک ہیں"

ان لا اقوام الدهر فی الکیول　　　اضرب بسیف اللّٰہ والرسول۔[51]

"یہ کہ میں زندگی بھر آخری صف میں نہ کھڑا ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تلوار سے دشمن کو کاٹتا رہوں گا۔" ابو دجانہ کی اکڑ چال پر کسی صحابی نے اعتراض کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ایسی چال کو پسند نہیں فرماتا۔ مگر ایسے وقت میں۔ چنانچہ جونہی جنگ شروع ہوئی تو حضرت ابو دجانہ ؓ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور جو کافر بھی سامنے آیا اسے واصل جہنم کیا۔

حضرت علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا کہ سعد بن ابی وقاص ؓ کے سوا اور کسی شخص کے لئے اپنے ماں باپ کو فدا ہونے کو فرمایا ہو۔ سعد ؓ کی نسبت میں آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تیر مارو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔[52]

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یوم بدر من فعل کذا و کذا فلہ من النفل کذا و کذا۔[53]

ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بدر کے روز جو یہ کام کرے اس کو یہ انعام ہے۔

عن ابن عمر قال بعثنا رسول اللّٰہ فی جیش قبل نجد و انبعث سریة من الجیش فکان

---

51. ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 50/2
52. البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مولوی مسافر خانہ، کراچی، 410/2
و ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 381/2
53. نفس المصدر (السنن)، 382/2

سهمان الجيش اثنى عشر بعيرو نفل اهل السرية بعيرا بعيرا فكانت سهمانهم ثلثة عشر ثلثة عشر [1]

"ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بھیجا ایک لشکر کے ساتھ نجد کی طرف اور ایک ٹکڑے کو اسی لشکر میں سے دشمن کے مقابلے کے لئے بھیجا پھر لشکر کے لوگوں کو بارہ بارہ اونٹ ملے اور ٹکڑے کے لوگوں کو ایک ایک اونٹ زیادہ ملا تو ان کے حصے میں تیرہ تیرہ اونٹ آئے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے مجاہدین کے لئے وظائف کا مقرر کرنا اسی ذیل میں آتا ہے۔ موجودہ دور میں تنخواہیں اور مراعات اسی عمل کا تسلسل ہیں۔ اسی طرح تمغہ جات اور تعریفی اسناد یا قطعہ اراضی وغیرہ کی شکل میں ترغیبات خدمت دین و وطن کا جذبہ ابھارنے کے لئے معاون ثابت ہوتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے دور میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ جب افراد کو ان کو بہادری پر خصوصی انعامات دیئے گئے۔ اس طرح کوئی بڑا معرکہ سر کرنے سے پہلے بھی نمایاں جوہر دکھانے والوں کے لئے انعامات کا اعلان کیا جاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں کچھ لوگ بے جگری سے لڑ کر میدان مارتے رہے۔ یہ سب چیزیں مجاہد کے جذبہ محرکہ میں نمایاں اور مثبت اثرات پیدا کرنے کی ضامن ہوتی ہیں۔

علامہ ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں کہ سپہ سالار کا فرض ہے کہ ثواب آخرت اور جنت کے طلب گاروں سے جزا خداوندی کا وعدہ کرے اور دنیا داروں کو مال غنیمت کی امید دلائے۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لئے یوں فرمایا ہے۔

انی ممدکم بالف من الملئکة مردفین و ما جعله اللّٰہ الا بشری و لتطمئن به قلوبکم۔ [3]

"ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے اور اس مدد کو خدا نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں۔"

حکومت کی طرف سے مجاہدین کے کردار کو سراہنا عسکری جذبہ محرکہ میں قوت اور شدت کا سبب بنتا ہے۔ جب

---

[1] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، اسلامی اکادمی، لاہور، 383/2
[2] ابوالحسن الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1986ء، ص: 83
[3] القرآن، 8: 9-10

فوج یا فوج کے کسی حصے کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے تو مجاہدین کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں حاکم وقت یا اس کے نمائندے آگے بڑھ کر ہزیمت خوردہ فوج کو اس کے گذشتہ کارناموں پر داد دیتے ہوئے وقتی ہزیمت کے برے اثرات کو دور کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی اگر انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ اگلے معرکے میں وہ دشمن سے اس نقصان کا بدلہ لے سکتے ہیں تو وہ ایک نئے عزم، حوصلے اور جذبے کے ساتھ تیار ہو کر دشمن کے خلاف کامیابی حاصل کریں گے۔ جیسا کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو تسلی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله و تلک الایام نداولها بین الناس۔ [1]

"اگر تمہیں زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔"

نیز جب ابوسفیان نے اپنے تئیں مسلمانوں کو شکست دینے کے بعد جاتے ہوئے ہبل اور عزی کی بڑائی کا نعرہ لگایا تو اس کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے اللہ اعلیٰ [2] کا نعرہ تلقین فرما کا مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی۔

12- رزمیہ اشعار:

معرکہ حق و باطل کے ابتدائی دور کے میدان کارزار میں سپہ سالار اور شاہسوار جب اپنے مخالفین کے مقابلے کیلئے جاتے تو ایسے رزمیہ اشعار پڑھتے تھے جن سے ان کے دشمنوں پر ان کی جرات کا رعب طاری ہوتا تھا ان اشعار میں اپنے خاندان کی بڑائی کے علاوہ گذشتہ جنگوں میں انجام دیئے گئے کارناموں کا بطور خاص حوالہ دیا جاتا تھا۔ یہ اشعار سپاہ کو بلند حوصلہ بناتے اور ان کے عسکری جذبات کو تقویت دینے میں موثر کردار ادا کرتے تھے۔

بدر میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو شہادت اور جنت کا شوق دلایا۔ عمیر بن الحمامؓ صف میں کھڑے ہاتھ میں کھجوریں لئے کھا رہے تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری تمنا ہے کہ میں اس کو پالیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں ہاں پالو گے۔ [3] کھجوروں کے ختم ہونے میں دیر محسوس کی، انہیں پھینک دیا اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔

---

[1] القرآن - 140:3

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مولوی مسافر خانہ، کراچی، 160/2

[3] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب امارۃ، اصح المطابع، کراچی، 1956ء، 139/1

ركضنا الى الله بغير زاد
الا التقى و عمل المعاد
والصبر في الله على الجهاد
وكل زاد عرضة النفاد
غير التقى والبر والرشاد

"ہم اللہ کے راستے میں بغیر سازوسامان کے نکلے۔ ہمارا سامان تقویٰ اور آخرت کا عمل اور جہاد کے لئے اللہ کی خاطر حیت ہے۔ اور تمام توشے ختم ہونے والے ہیں سوائے تقویٰ، نیکی اور ارشاد کے۔"

غزوہ احزاب میں خندق کھودتے ہوئے صحابہ کرام نے یہ شعر پڑھا:

نحن الذين بايعوا محمدا   على الجهاد ما بقينا ابدا[۵۱]

"ہم نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کی بیعت کی کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد پر قائم رہیں گے۔"

رسول ﷺ نہ صرف ایسے شعراء اور شہسواروں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے بلکہ خود بھی اشعار پڑھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی ہمت بڑھایا کرتے تھے۔

جیسا کہ غزوہ احزاب میں حضور اکرم ﷺ نے یہ اشعار پڑھے۔

لو لا انت ما هدينا   ولا تصدقنا ولا صلينا

"اگر تو ہمیں ہدایت نہ دیتا تو نہ ہم زکوٰۃ دے سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے۔"

فانزل السكينة علينا
و ثبت الاقدام ان لاقينا
ان الاولى قد بغوا علينا
اذا ارادوا فتنة ابينا[۵۲]

---

۵۱ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، سعید ایڈ سنز، مولوی مسافر خانہ، کراچی، 2/ 75
۵۲ نفس المصدر، 2/ 137

"پس تو ہم پر سکینہ نازل فرما اور لڑائی میں ہمیں ثابت قدم رکھ یہ کافر بغیر کسی وجہ سے ہم پر حملہ آور ہوئے ہیں جب بھی وہ فتنہ فساد کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔"

ان اشعار کے نتیجے میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی شجاعت اور عسکری جذبہ میں مزید تازگی آجاتا تھا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مجاہدین کے عسکری جذبہ میں قوت عمل پیدا کرنے میں جنگی اشعار اور ترانے تحریک کا کام دیتے ہیں۔

13- عساکر کی پیش قدمی:

کسی جنگ میں فتح کی صورت میں فاتح افواج کے عسکری جذبہ پر مثبت اثرات پڑتے ہیں۔ جیسا کہ عساکر اسلام کو قرآن مجید میں یوں فتح کی یاد دلائی گئی ہے:

"ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ"[1]

"اور بے شک اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں تمہاری امداد کی حالانکہ تم کمزور تھے۔"

اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ کو روم کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہوا تو خود آگے بڑھ کر تبوک میں اس کا سامنا کرنے کے لئے جا پہنچے۔ دشمن کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور قرب و جوار کے قبائل اطاعت گزار ہو گئے۔ مسلمانوں کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ پھر وہ رومیوں پر ہمیشہ فتح یاب ہی رہے۔[2]

مسلسل فتوحات افواج کے عسکری جذبہ کو بڑھا دیتی ہیں وہ اپنے دشمن کو کم تر سمجھنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان کے اندر حوصلگی اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اطاعت امیر کا جذبہ بڑھ جاتا ہے۔ ایسی افواج اپنے قائد پر زیادہ اعتماد کرنے لگتی ہیں۔ اس سے نظم و ضبط برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اور قائد کا کام نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ جنگ کے دوران ہونے والے نقصان سے پیدا ہونے والے منفی اثرات کو ختم کرنے میں بھی فتوحات اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

فصل دوم ---- جذبہ جہاد کو کمزور کرنے والے عوامل

وہ عوامل جو ایک مجاہد کے جذبہ جہاد کو کمزور کرتے ہیں اور جن کی پیش بینی کر کے مثبت

---

[1] القرآن، 3:123

[2] ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، المکتبۃ الفاروقیہ، ملتان، 2/ 44-46

اثرات مرتب کئے جاسکتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1- ضعف ایمان:

میدان جنگ میں قلت تعداد و اسباب کی بناء پر احساس کمتری ایک فطری چیز ہے اور طاقتور مدمقابل کے سامنے اس کا ادراک لابدی ہے اس حقیقت کی طرف اسلامی تعلیمات میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین[1]

"اور تم ہمت نہ ہارو، غم مت کرو، اگر تم پختہ ایمان کے مالک ہو تو تم ہی غالب رہو گے"

لا تیئسوا من روح اللّٰہ[2] اور لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ[3] کے الفاظ بھی آتے ہیں۔

زمانہ امن ہو یا زمانہ جنگ، دشمن کی عددی برتری، گولہ بارود اور سازو سامان کی کثرت سے سپاہی کے دل میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے۔ دشمن کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقابلے میں آنے والی فوج کو احساس کمتری میں مبتلا کر کے کم سے کم وقت میں کامیابی حاصل کرے۔ بعض اوقات فوجی کے ذاتی ہتھیار کی خرابی بھی اس کے اعتماد کو کمزور بنا دیتی ہے۔ ایمان کی کمزوری بھی احساس کمتری پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے، کوئی فوج جب احساس کمتری کا شکار ہو تو وہ اپنے دشمن کے مقابلے میں آنے سے گھبراتی ہے۔ اور بسا اوقات بغیر لڑے میدان جنگ کو اپنے حریف کے لئے خالی کر دیتی ہے۔ یہ کیفیت مقابل فوج کا حوصلہ بڑھانے کا باعث بنتی ہے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ جارحانہ انداز اختیار کر کے اس کا مکمل صفایا کر دیتی ہے۔ احساس کمتری میں مبتلا مسلم سپاہ اگر قرآنی تعلیمات کی روشنی میں عزم صمیم اور ایمانی قوت سے لیس ہو تو وہ ناقابل شکست فوج میں بدل سکتی ہے۔

2- ناگہانی حالات:

دشمن سے برسرپیکار سپاہ کو ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں کہ دشمن اچانک پن کا استعمال کر کے ایک منظم لشکر میں ابتری پیدا کر دیتا ہے۔ اس افراتفری کے عالم میں قائد کو لشکر کے دوبارہ منظم کرنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ فوجیوں کا

---

[1] القرآن - 139:3

[2] القرآن - 87:12

[3] القرآن - 53:39

آپس میں رابطہ و ملاپ بھی باقی نہیں رہتا وہ اس ناگہانی صورت حال سے دوچار ہو کر مقابلہ کرنے کی ہمت کھو بیٹھتے ہیں اور میدان چھوڑ دیتے ہیں۔ بھاگنے والے جم کر لڑنے والوں کی بھی حوصلہ شکنی کا باعث بنتے ہیں اور ان کا جذبہ جہاد ماند پڑ جاتا ہے۔ جس فوج کا ایک فرد بھی فرار اختیار کرنے کی ذہنیت رکھتا ہو اس فوج کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے یوں وہ ایک فرد پوری قوم کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کرتا ہے۔ دشمن ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر کاری ضرب لگاتا ہے۔ ایسی فوج آئندہ بھی کسی ممکنہ غیر متوقع صورت حال سے پریشان رہتی ہے۔ ان حالات سے فوج کو نکالنے کے لئے موثر قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو سپاہ کو ثابت قدم رکھنے کے لئے مثالی کردار ادا کر سکے۔

غزوہ احد میں مسلمانوں پر اچانک حملہ اور غزوہ حنین میں دشمن کی اچانک تیراندازی نے ایسی ہی صورت حال پیدا کر دی مگر نبی اکرم ﷺ کی شجاعت و پامردی نے اس پر قابو پالیا۔[51]

1965ء میں ہندوستان نے پاکستان پر اچانک حملہ کر کے ایسی ہی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر عساکر پاکستان نے نہایت چابک دستی سے دشمن کے ارادے خاک میں ملا دیے۔

قرآن مجید میں ایسی غیر متوقع صورتحال میں فرار کا راستہ اختیار کرنے سے بچنے کی تلقین کی ہے اور اس کی بنیاد اس حقیقت کو بنایا ہے کہ فرار سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل و اذا لا تمتعون الا قلیلا۔[52]

"یعنی آپ کہہ دیں کہ اگر مرنے یا مارے جانے سے تم بھاگتے ہو تو بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے۔

3- باہمی نزاع و بداعتمادی:

مسلم سپاہ کے افراد یا قائدین کے مابین اگر کسی مسئلے میں نزاع پیدا ہو یا ان کا مطمع نظر مشترک نہ ہو تو ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے وہ کسی ایک مقصد کی خاطر لڑنے کی بجائے اپنی قوت انتشار کی نذر کر دیتے ہیں۔ ان حالات میں ایک

---

[51] البخاری، محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، سعید اینڈ سنز کراچی، 2/349، 639

[52] القرآن۔ 16:33

دوسرے پر ان کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور ان کی ہوا بھی اکھڑ جاتی ہے یہ امر ان کے جذبہ جہاد پر منفی اثر ڈالتا ہے اور وہ میدان جنگ کا رخ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ایسی فوج جس کا مقصد اور نصب العین ایک ہو اگر معمول سے انتشار کا شکار ہو جائے تو دشمن اس کو مزید ہوا دینے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں فوج مختلف دھڑوں میں بٹ جاتی ہے۔ ان کی تمام توانائیاں مشترکہ دشمن کے خلاف استعمال ہونے کے بجائے آپس میں لڑنے میں صرف ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہر گروہ اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ دشمن کے لئے تر نوالہ بن جاتا ہے۔ افواج کی قوت مدافعت ختم ہو جانے کی صورت میں غلامی پوری قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے باہمی پیار و محبت، اطاعت و اخوت اور مشترکہ مقصد کے تعین اور حصول پر زور دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

قال یسرا و لا تعسرا و بشرا و لا تنفرا و تطاوعا و لا تختلفا [1]

یعنی آسانی پیدا کریں، تکلیف نہیں، خوش خبری دیں نفرت نہیں، تابعداری اختیار کریں، اختلاف نہیں۔

4- دشمن کا پروپیگنڈہ:

پراپیگنڈہ ایک موثر ہتھیار ہے جو مقابل فوج کے عسکری جذبہ کو توڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اپنی صفوں میں بھی کچھ ایسے نادان موجود ہوتے ہیں جو افواہیں پھیلاتے ہیں اور افراتفری پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔ افواہ عام طور پر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن اس میں سچ کا بھی کچھ عنصر شامل کر کے موثر بنایا جاتا ہے۔ جب فوجیوں کو حقیقت حال سے آگاہی نہ ہو تو وہ میدان جنگ میں پیش آنے والی لمحہ بہ لمحہ تبدیلی کے بارے میں تجسس کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے میں افواہیں ان کے تجسس کو عارضی تسکین بہم پہنچانے کے ساتھ ان کے دل و دماغ میں بھی جنگ کے نتائج کے بارے میں خوف اور بے یقینی پیدا کرتی ہیں۔ ہر نئی افواہ پہلی افواہ کے منفی اثرات کو مزید بڑھاتی ہے اگر فوج کے اندر دشمن کی کامیابیوں اور برتری کی افواہ پھیل جائے تو افراد کے قویٰ معطل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح فوج کو اپنی قیادت سے بدظن کرنے کے لئے بھی افواہیں پھیلائی جاتی ہیں۔ جن سے آپس کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور فوج لڑنے کے جذبے سے عاری ہو جاتی ہے۔

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، سعید اینڈ سنز کراچی، 138/2

سچا مومن دشمن کے پروپیگنڈے پر کان نہیں دھرتا نہ اس کی اشاعت کرتا ہے بلکہ سنتے ہی اس کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کی اشاعت کرنے والوں کا پردہ چاک کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا[1]

کہ اے مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔

دوسرے موقع پر فرمایا:

لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینة لنغرینک بهم[2]

اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان کے پیچھے لگا دیں گے۔

مزید فرمایا:

و اذا جاء هم امر من الامن او الخوف اذا عوابه ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم[3]

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔

نفسیاتی جنگ کا مقصد دشمن کے حربی جذبے کو توڑنا ہوتا ہے۔ پروپیگنڈہ (Propaganda) کا صحیح اور بروقت استعمال اس مقصد کے حصول کو آسان بنا دیتا ہے جنگ سے پہلے، دوران جنگ اور جنگ کے بعد دشمن اس کوشش میں رہتا ہے کہ کم سے کم وسائل بروئے کار لا کر اپنے مقابل پر حاوی ہو جائے اور میدان جنگ میں بھی نہ اترنا پڑے۔ مدمقابل فوج کا ہر فرد دشمن کا ہدف ہوتا ہے اور فریق مخالف، ہر سپاہی تک اس سم کو پہنچانے کی کوشش کرتا ہے پروپیگنڈے کے ذریعے فوجیوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کا دشمن ہر لحاظ سے قوی ہے اور جنگ کی صورت میں فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا۔ مزید برآں وہ یہ بھی باور کراتا ہے کہ اگر ہتھیار ڈال دیے

---

[1] القرآن - 6:49

[2] القرآن - 60:33

[3] القرآن - 83:4

جائیں تو فوجیوں کو نہ صرف امن بلکہ مراعات بھی حاصل ہوں گی اگر فوج ایمان کے بلند معیار کی حامل ہو تو یہ پروپیگنڈہ منفی اثرات کی بجائے مثبت اثرات چھوڑتا ہے۔ اگر ایمانی قوت اور کیفیت اس کے برعکس ہو تو دشمن کی نفسیاتی چالیں جہاد کو کمزور کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔

مومن موت سے نہیں ڈرتا اسے یقین ہے کہ موت کا وقت معین ہے اور اسے وقت معین پر ہی مرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون [1]

جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

اسی طرح فرمایا۔

اين ما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة [2]

تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں تم کو موت آجائے گی اگرچہ تم بڑے بڑے محلوں میں رہو۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے وفات کے وقت کتنی سچی بات فرمائی "میرے جسم میں ایک بالشت برابر بھی جگہ خالی نہیں جہاں نیزے، تلوار کے نشان نہ ہوں لیکن آج اونٹ کی مانند میں اپنے بستر پر جان دے رہا ہوں" اللہ کرے بزدلوں کی آنکھیں کھلیں۔ [3]

سچا مومن بھوک سے بھی نہیں ڈرتا کیونکہ اسے یقین ہے کہ روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والله يرزق من يشاء بغير حساب [4]

اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دے دیتے ہیں۔

اور اسی طرح فرمایا۔

وما من دابة في الارض الا على الله رزقها [5]

---

[1] القرآن - 49:10

[2] القرآن - 78:4

[3] Major General A I Akram, Sword of Allah, National Publishing House Ltd, Karachi, 1970, p 480

[4] القرآن - 212:2

[5] القرآن - 6:11

اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

تیسری چیز جو عسکری میدان میں نفسیاتی طور پر مرعوب کر سکتی ہے وہ فریق مخالف کی فوجی برتری ہے۔ مومن کامل فوجی قوت سے بھی مرعوب نہیں ہوتا۔ اسے اس ارشاد ربانی سے ہمیشہ تقویت ملتی ہے اور قوی سے قوی دشمن کا مقابلہ کرنے کا اپنے آپ کو اہل پاتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن اللّٰه ○ واللّٰه مع الصبرين [1]

بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔

5- دشمن کا مسلسل دباؤ اور اعصابی تناؤ:

جنگی کیفیت کے طول پکڑنے کی صورت میں فوج کو آرام کے مواقع بہت کم میسر آتے ہیں۔ ایسے میں فوجی اعصابی تناؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مسلسل بے خوابی اور جسمانی مشقت دل و دماغ کو متاثر کرتے ہیں ان حالات میں انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ اسے آرام کا موقع ملے وہ بغیر آرام کئے جنگ کے اگلے مرحلے میں جانے سے گریز کرتا ہے۔ مدمقابل ہمیشہ اس تاک میں رہتا ہے کہ وہ اپنے دشمن کی اس ذہنی کیفیت سے فائدہ اٹھائے چنانچہ وہ تازہ دم فوج میدان میں بھیج کر حالات کا رخ اپنے حق میں موڑ لیتا ہے۔ اعصابی تناؤ کی شکار فوج تمام تر ترغیبات کے باوجود لڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ تھکاوٹ کی وجہ سے فوجیوں کی مقابلہ کی سکت کمزور پڑ جاتی ہے ان میں فیصلہ کرنے کی قوت ماند پڑ جاتی ہے اور وہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے البتہ اگر انہیں پہلے سے ذہنی طور پر تیار کر رکھا ہو تو دباؤ کے باوجود مقابلے کے لئے نکلنا سہل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ غزوہ احد میں انہیں زخموں سے چور مجاہدین کو دوبارہ نکلنے کے لئے کہا گیا جو پہلے اس میں حصہ لے چکے تھے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے مستقل ہدایات دی ہیں جیسے کہ فرمایا: الذين استجابوا اللّٰه والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذين احسنوا منهم واتقوا اجر عظيم [2]

---

[1] القرآن - 2:249، 250

[2] القرآن - 3:172

جنہوں نے اللہ اور رسول کی دعوت "القتال" پر لبیک کہا حالانکہ گہرے زخم بھی کھا چکے تھے ان کے لئے ان کی اس نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے پر بہت بڑا ثواب ہے۔

دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

ولا تھنوا فی ابتغاء القوم ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون و ترجون من اللہ ما لا یرجون و کان اللہ علیما حکیما [1]

اس گروہ کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو (سستی نہ دکھاؤ) اگر تم لڑائی میں تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو (ابدی نعمت و ثواب کے) جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں اللہ تعالیٰ علم و حکمت والے ہیں۔

ایک اور جگہ یوں فرمایا:

وکاین من نبی قتل معہ ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ و ما ضعفوا و ما استکانوا واللہ یحب المحسنین [2]

اور اس سے پہلے بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کے اللہ والوں نے جہاد و قتال کیا اور اللہ کی راہ میں (جہاد) میں جو بھی مصیبتیں ان پر آئیں انہوں نے نہ ہمت ہاری نہ کمزوری دکھائی اور نہ (کفار کے سامنے) عجز و بیچارگی کا اظہار کیا۔ اللہ پاک صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

6- دشمن کی پیش قدمی:

میدان کارزار میں فتح و شکست میں سے ایک مقدر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو بھی آزمائش میں سے گزرنے کے لئے پہلے سے تیار کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباساء والضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب [3]

---

[1] القرآن - 4:104

[2] القرآن - 3:146

[3] القرآن - 2:214

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور تم کو کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آئے گا جو تم سے پہلے گزرنے والے اہل ایمان کو پیش آیا ان پر ایسی تنگی اور سختی آئی اور اس سختی سے جھنجوڑے گئے کہ اس زمانے کے اہل ایمان حتیٰ کہ پیغمبر بھی پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی موعودہ امداد کب آئے گی؟ یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت قریب ہے۔

یعنی اہل ایمان اور ان کے لشکروں کو اگر ہزیمت یا مشکل سے دوچار ہونا پڑ جائے تو گھبراہٹ نہیں ہونی چاہئے اللہ والوں پر بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں آخر میں خداوند کریم نے اپنی نصرت سے ان کو نوازا اور کامیاب کیا ہے۔

اسی طرح غزوہ احد میں ہزیمت کے موقع پر اس حقیقت کو یوں یاد دلایا، جیسے فرمایا:

ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ و تلک الایام نداولھا بین الناس [1]

یعنی اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو اس سے قبل اسی طرح تمہارے دشمن کو بھی زخم پہنچ چکا ہے۔ یہ احوال ہیں جو لوگوں میں باہم تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

شکست خوردہ سپاہ کے اندر خود اعتمادی ختم ہو جاتی ہے اس کے نظم و ضبط میں کمی آجاتی ہے۔ بعض اوقات افراد کا اپنے قائد پر سے اعتماد بھی اٹھ جاتا ہے۔ شکست ذہنوں میں دشمن کی بالا تری کا خوف بٹھا دیتی ہے شکست خوردہ اذہان ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتے ہیں اور میدان جنگ کا منظر ذہن میں لاتے ہی ان کے اندر فرار کی سوچ پروان چڑھتی ہے پسپا ہونے والی فوج دشمن کی نفسیاتی چالوں میں بہت آسانی سے پھنس جاتی ہے اگر یہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار رہے تو فوج کے لئے بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔ فوج کو شکست کے اثرات سے نکالنے کے لئے ہنگامی بنیادوں پر کام کر کے مستقبل کی جنگ جیتی جا سکتی ہے۔

مگر سچا مسلمان کسی غلبہ کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی شکست تسلیم کرنے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ اسے ہر تنگی کے بعد آسانی کا یقین ہے اور بالآخر سرفرازی کا بھی یقین ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان مع العسر یسرا [2]

---

[1] القرآن - 3: 140
[2] القرآن - 94: 6

بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی آنے والی ہے۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنٰفقین لا یعلمون [51]

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے لیکن منافق اس بات کو نہیں جانتے۔

فصل سوم ---- موجودہ نظام تربیت میں مجوزہ اصلاحات

تحقیق کے نتیجہ میں جو باتیں سامنے آئی ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں عسکری جذبہ محرکہ کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ آج کے حالات میں بھی مکمل طور پر قابل عمل ہے۔ اس وقت افواج پاکستان میں عسکری جذبہ محرکہ پیدا کرنے، اس پر مثبت اثرات پیدا کرنے اور منفی اثرات کے سدباب کے سلسلے میں جو کچھ کیا جارہا ہے۔ اس میں بہتری کی کافی گنجائش موجود ہے اور یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کے عسکری جذبہ محرکہ کے تصور سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے موجودہ نظام کو اگر احسن نہج پر ترتیب دیا جائے تو پاکستانی جوانوں کے دل میں موجودہ جذبہ جہاد و شوق شہادت کو کئی گنا بڑھایا جاسکتا ہے اس طرح افواج پاکستان دشمن کی عددی اور مادی برتری کے باوجود اس پر غالب آسکتی ہیں۔

ذیل میں چند امور کا ذکر کیا جاتا ہے جو موجودہ نظام کو مزید بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

1- تقویت ایمان کے لئے جہد مسلسل:

گزشتہ ابواب کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات کی تلاوت سپاہی کے ایمان و یقین میں پختگی کا باعث بنتی ہے۔ جیسا کہ قرآن خود اس کی تصدیق کرتا ہے۔

واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا [52]

جب ان کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

اگر پاک فوج کا ہر سپاہی قرآن پاک کی تفہیم اور تلاوت کا اہتمام کرے تو ایمان کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔ تجویز

---

[51] القرآن - 8:63

[52] القرآن - 2:8

کیا جاتا ہے کہ قرآنی تعلیمات کو مزید منظم کیا جائے نیز سپاہی سے لے کر بڑے سے بڑے آفیسر کا قرآنی تعلیمات کے پروگرام میں پورا وقت حاضر ہونا ضروری ہے ہر روز فجر کی نماز کے بعد مسجد میں آدھے گھنٹے کا درس قرآن ہو۔ جس سے تقریباً ساڑھے چار سال میں ایک فوجی کو قرآن کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملے گی بعد میں اس پروگرام سے فارغ التحصیل لوگ اپنے اوقات میں مسجد میں ہی قرآن پاک کی تلاوت کریں۔ قرآنی تعلیمات کے لئے مدرسین کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔

ایمان کے ساتھ ساتھ افراد میں تقویٰ کی صفت پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ ایمان و تقویٰ کا اشتراک فوجی کو زیادہ متحرک بناتا ہے۔ اس مقصد کے لئے مسجد میں روزانہ درس قرآن کے ساتھ ساتھ عشاء کے بعد دس سے پندرہ منٹ تک درس حدیث بھی دیا جائے۔ ابتداء میں تقویٰ کی تعلیم دینے اور اعمال صالحہ کا شوق دلانے کے لئے حدیث کی کتاب ریاض الصالحین کو نصاب بنایا جائے۔ ریاض الصالحین ان احادیث صحیحہ پر مشتمل ہے جن میں آخرت کا خوف اور اس کے لئے تیاری کی رغبت موجود ہے نیز ان کے ظاہری و باطنی صفائی کے اور ترغیب و ترہیب کے ملے جلے معانی سے دلوں کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے۔

پھر جہاد کی ترغیب دلانے کے لئے صحاح ستہ کی جہاد اور سیرت کی کتب میں سے انتخاب کر کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ صحاح ستہ احادیث کی ان چھ کتابوں کے مجموعہ کا نام ہے جنہیں علم حدیث میں سب سے زیادہ صحیح اور سنت رسول ﷺ کا مستند ذخیرہ تسلیم کیا گیا ہے یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔ ان کے مولفین نے احادیث کے بڑے بڑے مجموعوں میں سے پوری جانچ پڑتال کے بعد نہایت محنت و مشقت کے بعد مستند احادیث کو ان کتابوں میں جمع کیا ہے جو آج تک قابل اعتبار چلی آرہی ہیں۔

اسی طرح احوال آخرت اور جنت و دوزخ کے بارے میں قرآن و حدیث سے انتخاب کر کے اس کے ترجمہ، تفسیر اور تشریح پر مشتمل نصاب تیار کیا جائے اور اسے ہر یونٹ میں کمپنی کی سطح تک تقسیم کیا جائے۔ آیات و احادیث کا ترجمہ سلیس زبان میں کیا جائے اور جدید تفاسیر و شروح سے استفادہ کیا جائے۔

2- نظریہ سے وابستگی اور جہاد پر مداومت:

ارشاد ربانی ہے: وجاھدوا فی اللّٰہ حق جہادہ [1] اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح ارشاد نبویؐ ہے: الجھاد ماض الی یوم القیامۃ [2] کہ جہاد یوم قیامت تک جاری رہے گا۔ نیز فرمایا کہ: الجھاد واجب علیکم مع کل امیر برا کان او فاجرا [3] جہاد تم پر ہر امیر کے ساتھ واجب ہے چاہے وہ نیک ہو اور چاہے گناہگار ہو۔

امام شافعی کا خارجہ تعلقات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے دور کے مسلم حکمرانوں کو یہ مشورہ دینا بھی قابل فہم ہے کہ وہ مشرکین کے ملک پر زیادہ نہیں، تو سال میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور چڑھائی کریں اور دس سال سے زائد عرصہ پر مشتمل کوئی معاہدہ صلح قبول نہ کریں۔ ان کی یہ رائے "سنت" کی اس نظیر پر قیاس مبنی ہے کہ آنحضور ﷺ مدنی دور میں اوسطاً ایک سال میں ایک جنگ لڑی اور دس سال سے زائد وقفہ کا کوئی معاہدہ صلح نہیں کیا۔ [4]

3- نظام صلوٰۃ کا قیام:

14 اگست 1984ء کو یوم آزادی کے موقع پر صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کے عوام سے خطاب کیا اور سورۃ الحج میں مرقوم ارشاد خداوندی الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر" [5]

یعنی "یہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں" کی تلاوت کی اس ضمن میں ارشاد نبوی ﷺ یوں ہے:

رأس ھذا الامر الاسلام ومن اسلم سلم و عمودہ الصلوٰۃ وذروۃ سنامہ الجھاد لا ینالہ الا افضلھم" [6]

"اس امر (انسان کی کامیابی) کا سر (دارومدار) اسلام ہے جو اسلام لے آیا وہ سلامتی میں آگیا اور اس کا عمود نماز ہے اور اس کی کوہان کی چوٹی جہاد ہے جو افضل لوگوں کو نصیب ہوتا ہے" نماز کی اس اہمیت کے پیش نظر اور حکم

---

[1] القرآن - 22 : 78

[2] السیوطی، جلال الدین، الجامع الصغیر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، 1981ء، ص 564

[3] الشافعی، محمد بن ادریس، الام، دار صادر، بیروت، 1979ء، 4/90-91

[4] ابن رشد، بدایۃ المجتہد، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، الہند، 1356ھ، 1/313-314

[5] القرآن - 22 : 41

[6] السیوطی، جلال الدین، الجامع الصغیر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، 1981ء، 2/3

خداوندی کی تعمیل میں نظام صلوٰۃ کے قیام کے لئے ایک صدارتی فرمان جاری کیا گیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"نظریہ پاکستان کے تقاضوں کے تحت جب تک ہر جگہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام نہیں ہوگا نظام اسلام کے مقاصد صحیح طور پر حاصل نہیں ہو سکیں گے اقامت صلوٰۃ وہ واحد رکن دین ہے جس کی قرآن حکیم میں سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اس کا اہتمام کرنا قائدین کے فرائض میں شامل ہے۔ لہٰذا اس کار خیر کی ابتداء 14 اگست 1984ء سے کی جا رہی ہے اور اس بابرکت دن سے ملک بھر میں اقامت صلوٰۃ کی تحریک کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ملک میں بسنے والے مسلمانوں کو باقاعدہ پنجگانہ نماز پڑھنے کی ترغیب دی جائے اور ترغیب و تلقین کا کام اللہ کے ان بندوں کو سونپا جائے جو خود پنجگانہ نماز کے پابند ہیں۔ نیک شہرت رکھتے ہیں۔ ان کو ناظم صلوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔ ان افراد کا واحد اور اہم ترین فرض یہ ہوگا کہ وہ اپنے اپنے حلقے کے لوگوں کو پنجگانہ نماز ادا کرنے کی ترغیب دیں اور جب مؤذن مسجد سے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح یعنی "نماز کی طرف آیئے" نجات کی طرف آیئے کی صدا بلند کرے تو اس بلاوے میں مؤذن کی آواز تنہا نہ ہو بلکہ ہماری تو خواہش یہ ہے کہ مؤذن کے الفاظ اس حلقے کے ہر فرد کی زبان پر ہوں اور ہر طرف بے ساختہ اور والہانہ طور پر "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کی روح پرور صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اور سننے والوں کے دلوں میں ایسا ولولہ پیدا ہو جائے کہ نماز کے وقت کسی کا گھر بیٹھے رہنا ناممکن ہو جائے۔ اور تمام پاکستانی جن کے دلوں میں پہلے ہی حب دین موجود ہے جوق در جوق مسجدوں کا رخ کریں اس مملکت خداداد کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت کا قابل رشک نمونہ بنا دیں"

پاکستانی افواج چونکہ نظریہ پاکستان کی حفاظت کے لئے ہراول دستہ کا مقام رکھتی ہیں۔ لہٰذا سپاہ کا نماز کی پابندی کرنا ان کا اولین فرض بنتا ہے۔ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ ہر سطح کے کمانڈر کو ناظم صلوٰۃ مقرر کیا جائے اور اسی طرح افواج کے اندر اس فریضہ کی پابندی کو یقینی بنایا جائے۔

4- مسجد کی مرکزیت کا احیاء:

دینی و پیشہ ورانہ تربیت کے لئے مسجد کو مرکزی مقام دیا جائے پانچوں نمازوں پر جملہ افراد کی حاضری

سلہ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی، 16 اگست 1984ء

and Daily "DAWN" Karachi, 6 Aug 1984

(Parade State) مسجد میں لی جائے۔ اس طرح تمام نمازیں باجماعت ادا کی جا سکیں گی اور نماز کے قیام کا رجحان بڑھے گا۔ غیر رسمی امور میں مشورہ کے لئے مسجد میں اجتماع ہو۔ جنگی مشقوں اور جنگ کے لئے روانگی مسجد سے ہی اجتماعی دعا کے ساتھ ہو۔ نیز واپسی پر مسجد میں شکرانے کے نوافل ادا کئے جائیں تو اللہ کی مدد یقیناً شامل حال ہو گی۔

اسلام کی بنیاد توحید پر ہے اور وحدت کا مرکز مسجد ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید گویا ہے:

وان المسٰجد للّٰه فلا تدعوا مع اللّٰه احدا[1]

"بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو"

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

انما یعمر مسٰجد اللّٰه من آمن باللّٰه والیوم الآخر[2]

"خدا کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں"

گویا مسجد کی مرکزیت بحال کرنے سے توحید کا اثبات رچ چکا ہو گا اور عساکر کے یقین مضبوط ہوں گے اور دشمن پر فتح کے لئے اللہ کی مدد و نصرت شامل ہو گی۔

5۔ مشاہیر اسلام کے کارناموں سے راہنمائی:

اسلاف کے حالات اور کارناموں کے متعلق پڑھنے اور سننے سے تحریک اور قوت عمل پیدا ہوتی ہے۔ سیرت نبوی اور تاریخ اسلامی پڑھنے سے دل متحرک ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ[3]

"تم پر ضروری ہے کہ میری سنت اور میرے خلفاء راشدین و مھدیین کی سنت کو لازم پکڑو بلکہ اسے اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑو"

ان تعلیمات پر مشتمل ایک علیحدہ کتاب وقت کی ضرورت ہے۔ اس کتاب سے نماز عصر کے بعد روزانہ کچھ صے پڑھائے جائیں۔ تجویز کیا جاتا ہے کہ شام کا کھیل کا پیریڈ (Period) اس عمل کے بعد شروع کیا جائے اور عصر کی

---

[1] القرآن - 18:72

[2] القرآن - 9 18

[3] ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، مطبع صدیقی، لاہور، 1993ء

نماز کے بعد ہر یونٹ کی حاضری مسجد میں لی جائے اس طرح زیادہ سے زیادہ آدمی نماز باجماعت میں شریک ہوں گے۔ اسلاف کے کارناموں کے متعلق دو کتابیں نصاب میں شامل کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ مثلاً شعبہ دینی تعلیمات جی ایچ کیو راولپنڈی کی مرتب کردہ کتاب نامور مسلم سپہ سالار اور طالب ہاشمی کی تالیف کردہ کتب رحمت دارین کے سو شیدائی[51]، خیر البشر کے چالیس جانثار[52] اور تمیں پروانے شمع رسالت کے[53]

6- ہر نافع علم کے حصول کی کاوش:

آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیثما وجدھا فھو احق بھا[54]

دانائی کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں سے اس کو مل جائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

پاکستانی سپاہ کے لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی اس ہدایت کی روشنی میں ہر قسم کے عسکری اور پیشہ ورانہ علوم کو حاصل کرنے کے لئے پوری منصوبہ بندی کرے خصوصاً سپاہ کے اندر ہر حال میں دشمن پر برتری حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

7- ملی شعراء کے کلام سے استفادہ:

تجویز کیا جاتا ہے کہ آرمی میں چلائے جانے والے مختلف کورسوں کے لئے ان مسلمان شعراء کے کلام سے انتخاب کر کے شامل نصاب کیا جائے جنہوں نے امت کے اندر جذبہ جہاد پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری کا کلام اس کے لئے بہت ہی معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ علامہ محمد اقبال مرحوم نے اپنے کلام میں ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے، ان میں جذبہ جہاد کو زندہ کرنے، غلامی کا جوا اتار پھینکنے اور آزادی کے متوالے بننے کی تلقین کی ہے۔ علامہ نے مسلمانوں میں توحید باری تعالیٰ اور حب رسول ﷺ کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دی ہے۔ خصوصاً نوجوانوں کو جہد مسلسل اختیار کرنے اور عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ان کے جذبات کو نہایت موثر طریقے سے ابھارا ہے علامہ کا کلام عساکر پاکستان میں جذبہ جہاد کو زندہ کرنے کا موثر ذریعہ

---

[51] طالب ہاشمی، رحمت دارین کے سو شیدائی، مطبع شعاع ادب، چوک انار کلی، لاہور

[52] طالب ہاشمی، خیر البشر کے چالیس جانثار، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور

[53] طالب ہاشمی، تمیں پروانے شمع رسالت کے، مکتبہ چراغ اسلام، اردو بازار، لاہور

[54] ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، کتاب الزھد، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت، 2/ 1395

ثابت ہو گا۔

حفیظ جالندھری مرحوم نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو اشعار کی صورت میں لکھا ہے نیز اسلام اور کفر کے درمیان لڑی جانے والی جنگوں میں مسلمانوں کی بہادری اور ان کے جذبہ جہاد کو موثر انداز میں پیش کیا ہے یوں مسلمانوں کو اپنا ماضی یاد دلا کر انہیں اپنے گم کردہ مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان کے اشعار عساکر پاکستان میں جذبہ جہاد کو بیدار کرنے میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

خطبات کے دوران ان اشعار کا استعمال ولولوں کو تازہ کر دیتا ہے۔ جنگ کے مختلف مرحلوں میں آیات قرآنی کے ساتھ ساتھ یہ اشعار بھی پڑھے جائیں تاکہ جذبہ جہاد میں انگیخت پیدا کی جا سکے۔ اس عمل کی تائید اس ارشاد ربانی سے بھی ہوتی ہے۔

یایها النبی حرض المؤمنین علی القتال [91]

"اے نبی ﷺ آپ مومنوں کو جنگ کی ترغیب دیں"

8- وقتی پسپائی کے منفی اثرات کا ازالہ:

غزوہ احد کی شکست کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے قرآن مجید یوں گویا ہے۔

ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله [92]

"اگر تمہیں (اب احد میں) زخم پہنچا ہے تو اسی طرح تمہارے دشمن کو (اس سے پہلے بدر میں) زخم پہنچ چکا ہے"

1971ء میں پاک فوج کو جس شکست کا سامنا کرنا پڑا اس کے موجود اثرات کو زائل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل فوری اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں:

الف۔ ہر سال دسمبر میں حکومتی سطح پر ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبارات میں ایسے پروگرام نشر اور شائع کئے جائیں جن میں فوج کی تذلیل اور طعنوں کا پہلو ختم کر کے شکست کو جنگ کا ایسا منطقی نتیجہ قرار دیا جائے جس کا بعض حالات میں بڑی بڑی تحریک یافتہ (Motivated) افواج کو بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی افواج میں اس شکست کا بدلہ لینے

---

[91] القرآن۔ 8: 65

[92] القرآن۔ 3: 140

کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

ب۔ ہر سال 16 دسمبر کو یوم سوگ کے طور پر منایا جائے اور یہ عہد کیا جائے کہ ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کیا جائے گا۔ اس کے لئے لیکچرز اور مضامین میں تاریخ اسلامی کی ان ابتدائی جنگوں کا ذکر کیا جائے جن میں مسلم سپاہ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بھی بتایا جائے کہ ان افواج نے بعد میں کس طرح ان شکستوں کا بدلہ لیا۔ ان واقعات کا بار بار تذکرہ کیا جانا ضروری ہے۔

ج۔ 16 دسمبر کو ہر یونٹ میں ایسے پروگرام ترتیب دیئے جائیں جن میں جوانوں کو یہ واقعہ یاد دلا کر دشمن سے بدلہ لینے کے لئے ابھارا جائے۔ اس دن نماز فجر کے بعد قرآن خوانی سے ابتداء کی جائے۔ شکست کے اسباب و اثرات پر لیکچر دیئے جائیں اور شام کو اسی قسم کی تاریخی فلمیں دکھائی جائیں۔

9۔ دشمن کی چالوں کا ادراک اور اس کا تدارک:

ہر فوجی کو دشمن کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرنے کے لئے ایسی فلمیں تیار کی جائیں جو دشمن کے عزائم کی عکاسی کرتی ہوں۔ ہندو ذہنیت اور ان کے عزائم سے فوجی جوانوں کو آگاہ کرنے کے لئے بھارت کی قوم پرست سیاسی پارٹیوں کے منشور کے وہ حصے شائع کئے جائیں جن سے ان کی اسلام دشمنی اور پاکستان دشمنی نمایاں ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے فوجیوں کو آپریشن گولڈن ٹیمپل (Operation Golden Temple)، بابری مسجد کی شہادت اور اس دوران اختیار کردہ ہندو درندگی کے بارے میں مکمل آگاہی دلائی جائے اس مقصد کے لئے ان شعبوں کے ماہرین کو فوج میں تواتر کے ساتھ مہمان مقرر کے طور پر بلایا جائے جو چھاؤنی کی سطح پر اجتماعات سے خطاب کریں۔ اور عساکر پر یہ بات واضح کریں کہ حق کے مقابلہ میں باطل یوں کوشاں رہے گا۔ کبھی کھل کر سامنے آئے گا اور کبھی منافقت اختیار کرے گا۔ قرآن مجید اس حقیقت کو مسلمانوں پر یوں عیاں کرتا ہے:

وممن حولكم من الاعراب منٰفقون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم [91]

---

[91] القرآن۔ 9:101

ہماری سرحدات پر جو خطرات منڈلا رہے ہیں عام فوجی کو اس سے باخبر رکھنے کے لئے ہفت روزہ "ہلال" میں نہ صرف مضامین لکھے جائیں بلکہ بڑی بڑی خبریں بھی شائع کی جائیں۔ اسی ہفت روزہ کے ذریعے افواج کو اپنی اور دشمن کی حربی صلاحیت سے بھی آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ ہفت روزہ کو ترجیحی لحاظ سے مزید موثر بنانے کے لئے اسلامی تاریخ سے ایمان افروز واقعات کے اقتباسات شائع کئے جائیں دشمن کے بارے میں پہلے سے باخبر رہنا اور اس کے منصوبے کو سامنے رکھتے ہوئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

خذوا حذرکم [91]

"(دشمن کے بارے میں) اپنی احتیاطی تدابیر اختیار کرو"

اس طرح نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان میں بھی اسی طرف اشارہ ہے جس میں کہا کہ:

سیصیر الامر الیٰ ان تکونوا جنودا مجندۃ جند بالشام و جند بالیمن و جند بالعراق [92]

ترجمہ: عنقریب غلبہ اسلام یہاں تک پہنچ جائے گا کہ تم مسلح لشکر کی صورت اختیار کرلو گے، ایک فوجی دستہ شام میں، ایک یمن میں اور ایک عراق میں موجود ہوگا۔

10- عسکری قوت کا اظہار:

جنگ موتہ کے محرکات کو پیش نظر رکھا جائے تو اسلام میں سفیر کا قتل بھی جنگ کا جواز ٹھہرتا ہے سفیر کا قتل درحقیقت اعلان جنگ کے مترادف تصور کیا جاتا ہے، صلح حدیبیہ کے وقت جب یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ رسول ﷺ کے سفیر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا تو آپؐ نے تمام صحابہؓ سے خون پر بیعت لی۔ کیونکہ یہ قومی وقار کا مسئلہ تھا اور خدانخواستہ یہ خبر صحیح ہوتی تو اس موقع پر جنگ ناگزیر تھی۔ جنگ موتہ اس لئے شام کے ساحل پر جا کر لڑی گئی کیونکہ عیسائیوں کے رئیس شرجیل بن عمرو نے نبی اکرم ﷺ کے پہلے قاصد دحیہ کلبی کو لوٹ لیا تھا۔ اور دوسرے قاصد حارث بن عمرو کو قتل کر دیا تھا جب کہ خود آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ بین الاقوامی سفارتی آداب کو ملحوظ رکھا گویا

---

[91] القرآن - 71:4

[92] الطبری، ابو جعفر بن جریر، تاریخ طبری، دار صادر، بیروت، 343/3
و ابن اثیر، علی بن محمد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 1979ء، 275/2
و الالبانی، صحیح الجامع الصغیر و زیادۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، 1988ء، 682/1

دشمن کو ڈرانا اور بروقت اس پر رعب ڈالنا ضروری ہے۔

گویا تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو۔ اور عجز و تخنث پیدا کرتی ہو۔ عریاں صحافت نگاری، فحش اور ملحد ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی اور فسق و فجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کر رہا ہو۔ ان پیشہ وروں کو رسول ﷺ کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں جو نسل انسانی کے قلب و اخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اور فسق و معصیت اور فحش پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لئے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں عساکر اسلام کے قائدین نے خصوصی التزام کے احکامات جاری کئے۔ ابوبکرؓ نے امراء شام کو حکم دیا کہ:

انكم اعوان اللّٰه واللّٰه ناصر من نصره ۔ ... فاحترسوا من الذنوب[91]

تم یقیناً اللہ کے مددگار ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے تمہاری مدد کرے گا۔ پس تم گناہوں سے ضرور اجتناب کرو۔

حضرت عمرؓ نے سعد بن وقاص کو یہ احکامات جاری کئے:

و آمرك ومن معك بان تكونوا اشد احتراسا من المعاصي من عدوكم فان ذنوب الجيش اخوف عليهم من عدوهم[92]

میں تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں انہیں حکم دیتا ہوں کہ تم سب نہایت شدت سے گناہوں سے بچو، اپنے ہاں بھی اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی۔ کیونکہ عساکر کے گناہ ان کے لئے دشمن کے مقابلے میں زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہیں۔

11- عساکر کی اعلیٰ کارکردگی پر حوصلہ افزائی:

تمام یونٹوں کو ایسے القابات دیئے جائیں۔ جن سے اسلامی تشخص جھلکتا ہو۔ یہ القابات یونٹ کے دفاتر اور رہائش گاہوں میں مناسب جگہوں پر تحریر کئے جائیں۔ ٹریننگ اور کھیلوں کے مقابلوں میں ان القابات کا متواتر استعمال کر کے جوانوں میں دینی مناسبت اور جذبہ مسابقت پیدا کیا جائے یہی القابات پیشہ ورانہ سرگرمیوں اور جنگی مواقع پر استعمال

[91] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، المکتبہ القدوسیہ، لاہور، 352/6

[92] ابن عبد ربہ، العقد الفرید، لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، بیروت، 1990ء، 130/1

کر کے عسکری جذبے میں جوش پیدا کیا جا سکتا ہے۔

12- سپاہ کی پیشہ ورانہ یکسوئی کا اہتمام:

شہری زندگی میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی فوج کے نظم و ضبط، وقار اور ٹریننگ کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ چھاؤنیوں میں رفتہ رفتہ سول آبادی کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ خصوصاً چھاؤنیوں کے اندر بازاروں کا حجم بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ اور کاروبار پھیلتے جا رہے ہیں۔ سویلین لوگوں کے ساتھ مسلسل رابطے کے نتیجے میں فوجی جوان کاروبار وغیرہ میں زیادہ دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف ان کی سپاہیانہ شان متاثر ہوتی ہے بلکہ دوسروں پر بھی برے اثرات پڑتے ہیں۔ جس سے مجموعی طور پر پوری فوج کی لڑنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ تجویز کیا جاتا ہے کہ بازاروں کے حجم کو محدود رکھا جائے اور برسرکار فوج کو ایسے توجہ منتشر کرنے والے امور سے دور رکھا جائے۔ یہ بھی تجویز کیا جاتا ہے کہ فوجی مشقوں کا دورانیہ بڑھا کر فوج کو زیادہ عرصے تک شہروں سے دور رکھا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ان جیسے مقاصد حاصل کرنے کے لئے سپاہ کو خصوصی ہدایات جاری کی تھیں:

قال عمر رضی اللّٰہ عنہ لاھل آذربائیجان اتزروا و ارتدوا، وانتعلوا وایاکم والتنعم وزی العجم، و علیکم بالشمس فانھا حمام العرب و تمعددوا و اخشوشنوا و اخلولقوا واقطعوا الرکب وانزوا علی الخیل نزوا وارتموا الاغراض[51]

دینی اور نظریاتی تربیت کے ساتھ ساتھ دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کی جا سکتی ہوں انہیں اختیار کیا جانا چاہئے۔ مضبوط فوجی چھاؤنیاں بنائی جائیں، دفاعی حصار اور جنگی اڈے تعمیر کئے جائیں۔ عسکری تربیت کا جال پھیلایا جائے۔ جنگی مشقیں جاری رکھی جائیں، ایسے تمام امور کو بہترین شغل بتایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

و علیکم بالرمی فانہ من خیر لھوکم[52]

ترجمہ:۔ "تم ضرور تیر اندازی کرو اور یہ تمہارے لئے بہترین کھیل ہے"

اسی طرح حضرت عمرؓ کا قول ہے "علموا اولادکم الرمی والفروسیۃ۔"[53]

ترجمہ:۔ "اپنی اولاد کو تیر اندازی اور شہ سواری سکھاؤ"

---

[51] ابن قیم، الجوزیہ، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر، الفروسیہ، دار التراث العربی للطباعۃ والنشر، بیروت، ص 15
وابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم، عیون الاخبار، دار الکتاب العربی، بیروت، 132/1

[52] السیوطی، جلال الدین، الجامع الصغیر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1981ء، 168/2

[53] ابن تیمیہ، شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، الفتاوی، 28:9، 10

جس کی طرف قرآن مجید میں یوں اشارہ ہے:

و اعدوا لھم ما استطعتم [51]

ترجمہ:- اور ان کے لئے تیار رکھو جتنی تمہیں استطاعت ہو۔

اگر اس تیاری میں سستی کر دی تو دشمن پہل کر جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں تنبیہ کی گئی ہے:

ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم و امتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ [52]

"کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں"

عوام کو اسلحہ اور شہری دفاع کی برابر تربیت دی جاتی رہے، تاکہ دشمن پر دھاک بیٹھتی رہے اور اسے نقض امن کی جرات نہ ہو۔ اور عساکر پاکستان اس ارشاد ربانی کی تعبیر بن جائیں جس میں کہا گیا ہے:

لانتم اشد رھبۃ فی صدورھم من اللّٰہ [53]

ترجمہ: البتہ ان کے دلوں میں تمہارا رعب اللہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

نصرت بالرعب مسیرۃ شھر [54] مجھے ایک ماہ کی مسافت کے برابر رعب کے ساتھ نصرت عطا کی گئی ہے۔

اندرونی تیاریوں کے علاوہ بیرونی محاذ مضبوط تر کیا جائے۔ دوستوں اور حلیفوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ دشمن کے کیمپ میں پھوٹ ڈالی جائے اور عسکری تربیت کے لئے بیرون ملک مشن بھیجے جائیں۔ یہ تمام امور دشمن کے دل پر دھاک بٹھانے والے اور اسے جارحانہ کارروائیوں سے باز رکھنے والے ہیں۔ یہ وہی صورت ہے جسے عصر حاضر کی اصطلاح میں "اسلحہ برائے امن" کہا جاتا ہے۔

13- مجاہدین کی فلاح و بہبود کے لئے حتی الامکان کاوش:

مجاہد کی دینی اور نظریاتی تربیت کے ساتھ ساتھ اس کی روز مرہ ضروریات، عائلی اور معاشرتی ذمہ داریاں اور اس کے خاندانی مسائل کا ادراک اور ان سے نمٹنے کے لئے اس کو مناسب سہولتیں میسر کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے عسکری فرائض کو ادا کر سکے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے چار ماہ کے بعد لازماً مجاہد کو محاذ جنگ سے گھر

---

[51] القرآن - 60:8

[52] القرآن - 102:4

[53] القرآن - 59: 13

[54] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، قمر سعید پبلشرز، لاہور، 94/2

بھجوانے کا حکم جاری کیا تھا[illegible] اور عساکر کے لئے صحت افزا مقامات پر چھاؤنیاں بنوانے کا اہتمام کیا تھا۔ اسی طرح اس دور میں بھی مجاہد کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کا مزید اہتمام کیا جائے۔

14- قومی مشن کا تعین اور مستقبل کی دفاعی منصوبہ بندی:

عساکر پاکستان کے لئے ابوالحسن علی ندوی کا یہ قول مشعل راہ بن سکتا ہے جس میں وہ یوں گویا ہیں:

"اگر مسلمانوں کو اسلام کے پیغام کی اشاعت کی خواہش ہے اور وہ دنیا کی قیادت و راہنمائی کا فرض انجام دینا چاہتے ہیں تو ان کو اس کے لئے ممتاز قوت اور تربیت، صنعت و علوم، تجارت اور فن حرب میں مکمل تیاری کی ضرورت ہوگی ان کو زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے مستغنی اور بے نیاز ہونا پڑے گا۔ مسلمان اس سطح پر ہوں کہ اپنے لئے پہننے اور کھانے کا سامان کر سکیں اپنے لئے ہتھیار تیار کر سکیں۔

مسلمانوں کی اپنی زندگی کے معاملات کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہو اپنی زمین کے خزانے وہ خود برآمد کر سکیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں اپنی حکومتوں کو اپنی دولت اور اپنے آدمیوں کے ذریعے چلائیں اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے سمندروں میں اس کے بحری بیڑے اور جہاز شور کر رہے ہوں۔

وہ دشمن کا مقابلہ اپنے یہاں جنگی جہازوں، توپوں اور ہتھیاروں سے کریں ان کی برآمد ان کی درآمد سے زیادہ ہو اور انہیں مغربی ممالک سے قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے ان کو اس سے کسی جھنڈے کے نیچے نہ آنا پڑے اور وہ کسی کیمپ میں شامل ہونے پر مجبور نہ ہوں"[illegible]

ایسا کرنے سے ہی امت مسلمہ بالعموم اور پاکستانی قوم بالخصوص اس ارشاد نبوی ﷺ کی مصداق بن سکے گی جس میں فرمایا:

"المؤمن القوی خیر و احب الی اللّٰہ من المؤمن الضعیف و فی کل خیر"[illegible]

کہ طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور مومن کے مقابلہ میں بہتر اور محبوب ہے البتہ دونوں میں خیر ہے۔

اس ذیل میں حضرت عمرؓ نے یوں فرمایا: اُرایتم ھذہ الشغور لا بدلھا من رجال یلزمونھا"[illegible] کہ کیا تم نے یہ سرحدات دیکھی ہیں۔ ان کی نگرانی کے لئے ماہر آدمیوں کا ہونا لازمی ہے۔

[illegible] السیوطی، علامہ جلال الدین، تاریخ الخلفاء، مجیں الیڈی، 1983ء، ص: 143

[illegible] ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص 380

[illegible] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب القدر، باب الایمان بالقدر والاذعان لہ، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 1981ء، 338/2

[illegible] ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن، الہند، 1356ھ، ص: 70

فصل چہارم ---- شعبہ ہائے دینی تعلیمات کو مزید فعال بنانے کے لئے تجاویز

ابتدائیہ:

افواج پاکستان کے شعبہ ہائے دینی تعلیمات بہت عمدہ کام کر رہے ہیں۔ البتہ بہتری کی گنجائش ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتی ہے نیز یہ کہ علم کی کوئی حد نہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وفوق کل ذی علم علیم [1] کہ ہر علم والے سے اوپر دوسرا علم والا موجود ہے بنیادی طور پر اس شعبہ میں مزید بہتری کے لئے یہ تجویز دی جاتی ہے کہ سپہ سالار اور دینی معلمین کو اپنی کاوشیں دوچند کر دینی چاہئیں۔ جیسا کہ ایک مسلم مفکر نے کہا ہے: "ینبغی للملک ان ینصب لا ھل الحرب قصاصا و خطباء یذکرونھم الحرب والوقائع الماضیۃ والغزوات السابقۃ و مواقع الشجعان و مصارع الفرسان" [2] یعنی حاکم وقت کو چاہئے کہ جنگ کرنے والوں کے لئے معاوضہ مقرر کرے، خطباء جنگ کے لئے نصیحت کریں، ماضی کے واقعات بیان کریں، سابقہ جنگوں کی یاد دلائیں، بہادری و شجاعت کے واقعات بیان کریں اور شہ سواروں کی جرات و دلیری کی تفصیل بیان کریں۔

مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی مندرجہ ذیل تجاویز دی جاتی ہیں۔

1- شعبہ جات کی تشکیل نو اور افرادی قوت میں اضافہ:

شعبہ ہائے دینی تعلیمات میں 70ء کی دہائی سے افسروں کی تعداد محدود اور ناکافی چلی آرہی ہے۔ جب کہ اس دوران فوج کے جملہ شعبوں میں توسیع ہوئی اور اس شعبے کی ذمہ داریوں میں بھی بے حد اضافہ ہوا۔ ماہرین کی کمی کے باعث مطلوبہ کام نہ ہو سکا۔ ریسرچ اور نشرو اشاعت کے کاموں کو وسیع بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے شعبہ ہائے موٹیویشن و تعلیمات میں توسیع کی سفارش کی جاتی ہے۔ اس وقت شعبہ ہائے دینی تعلیمات اور سائیکلوجیکل آپریشن ڈائریکٹوریٹ ایک ہی نوعیت کے کام کر رہے ہیں۔ ان کی توانائیوں کو یکجا کرنے اور کوششوں کو مربوط کرنے کی ضرورت

---

[1] القرآن ۔ 12 ، 76

[2] النحوی، صفی الدین بن علی بن طباطبا، تاریخ الفخری، نفیس اکیڈمی، کراچی 1969ء، ص 129

ہے۔ اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ ان دونوں شعبوں کو باہم مدغم کر کے ریلیجس اینڈ موٹیویشن ڈائریکٹوریٹ (Religious and Movtivation Directorate) بنایا جائے جس کا سربراہ ایک ڈائریکٹر جنرل ہو۔ اس کے ماتحت بریگیڈیر کے عہدے کے دو ڈائریکٹر یعنی دینی تعلیمات اور نفسیاتی تربیت کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ اس طرح بہتر نتائج بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں اور کاوشوں کو یکجا بھی کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ یونٹ میں ریلیجس افسر کی تقرری:

ہر بری فوج کی بڑی یونٹ میں، نیز بحریہ اور فضائیہ کے کیمپ میں دینی تعلیمات کے لئے ایک افسر معین کیا جائے جو فاضل درس نظامی ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ و قاری اور ایم اے اسلامیات ہو۔

ب۔ عسکری مراکز میں باصلاحیت افراد کا تقرر:

افواج کے تمام ہیڈ کوارٹرز، بڑے بڑے اداروں اور تربیتی مراکز میں آسامی پیدا کر کے دینی تعلیمات کے ماہر افسر اور خطیب کی تعیناتی عمل میں لائی جائے تاکہ زیر کمان یونٹوں کی دینی اور نظریاتی تربیت کو فعال موثر اور منظم کیا جا سکے۔

ج۔ سنٹرل ریلیجس ریسرچ سیل کی تشکیل:

تینوں مسلح افواج شعبہ ہائے دینی امور کے نمائندوں پر مشتمل ایک مشترکہ شعبہ تحقیق ترتیب دیا جائے۔ جو دینی اور نظریاتی تربیت کے حوالے سے چھپنے والے تمام مواد اور اس میدان میں جاری سرگرمیوں کا تجزیہ کر کے اس کی بہتری کے لئے تجاویز دے نیز یہ شعبہ وفاقی و صوبائی وزارت ہائے مذہبی امور، اسلامی مشاورتی کونسل، اسلامی نظریاتی کونسل، ادارہ ثقافت اسلامی اور تحریک پاکستان ٹرسٹ سے رابطہ کرے۔ اس کے علاوہ یہ شعبہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور ملک کی تمام یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اسلامیات اور اس ذیل کے تمام تحقیقی اداروں سے رابطہ رکھے اور جدید علوم و تحقیق سے افواج پاکستان کو آگاہ کرے۔ مزید برآں یہ کمیٹی تینوں مسلح افواج کی دینی و نظریاتی تربیتی سرگرمیوں میں یکسانیت پیدا کرے اور باہم استفادہ کے لئے رابطہ کا کام کرے۔

د۔ تینوں افواج کی مشترکہ دینی اکیڈمی کا قیام:

تینوں فورسز کی دینی تربیت، موٹیویشن اور دینی تعلیمات کے کورسوں کے لئے آرمی کی سطح پر ایک اکیڈمی قائم کی

جائے۔ اس اکیڈمی کو کالج آف آرمی ایجوکیشن کی طرز پر منظم کیا جائے۔ اس اکیڈمی میں بحریہ اور فضائیہ سے بھی تدریسی عملہ لیا جائے نیز تینوں مسلح افواج کے افسروں، سردار صاحبان اور جوانوں کو یہاں دینی تربیت دی جائے۔ جب کہ دینی تعلیمات کے ذمہ دار افسروں اور خطباء کو اس اکیڈمی میں عسکری اور پیشہ ورانہ تربیت دی جائے۔ مذکورہ اکیڈمی کی کارکردگی کی نگرانی بری فوج کے شعبہ دینی امور کے ذمہ لگائی جائے۔ جب کہ تینوں مسلح افواج کے مرکزی ادارے (جائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی) کی سرپرستی بھی اسے حاصل ہو نیز مسلح افواج کے موٹیویشن، ابلاغ عامہ اور نفسیاتی تربیت کے شعبہ جات کا بھی اس اکیڈمی سے مضبوط رابطہ ہو۔

2- نعرہ تکبیر کے فروغ کے لئے اقدامات:

تکبیر کے نعرے کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ مشقوں کے دوران تمام جارحانہ اقدامات (Offensives) کی ابتداء اسی نعرہ سے کی جائے اور کھیلوں کے مقابلوں میں بھی اس نعرے کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے۔ باقی تمام نعروں سے گریز کیا جائے تاکہ نظریہ توحید کو جاگزیں کیا جائے اور اتحاد و یگانگت کو فروغ دیا جا سکے۔

3- نظریاتی اور تاریخی علوم کی ترویج:

یونٹ کے تفریحی اور علمی مرکز (Infromation and Recreation Room) میں ایسی نظریاتی اور تاریخی فلمیں دکھائی جائیں جن میں اسلاف کی تاریخ اور قرآنی تعلیم جھلکتی ہو نیز ایسی ویڈیو (Video) فلمیں دکھائی جائیں۔ جن سے عسکری جذبہ محرکہ کو جلا ملے اور اعلاء کلمتہ اللہ کا اسلامی جذبہ حریت ذہن نشین ہو۔ مندرجہ ذیل امور اس جہت میں مزید معاون ہو سکتے ہیں:

الف۔ دینی مجلات کی وافر تقسیم:

شعبہ ہائے دینی تعلیمات کے سہ ماہی مجلہ "نشان منزل" خطبات فضائیہ، بحریہ کا دینی مجلہ اور ہفت روزہ "ہلال" کی وافر کاپیاں کمپنی اور پلاٹون کی سطح پر تقسیم کی جائیں تاکہ جوانوں میں دینی مضامین پڑھ کر شوق جہاد میں اضافہ ہو۔

ب۔ بیرون ملک عسکری مطالعاتی وفود کی تشکیل:

دیگر اسلامی ممالک کی افواج کے شعبہ ہائے دینی اور شعبہ ہائے عسکری جذبہ محرکہ (موٹیویشن) کا مطالعہ کرنے کے

لئے شعبہ دینی امور کے مشترکہ وفود تشکیل دیئے جائیں تاکہ ان ممالک کے ان شعبوں سے استفادہ کیا جا سکے۔

3- انگریزی زبان میں دینی لٹریچر کی اشاعت و تشہیر:

قائدین کی تربیت کے لئے انگریزی زبان میں اسلامی تعلیمات، بالخصوص قائدین کے تحریشی خطبات و مواعظ کو چھاپ کر، انہیں مہیا کی جائیں مثلاً حضرت علیؓ نے مالک بن اشتر کو جو جنگی نصیحتیں کیں۔ اس طرح کے پمفلٹ انگریزی میں افسروں میں تقسیم کئے جائیں اس کے علاوہ جذبہ جہاد پیدا کرنے والے اسلامی تاریخ سے واقعات اور مسلم قائدین کے حالات زندگی انگریزی میں جیبی سائز کی کتابوں کی شکل میں مہیا کئے جائیں۔ جس میں قائدین کا عملی رویہ، ذاتی مثال اور اخلاق حسنہ کی جھلک ہو۔ اس کے لئے رہنمائی اس ارشاد ربانی میں ملتی ہے

"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔"[1] "اور ہم نے ہر نبی کو اس کی اپنی قوم کی زبان دے کر بھیجا"

4- بحریہ اور فضائیہ میں مذہبی کورسز اور تقریری مقابلوں کا اہتمام:

بری فوج کی طرح بحریہ اور فضائیہ میں بھی افسران اور نچلے طبقے کے لئے تقریری مقابلوں کا اجراء کیا جائے نیز تینوں مسلح افواج کی سطح پر افسروں، جونیئر کمیشنڈ افسروں اور جوانوں کے لئے کورسز کی تنظیم نو کی جائے موجودہ کورسوں میں آسامیاں بڑھائی جائیں اور ان کا بھی دورانیہ بڑھایا جائے۔ جوانوں کے لئے بھی کورسز شروع کئے جائیں۔ نصاب میں دین پر عمل درآمد کی مشق کرائی جائے مثلاً نماز باجماعت کا اہتمام، امامت کی مشق، نوافل کی پابندی، مساجد میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا۔ تلاوت و تسبیحات کا اہتمام، دین کی دعوت دینے کی مشق، اخلاق حسنہ کا مظاہرہ، کبائر سے اجتناب کا اہتمام، ماتحتوں سے گھل مل کر رہنا اور ہمدردی و تیمارداری کے اعمال اختیار کرنا۔ کورس رپورٹ میں ان اعمال کی پابندی کے معیار کی عکاسی کرنی چاہئے۔ آرمی یونٹ کی طرح بحریہ اور فضائیہ کی چھوٹی یونٹوں میں بھی خطیب کا تقرر کیا جائے۔ اور ان کے انتخاب کے لئے فاضل درس نظامی ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ نیز حافظ اور قاری کی شرط بھی عائد کی جائے۔

بری فوج کی طرح بحریہ اور فضائیہ میں علماء کے تقریری مقابلے اور مقالات لکھنے کے مقابلے ہونے چاہئیں۔

---

[1] القرآن۔ 14:4

5- عربی کو بطور لازمی مضمون عمومیت دینا:

پاکستان ملٹری اکیڈیمی کی طرح فضائیہ اور بحریہ کی اکیڈیمیوں میں عربی کے مضامین کو لازمی قرار دیا جائے اور فہم القرآن کا دورانیہ بڑھایا جائے تجوید و قرات کے ساتھ ناظرہ قرآن مجید کی تدریس کو یقینی بنایا جائے تاکہ اس حکم ربانی پر عمل ہو سکے۔

6- عساکر کی معیاری اور بامقصد بھرتی کے لئے منصوبہ بندی:

قائدین کے انتخاب میں مومنانہ فراست اور تقویٰ کو پیش نظر رکھا جائے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسے مومن کی صفت کے طور بیان فرمایا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: "اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللّٰه"۔[51]

یعنی "مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"

فوجی تربیت کے لئے نوجوانوں بالخصوص کیڈٹوں کو منتخب کرتے وقت ان کے دینی و نظریاتی پس منظر کا جائزہ لیا جائے اور ان کی اہلیت کو پرکھنے کا ایسا نظام بنایا جائے جس سے ان کے ایمان کی پختگی، اعمال صالحہ سے لگن، اسلامی تعلیمات کا ادراک، نظریہ پاکستان سے وابستگی اور اخلاق حسنہ کے اہتمام کا صحیح اندازہ ہو سکے اور ماہر آدمیوں کو ان کے انتخاب پر لگایا جائے کیونکہ "ان کل صانعہ هوا علم بصنعته"[52] کہ "ہر صانع ہی اپنی صنعت کو بہتر طور پر جانتا ہے۔"

7- خطباء کی تدریسی ذمہ داریوں کو منظم کرنا:

افواج میں فضائیہ کی طرح خطیب صاحبان کی مندرجہ ذیل ذمہ داریوں کو منظم کیا جائے۔

الف۔ بعد از نماز مغرب درس قرآن

ب۔ بچوں کی ناظرہ تعلیم

ج۔ تجوید و حفظ کے انتظامات

تاکہ وہ وظیفہ نبوت کو اور بہتر طور پر آگے بڑھا سکیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

و یعلمهم الکتٰب والحکمة۔[53]

---

[51] علی المتقی الهندی، کنز العمال، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 8/210

[52] ابن الجوزی، عبدالرحمٰن بن علی بن محمد، مناقب عمر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1982ء، ص 118

[53] القرآن - 2:129

"کہ وہ (نبی) انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں"

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے: انما بعثت معلما۔[1] "یقیناً میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہو"

8- دینی تربیتی ریکارڈ کو منضبط کرنا:

دینی تربیتی کاوشوں کا پورا ریکارڈ محفوظ کیا جائے اس میدان میں پیش رفت کے نتائج کو افواج پاکستان میں نیچے کی ہر سطح پر منضبط کیا جائے اور مرکزی جگہ پر یعنی افواج کے ہیڈ کوارٹرز میں محفوظ کیا جائے، اس کا تجزیہ کیا جائے اور اس کی روشنی میں ہر سال مستقبل کی منصوبہ بندی کو مزید سودمند بنایا جائے۔ اس سے اس حکم ربانی پر بھی عمل ہو جائے گا جس میں فرمایا: یایها الذین آمنوا لا تخونوا اللّٰه والرسول و تخونوا امنٰتکم وانتم تعلمون[2] کہ اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کے معاملہ میں اور اپنی امانتوں میں جانتے بوجھتے ہوئے خیانت مت کرو۔

9- امیر عساکر کا امامت کے فرائض ادا کرنا:

اسلامی تعلیمات کے مطابق امیر سپاہ خود نماز کی امامت کرائے، القران اور قائدین کو نماز با جماعت پڑھانے کی تربیت دی جائے اور یہ ضروری قرار دیا جائے کہ قائدین ہر جگہ امامت کے فرائض سرانجام دیں۔ کیونکہ عملی تربیت کے لئے قائد کا امام ہونا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

انی جاعلک للناس اماما"[3]

کہ "بے شک میں نے آپ کو لوگوں کے لئے امام بنا کر بھیجا ہے"

اور سپاہ کے ساتھ گھل مل جائیں تاکہ اسلامی اخوت کو رواج ملے اور مودت و محبت کی فضا میں عسکری جذبہ محرکہ کو مزید جلا ملے کیونکہ قائد کا خود عمل کر کے دکھانا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"صلوا کما رایتمونی اصلی"[4]

کہ "اس طرح سے نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"

10- قائد کا اپنے آپ کو بطور عملی نمونہ پیش کرنا:

سپہ سالاران کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کی عملی تصویر بن کر اپنی سپاہ کے سامنے پیش ہوں کیونکہ نبی

---

[1] علی المتقی الہندی، کنز العمال، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 5/2
[2] القرآن - 27:8
[3] القرآن - 124:2
[4] البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسن، السنن الکبریٰ، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، الطبعہ 1355ھ، 210/1

اکرم ﷺ خود اپنے پیروکاروں کے لئے نمونہ ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ"[51]

"بے شک نبی علیہ السلام کی ذات تمہارے لئے بہترین نمونہ زندگی ہے"

اصلح الرجال للحرب الرجل المجرب الشجاع الناصح[52]

"مردان جنگ میں سے سب سے بہتر وہ آدمی ہے جو تجربہ کار، بہادر اور نصیحت کرنے والا ہو" نیز مشیران دینی امور کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ دینی تربیت کی منصوبہ بندی کو مزید جامع اور عملی نوعیت پر حاوی بنائیں تاکہ سپاہ کے اندر دین اسلام کو اختیار کرنے کا عمل خاطر خواہ رفتار سے آگے بڑھے۔

11- سپاہ کے مسائل کا بروقت حل:

کسی موثر طریقے سے قائدین کو جوانوں کے مسائل بروقت حل کرنے کا احساس دلایا جائے جوانوں کے کھانے پینے، لباس، رہائش اور تعلیم و علاج کی سہولتیں بروقت اور معیاری ہوں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے چار ماہ کے بعد لازمی طور پر مجاہد کو چھٹی بھجوانے کا حکم جاری کیا تھا نیز مجاہد کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لئے اسلام نے جس عظیم اجر کی بشارت دی ہے اس کا اعادہ کیا جائے۔ اس کاوش کو پیشہ ورانہ تربیت کا جزو بنایا جائے تاکہ نہ صرف قائدین عنداللہ ماجور ہوں بلکہ ان کی زیر کمان سپاہ زیادہ دلجمعی اور بے فکری سے اپنے فرائض انجام دے اور اعلیٰ عسکری نتائج کے حصول کے لئے فضا سازگار ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بارے میں واضح تعلیمات دی ہیں جیسا کہ فرمایا

بشروا و لا تنفروا و یسروا و لا تعسروا"[53] کہ خوشخبری دو، نفرت نہ پھیلاؤ آسانی پیدا کرو اور تکلیف کا سامان نہ بنو مزید فرمایا: "ومن ولی من امر امتی شیأ، فرفق بہم فارفق بہ"[54] کہ جس کسی کو میری امت میں سے امیر بنایا گیا اور اس نے نرمی کا معاملہ کیا تو اس کے ساتھ بھی نرمی ہی کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اسلامی تعلیمات میں سے ہے۔ یجب علی القائد العمل علی سد احتیاجات و متطلبات الجند من الزاد والعلوفۃ و نحوھا لکی تسکن نفوسھم عن طلبھا ولیکون ھمھم منازلۃ العدو و مقارعتہ فیکفیھم عن الاشتغال بالتجارۃ والزراعۃ والسعی فی طلب الرزق[55]

---

[51] القرآن۔ 33:21

[52] ابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم، عیون الاخبار، دار الکتاب العربی، بیروت، 1/155

[53] مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، نعمانی کتب خانہ، لاہور، 5/4

[54] نفس المصدر، 5/118 [55] ابو یعلی، محمد بن حسین الفراء الحنبلی، الاحکام السلطانیہ، مصر، ص 43، 44

12- بری فوج کے دینی امور کے افسران کا متفرق کارروائیوں میں بھرپور شرکت کرنا:

فضائیہ کے موٹیویشن اور ریلیجس ڈائریکٹوریٹ کے جن افسران نے ایئر فورس میں کام کیا ہے۔ انہوں نے فضائیہ کے افسران کے آزاد ماحول کو گہری نظر سے دیکھا اور ان میں گھل مل کر کام کرنے کی ترکیب اختیار کی۔ پچھلے پہر کی غیر رسمی مجالس اور کھیل کے میدان میں ان کے ساتھ باہم شرکت نے فضائیہ کے افسران کے دین کے بارے میں حجاب کو رفع کر دیا اور اس کھلے ماحول میں کام کرنے کے بہتر نتائج نکلے۔

بحری اور بری افواج کے شعبہ دینی امور کے افسران بھی اگر اپنے آپ کو اسی طرح کھلے ماحول میں لے آئیں تو مثبت نتائج نکلیں گے۔ یونٹ کے دینی معلمین بھی اگر اس ترتیب کو اختیار کرتے ہوئے یونٹ کے سردار صاحبان اور جوانوں کے ساتھ ان کی میسوں اور لائنوں میں گھل مل کر رہیں تو دینی تربیت کی راہیں کھلتی رہیں گی۔

بحریہ اور فضائیہ میں جمعہ کے خطبہ کے عنوان قبل از وقت بتا دیئے جاتے ہیں اور کچھ اشارات بھی بھجوائے جاتے ہیں اس سے نہ صرف یکسانیت رہتی ہے بلکہ موقع محل کے مطابق ضروری عنوانات پر دینی احکامات سپاہ کے سامنے آجاتے ہیں اور سال بھر کے بعد تمام متعلقہ امور پر اسلامی تعلیمات کا اعادہ ہو جاتا ہے بری فوج میں بھی اس سلسلہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ تاکہ نہ صرف جامعیت رہے بلکہ یکسانیت اور افادیت بھی حاصل ہوتی رہے بری فوج کا دائرہ وسیع ہونے کی بناء پر اسے کور ہیڈ کوارٹر یا ڈویژن ہیڈ کوارٹر سے منظم کیا جا سکتا ہے۔

فضائیہ کے مختلف مراکز (Bases) پر بچوں اور بچیوں کے لئے حفظ قرآن کے مکاتب شروع کئے گئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ بالغوں کے لئے بھی حفظ اور ترجمہ کی سہولت مہیا کی گئی ہے۔ بری فوج میں صرف لاہور میں ایک ڈویژن میں بالغوں کے لئے حفظ کا انتظام موجود ہے یہ سہولت تینوں افواج کی تمام چھاؤنیوں اور مراکز میں مہیا کرنی چاہئے اور سویلین قراء اور حفاظ متعین کئے جائیں تاکہ تسلسل رہے۔ بچیوں کے لئے خاتون قاریہ حافظہ کو متعین کیا جائے جیسا کہ بحریہ کے کارساز اور الشفاء میں اور فضائیہ کے مراکز لاہور، سرگودھا، چک لالہ اور کامرہ میں کیا جا رہا ہے نیز ان کے لئے

سالانہ تقریبات، انعامات و اسناد کے تقسیم کی طرز پر بری اور بحری افواج میں بھی مشاغل شروع کیے جائیں۔

فضائیہ میں نماز مغرب کے بعد جاری روز مرہ دروس کو بحری اور بری فوج میں بھی رواج دیا جائے یعنی چار دن درس قرآن، ایک دن درس حدیث اور ایک دن درس فقہ۔

13- غازی یا شہید کا جذبہ زندہ کرنا:

جذبہ جہاد کو افواج پاکستان کے اندر زندہ کیا جائے اور واضح مقاصد کا تعین کیا جائے اور ان کے حصول کا تجزیہ کیا جائے۔ اور دو چیزوں کی تلقین کا مستقل التزام کیا جائے۔ ایک تو شہادت کے جذبہ کو زندہ کیا جائے اور اس ارشاد ربانی کی حقیقت کو دلوں میں بٹھایا جائے جس میں فرمایا: "ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء"[91] کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں۔

دوسرے زندہ بچ رہ جانیوالے غازیوں کو صبر اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کا عادی بنایا جائے اور اس روح کا ادراک کرنے کے قابل بنایا جائے جس کی راہنمائی ان الفاظ میں کی گئی ہے: "بلىٰ ان تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هذا"[92] کہ اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ کی فوری مدد تمہیں مل جائیگی۔

14- تینوں افواج کے شعبہ ہائے دینی امور کا باہمی استفادہ:

الف- مسجد لائبریریوں کی تنظیم نو:

مسجد لائبریری میں عمومی طور پر بڑی ضخیم کتابیں رکھی جاتی ہیں۔ جن کی زیادہ افادیت حوالہ جاتی اور علمی نوعیت کی وجہ سے دینی معلمین کے لئے ہوتی ہے۔ دینی معلمین چونکہ دیگر لائبریریوں سے اس طرح کا افادہ کر سکتے ہیں اس لئے تجویز ہے کہ مسجد لائبریری میں چھوٹی اور روز مرہ راہنمائی کے لئے کتب رکھنی چاہئیں جن سے نہ صرف کم پڑھے لکھے جوان استفادہ کر سکیں۔ بلکہ رہائشی علاقے کے بچے بھی اس سے علمی پیاس بجھا سکیں۔ اس مقصد کے لئے دینی امور کی طرف سے ایک فہرست جاری ہونی چاہئے۔

ب- نماز با جماعت کا قیام:

جی ایچ کیو کے ہدایت نامہ 1988ء کے تحت ظہر کی نماز با جماعت کا اہتمام ہر یونٹ کی ذمہ داری میں داخل ہے۔

---

[91] القرآن۔ 2 :154

[92] القرآن۔ 3 :125

اس کا اہتمام کیا جائے۔ ہر سطح کے قائدین اگر خود باجماعت کا اہتمام کریں گے تو زیر کمان فورس میں بھی باقاعدگی آئے گی۔ یونٹوں کے معائنہ کے موقع پر اس پہلو کا بنظر غائر مطالعہ کرنا چاہئے بلکہ خفیہ رپورٹوں کے ذریعے اس کا تجزیہ کیا جائے۔

ج۔ عملہ میں اضافہ:

بری فوج کی طرح فضائیہ اور بحریہ کے شعبہ امور کے عملہ میں اضافہ کیا جائے اور نچلی سطح پر بھی افسران کی تعداد کو بڑھایا جائے تاکہ افسران سے مل جل کر دینی تعلیمات کے نظام پر عملدرآمد کرایا جا سکے۔

د۔ لٹریچر کی تشکیل نو:

بری فوج کی شعبہ دینی امور نے سہ ماہی مجلہ "نشان منزل" کو کتابی شکل دے کر محفوظ کر لیا ہے۔ بحری اور فضائی فوج کی طرف سے آج تک جاری شدہ دینی اور نظریاتی تربیت پر مشتمل مواد کو کتابی شکل میں دے دیا جائے تاکہ نہ صرف یہ کاوش یکجا اور محفوظ ہو جائے بلکہ آئندہ کے لئے راہنمائی کی بنیاد بن سکے۔

ہ۔ عساکر کے بین الاقوامی مقابلہ ہائے حفظ و قرات:

فوج کے شعبہ دینی امور کے تحت عساکر کے بین الاقوامی مقابلہ ہائے حفظ و قرات کا اہتمام کیا جا رہا ہے اسے نہ صرف جاری رکھا جائے بلکہ اسے وسعت دے کر دیگر اسلامی ممالک تک پھیلایا جائے اور تینوں افواج کی نمائندگی کو وسیع کیا جائے۔ تاکہ قرآن مجید سے عساکر کے تعلق میں بھی اضافہ ہو اور اسلامی اخوت و مودت کے رشتے بھی اجاگر ہوں۔

و۔ حافظ قرآن کے لئے اعزاز:

حفظ قرآن کو ایک تعلیمی ڈگری تصور کیا جائے اور جوانوں کو ترقی اور مراعات دیتے وقت اسے باقی استعدادوں کے ساتھ مناسب وزن دیا جائے مثلاً تمغہ خدمت کے لئے دو نمبر جمع کئے جائیں اور حافظ کو سادہ سپاہی کی بجائے لانس نائیک کا رینک یعنی ایک درجہ اوپر دیا جائے۔

ز۔ دینی امور کے افسران کی تربیت:

موٹیویشن اور شعبہ ہائے دینی امور کے افسران سے اقوام عالم کے مذہبی نظریاتی اور قومی رجحانات پر مضمون لکھوائے جائیں تاکہ متعلقہ ممالک کی افواج کی نظریاتی تربیت کا تجزیہ اور تقابل سامنے آسکے اور اس کی روشنی میں ذمہ دار ارکان، افواج پاکستان کی تربیت کے لئے مناسب تجاویز دے سکیں۔

ح۔ مذہبی سکالرز کے لیکچرز:

بحریہ کے وار کالج لاہور میں اسلام پر لیکچر دینے کے لئے اسکالرز کو مدعو کیا جاتا ہے اختتام پر افسران اپنے اشکالات دور کرنے کے لئے گوناگوں سوالات کرتے ہیں یہ سلسلہ بڑا مفید رہتا ہے بری فوج کے کالجز میں بھی غیر متنازعہ مذہبی اسکالرز کو مدعو کرنا چاہئے۔

15- موجودہ نظام تربیت میں تجزیاتی کمی کو دور کرنے کے لئے تجاویز:

دینی تربیت کا بنیادی مقصد ایمان کی مضبوطی، اعمال کی پابندی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی ترویج ہے ان کے جانچنے کے لئے کوئی ناپ تول کا پیمانہ شاید تجویز نہ کیا جا سکے البتہ جو کاوشیں اس سمت میں کی گئیں اور جتنے عساکر نے ایسی تربیتی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ ان کی تعداد اور کارکردگی کا حساب ضرور رکھا جا سکتا ہے۔

شعبہ دینی امور نے اپنی ہدایات کے آخر میں فارم منسلک کیا ہے جس پر مختلف نوعیت کی تربیتی اطلاعات فراہم کرنے کے لئے خاکہ دیا گیا ہے اس کے تجزیہ سے دو امور توجہ طلب معلوم ہوتے ہیں۔

الف۔ مطلوبہ رپورٹ میں مختلف سطح کے دینی تربیتی کورسوں میں شرکت کرنے والے افراد کی تعداد پوچھی گئی ہے ان کی تربیت سے مرتب ہونے والے اثرات یا اس کا تجزیہ طلب نہیں کیا گیا۔

ب۔ جو معلومات اس رپورٹ کے تحت طلب کی جاتی ہیں جی ایچ کیو میں ان کو جامع انداز میں مرتب کرنا اور اس کا تجزیہ کرنا نیز اس کی روشنی میں سالانہ ہدایات جاری کرنے کا نظام مفقود ہے۔

لہذا یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ یونٹیں دینی تربیت کے عملی زندگی پر اثرات کا جائزہ بھی ہیڈ کوارٹرز کو بھجوایا کریں اور تینوں مسلح افواج کے ہیڈ کوارٹرز اس کی روشنی میں اور اپنے تجزیہ کی بنا پر مستقبل کے لئے ہر سال ایسی ہدایات

جاری کیا کریں کہ افواج میں دینی زندگی اختیار کرنے میں نمایاں پیش رفت نظر آئے۔

16- قائدین اور مشیران دینی امور کے لئے توجہ طلب امور:

افواج پاکستان کے ہر رکن بالخصوص قائدین اور مشیران دینی امور نے اس ضمن میں جاری شدہ احکامات کی تعمیل میں اپنی عسکریانہ شان کے مطابق عملدرآمد کیا ہے اور کافی حد تک مطلوبہ تربیت کا انتظام کیا ہے البتہ بعض امور توجہ طلب ہیں۔

الف۔ قائدین کا اگرچہ بنیادی فریضہ اوپر سے آمدہ احکامات کی اپنی سپاہ پر تنفیذ ہے اور اس کے لئے اپنے نائبین کو ہی ذریعہ بناتے ہیں مگر دینی امور میں چونکہ تعلق براہ راست ہر فرد کے روز مرہ کے اعمال اور رویہ سے ہے۔ لہذا زیر کمان عساکر یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ ان کا کمانڈر بذات خود کس حد تک عامل ہے؟ عمومی جائزہ لینے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نماز باجماعت کی امامت ہو یا اس کی باجماعت ادائیگی اور اس طرح سادگی کی زندگی ہو یا دیگر ایسے اخلاقی رویے' قائدین کی کثیر تعداد ابھی تک نمایاں کردار ادا کرتی نظر نہیں آتی ضرورت اس امر کی ہے کہ قائدین اپنے ذاتی کردار سے دین اسلام کے تمام احکامات پر عمل درآمد کا عملی مظاہرہ کریں تاکہ اس سے سپاہ کی زندگی پر مزید بہتر اثرات مرتب ہوں۔

ب۔ دینی امور کے لئے جو مختلف مراکز میں مشیران مقرر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بھی اچھی خاصی تعداد عساکر کے ساتھ اختلاط اور اپنی ذات سے عملی نمونہ بننے میں اتنی فعال نظر نہیں آتی جتنی اس سے توقع تھی نیز ہیڈ کوارٹرز سے جاری کردہ ہدایات و احکامات کی تنفیذ میں مقامی سطح پر نئی سے نئی راہیں تلاش کرنے یا دینی ترجیحی اعمال میں خود استاد کا کردار ادا کرنے میں ایک گونہ تساہل سے کام لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں اپنے عمل کو اور زیادہ فعال اور بامقصد بنانا چاہئے۔ اسی طرح احتساب کا ایک مستقل نظام ہو جو مسئولین کی گرفت کر سکے تاکہ فکر مندی کے ساتھ دینی خدمات کو حتمی نتیجے تک پہنچایا جا سکے۔

نتائج بحث:

نظریاتی اعتبار سے اسلام سے مراد انسان کی طرف سے اپنے خالق و مالک کی کامل اور مکمل اطاعت و انقیاد یعنی Complete Submission ہے گویا بندہ اپنے آقا کے حضور میں سر تسلیم خم کئے ہوئے اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے مستعد کھڑا ہے۔ اسلام کے عقیدہ توحید و آخرت اور اس پر عمل درآمد کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں ایسا پاکباز معاشرہ وجود میں آیا کہ مسلمانوں کی صورت و سیرت دیکھ کر لوگ دل و جان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ نظریہ اسلام زندگی کے دونوں پہلوؤں یعنی مادی Physical اور غیر مادی Meta-Physical کا بیک وقت احاطہ کرتا ہے اس کی یہ جامعیت زندگی کو بامقصد بنا دیتی ہے جس سے امن و خیر خواہی جنم لیتی ہے اور ظلم و تعدی کے رجحانات رفع ہوتے ہیں۔

جہاد مسلم سپاہ کی تربیت گاہ ہے بلکہ ساری اسلامی زندگی اس محور کے گرد گھومتی ہے۔ جہاد سے مراد حق کی سربلندی، اس کی اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار کو گوارا کرنا ہے۔ مسلم حکومتوں کی جنگی کاروائیوں کا اصل مقصد عوام کی جانیں لینا نہیں بلکہ آئمہ کفر اور انقلاب دشمن طاقتوں کو کچلنا ہے۔ امت مسلمہ کے لئے ذلت اور ہزیمت سے چھٹکارا کی صرف ایک ہی سبیل ہے کہ وہ اس رہنمائی سے روشنی حاصل کرے جو کتاب سنت میں آئی ہے اور وہ صحابہ اور سلف صالحین کی سیرت سے بھی استفادہ کرے نیز مجاہد کی تیاری اسلامی اطوار پر ہونی چاہئے جس کی اساس ایک مضبوط اور راسخ عقیدہ پر ہو ورنہ امت مسلمہ کو کفر سے دب کر رہنا پڑے گا اور ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کسی اور قوم سے دین کی حفاظت کا کام لے لیں گے۔

برصغیر میں وارد ہونے والے مسلم عساکر نے اسلامی تعلیمات کا پورا اہتمام کیا۔ اعلاء کلمتہ اللہ اور مظلوموں کی داد رسی کو اپنا شعار بنایا جس سے برصغیر کے بت پرست اور مشرک معاشرہ پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ یہاں عقیدہ توحید کو نفوذ ملا۔ مساوات انسانی کے درس کے ساتھ ساتھ احترام نسواں کا تعارف ہوا اور یوں اسلام کی مضبوط بنیاد ڈل گئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا اور اسلام کے قدم پیچھے نہیں ہٹے بلکہ آگے ہی بڑھتے رہے۔

برصغیر کی دینی اور جہادی تحریکوں نے اسلام کو زندہ رکھا اور جذبہ جہاد کو جلا دی حتیٰ کہ یہی جذبہ تحریک آزادی کی

شکل میں رونما ہوا اور پاکستان پر منتج ہوا۔ آگے چل کر یہی جذبہ افواج پاکستان کے لئے رہنمائی کا باعث بنا اور عساکر پاکستان کے لئے مختلف محاذوں پر تقویت کا سامان بنا۔

آزادی کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے عساکر پاکستان کو بالخصوص اپنی توجہ کا مرکز بنایا لہٰذا چھاؤنیوں اور عسکری مراکز کی مختلف تقاریب میں اپنی تقاریر و خطابات کے ذریعے ان کی دینی اور نظریاتی تربیت کا اہتمام کیا۔ انہیں اسلام کا پیشہ ور سپاہی بننے اور پاکستان کے دفاع کے لئے ہمہ وقت مستعد رہنے کی تلقین کی۔

جنگ کشمیر، جنگ ستمبر اور 71ء کی جنگ نے پاکستانی سپاہ کی عملی تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا امیران عساکر نے اپنے اپنے احکامات میں سپاہ کو مادر وطن اور نظریہ پاکستان کے دفاع کے لئے خوب ابھارا۔

اسرائیلی سپاہ، مصری فوج اور افغان مجاہدین کی کامیاب عسکری کارروائیوں میں پاکستانی سپاہ کے لئے بے شمار نظریاتی اور تربیتی اسباق ہیں۔ انہیں اپنانے سے عساکر پاکستان، برصغیر میں اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں اور عالم میں عساکر اسلام کے ہراول دستہ کے طور پر اپنا مقام پیدا کر سکتے ہیں۔

اسلام کے تناظر میں عساکر پاکستان کے موجودہ نظام تربیت کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ان کی دینی اور نظریاتی تربیت کی بنیاد دین اسلام پر ہی رکھی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں دیئے گئے احکامات کی تعلیم اور نبی اکرم ﷺ کی اختیار کردہ عسکری پالیسی ہی ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اسلام کے زمانہ امن و زمانہ جنگ کے لئے دیئے گئے مفصل احکامات کو عسکری تربیت کا حصہ بنانا اشد ضروری ہے۔ مکمل ضابطہ حیات کے طور پر دین اسلام نے عسکری میدان میں جو تمام جزئیات کا احاطہ کیا ہے اسے پورے طور پر عساکر پاکستان کے مزاج کا حصہ بنانا مقصد کے حصول کے لئے لازمی ہے۔ جنگ کی قبل از وقت تیاری کے لئے زمانہ امن میں تمام طبقوں کو اپنے اپنے شعبوں میں فعال طور پر مستعدی اختیار کرنا کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے رباط فی سبیل اللہ کی روح کو زندہ کرنے اور ہر سپاہی کو بلکہ دفاع سے منسلک ہر فرد کو مستعد رکھنا تربیت کا بنیادی خاصہ ہے۔ اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے اس تیاری پر مرتب ہونے والے اجور اور فضائل کا تذکرہ ہر سطح پر ضروری ہے تاکہ ہر شعبے اور ہر میدان میں پوری تن دہی سے جہاد کی تیاری کی جا سکے۔

افواج پاکستان میں مساجد اور آئمہ مساجد کا انتظام شروع میں ہی قائم ہو گیا تھا رفتہ رفتہ مساجد، خطباء اور دینی لٹریچر

میں اضافہ ہوتا چلا گیا 1977ء میں شعبہ دینی امور کی شکل میں عساکر میں مستقل ادارہ بنا دیا گیا جسے دینی اور نظریاتی تربیت کی ذمہ داری دی گئی۔ اس ادارے کے تحت ہر سطح پر اس جہت میں پیش رفت ہوئی اور سپاہ کی تربیت کے لئے منظم طور پر کاروائی عمل میں لائی گئی۔

عربی زبان، علوم اسلامیہ کی تعلیم، عرب ممالک میں مبعوث ہونے والے عساکر اور وفود نیز حفظ و قرات کی تعلیم اور دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد میں اسلامی تربیتی کورسز جیسے اہم انتظامات کئے گئے۔ پاک فضائیہ اور پاک بحریہ نے اپنے اپنے ماحول کے مطابق کچھ خصوصی انتظامات بھی کئے۔ جنگوں میں اعلیٰ کارکردگی پر اعزازات و انعامات کی شکل میں بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔

افواج پاکستان کی تاریخ نہایت شاندار ہے۔ عساکر پاکستان ہمیشہ ایک طرف تو اپنے قائدین کی اطاعت میں ہر مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہے تو دوسری طرف عزت و انصاف کی نگہبانی میں جان تک کی بازی لگانے کے لئے مستعد رہے۔

برصغیر کی آزادی کے ساتھ ہی پاکستان کے حصے میں آنے والی مختصر سی فوج پر بھاری ذمہ داری آن پڑی۔ مہاجرین کے قافلوں کی حفاظت اور ان کی آباد کاری ایک بہت بڑا کام تھا۔ عساکر پاکستان ابھی تشکیل کے مراحل سے ہی گزر رہے تھے کہ کشمیر میں ہندوستان کی فوجیں داخل ہو گئیں۔ افواج پاکستان نے اپنے جذبہ جہاد کی بناء پر اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر مادر وطن کا خوب دفاع کیا۔ ستمبر 65 میں ہندوستان کے حملہ کے جواب میں افواج پاکستان کے تینوں مسلح شعبوں نے نہایت جرات اور پامردی سے دشمن کا مقابلہ کیا اور اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا یہ سب عساکر پاکستان کے مضبوط دینی اعتقادات اور فعال نظریاتی بنیاد کی وجہ سے ممکن ہوا عوام الناس اور علماء کرام نے عساکر کے ساتھ یکجان ہو کر مادر وطن کا دفاع کیا اس سے عساکر کی کارکردگی اور زیادہ مستحسن ہو گئی۔

71ء کی جنگ میں پاکستان کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ عساکر کی کارکردگی اپنی اپنی جگہ تسلی بخش رہی۔ 65ء میں بھارت کو اپنے مقاصد میں ناکامی ہوئی۔ 71ء میں اس نے نفسیاتی جنگ کا راستہ اختیار کیا اور میدان جنگ میں دوبارہ پنجہ آزمائی سے گریز کیا۔ بوجوہ پاکستان نفسیاتی جنگ میں ہار گیا۔ البتہ مغربی محاذ جنگ پر جہاں جہاں مقابلہ ہوا افواج پاکستان نے اپنی بہادری کا لوہا منوایا اور مشرقی محاذ پر بھی باوجود ناسازگار حالات کے جب تک حکم نہیں دیا گیا ہتھیار نہیں ڈالے۔

افواج پاکستان ملی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہیں اس لئے اس نے ملکی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قدرتی آفات میں فوراً ہم وطنوں کی حفاظت کے لئے پہنچے اور سماجی زندگی کے ہر شعبہ میں خدمات سرانجام دی ہیں خصوصاً مشکل گذار علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر کا کام کر کے مادرِ وطن کی ترقی میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ نیز صحت و تعلیم کے میدان میں بھی ان کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ افواج پاکستان کی پیشہ ورانہ صلاحیت کی بناء پر اقوام متحدہ نے اسے دیگر ممالک میں امن مشن کے لئے کئی بار متعین کیا اور ہر جگہ یہ مادرِ وطن کے لئے نیک نامی کا ذریعہ بنے۔

شعبہ ہائے دینی امور کی شکل میں تینوں مسلح افواج میں دینی اور نظریاتی تربیت کو مرتب کرنے کی کاوش نے مختلف جہتوں میں مثبت اثرات مرتب کئے۔ جوانوں سے لے کر قائدین تک تمام طبقوں کی دینی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ عربی زبان اور تجوید و قرات سے آشنائی ہوئی۔ اسلامی کتب اور لٹریچر سے تعارف ہوا۔ سعودی عرب اور دیگر ممالک میں جانے سے دینی اور ملی جذبات قوی ہوئے۔ مساجد کی تعمیر اور ان کے بہتر کردار نے دینی اعمال کو رواج دیا۔ مجموعی طور پر عساکر پاکستان کے اسلامی تشخص کو جلا ملی۔

عساکر پاکستان کے مروجہ نظام تربیت میں بہتری کے لئے تجاویز دیتے ہوئے ان پہلوؤں کا شروع میں اعادہ کیا گیا ہے جن سے اس نظام کو بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔ اولاً قرآن و سنت کی روشنی میں ان عوامل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو عساکر پاکستان کے جذبہ محرکہ پر مثبت اثرات مرتب کر سکتے ہیں اور پھر ان عوامل کا بھی ذکر کیا ہے جو ان پر منفی اثرات چھوڑنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ یوں گویا دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ عساکر پاکستان کے نظام تربیت کو بہتر بنانے کی تجاویز دینے سے قبل بنیادی طور پر مطلوبہ عناصر کا احاطہ کیا جا سکے۔ اور ان عوامل کو آئندہ بھی پیش نظر رکھا جا سکے۔

دوسرے مرحلے میں ایسے تمام اقدامات کی نشاندہی کی گئی ہے جن کا اختیار کرنا موثر تربیت کے لئے ضروری ہے، جن سے مجموعی طور پر عساکر پاکستان کے تمام طبقے اپنے لئے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور اس میدان میں میسر تمام بنیادوں کو موثر طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ نیز ہر فرد کو اپنی منزل کے بارے میں پوری آگاہی مل سکتی ہے۔

آخر میں افواج پاکستان کے تینوں شعبوں میں آج تک اٹھائے گئے اقدامات کا تجزیہ کرنے کے بعد ایسے گوشوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جن کی اصلاح اور بہتری سے دینی اور نظریاتی نظام کو مزید موثر بنایا جا سکتا ہے۔ جس کے نمایاں

پہلو یہ ہیں۔

(1) موجودہ نظام کو برقرار رکھا جائے اور پہلے سے جاری شدہ ہدایات پر ان کی تمام جزئیات کے ساتھ پورے اہتمام سے عملدرآمد کیا جائے۔

(2) پاکستان کی تینوں مسلح افواج کے شعبہ ہائے دینی تعلیمات کی تشکیل نو کر کے اس کی افرادی قوت میں اضافہ کیا جائے اور باصلاحیت افراد کی تقرری کی جائے نیز تحقیق کا شعبہ تشکیل دیا جائے۔

(3) سپاہ کے بڑے گروپوں میں عام افسران کی دینی تربیت کے علاوہ علمی استعداد والے ایک باعمل آفیسر کو متعین کیا جائے۔ چھوٹی یونٹوں میں رجمنٹل ٹیچرز کی تعیناتی یقینی بنائی جائے۔

(4) دینی اور نظریاتی اعتبار سے جاری کارروائیوں اور کاوشوں کا تجزیہ کر کے نتائج مرتب کئے جائیں اور تینوں مسلح افواج کے نظام تربیت کو مربوط کرنے کے لئے ایک مشترکہ ادارہ اور دینی اکیڈمی بنائی جائے۔

(5) توحید و رسالت کی تعلیم کو پختہ کرنے کے لئے نعرہ تکبیر کو رواج دیا جائے اور دینی لٹریچر نیز عربی زبان کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ درس قرآن کے ساتھ ساتھ درس حدیث اور تاریخ اسلام کے مطالعہ کا اہتمام کیا جائے۔

(6) نماز باجماعت کا ہر سطح پر اہتمام کیا جائے۔ فوجی مشاغل کے اوقات کے تعین میں نمازوں کے اوقات کا لحاظ رکھا جائے۔ قائدین کو اس امر پر تیار کیا جائے کہ امامت کے فرائض خود ادا کریں اور علم و عمل کے اعتبار سے سپاہ کے لئے نمونہ بنیں۔

(7) قائدین کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ سپاہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی روز مرہ ضروریات کو بروقت پورا کیا جائے اور ان کے مسائل کو احسن طریقہ سے حل کیا جائے تاکہ وہ یکسوئی سے مادر وطن کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

(8) اس میدان میں بہتری کے لئے قائدین اور مشیران دینی امور ہمہ وقت متفکر رہیں اور تمام کاوشوں کا تجزیہ کر کے اس میں مزید سدھار کے لئے کوشاں رہیں۔

(9) جن جہتوں میں مزید تحقیق کے لئے اشارہ کیا گیا ہے ان کی طرف توجہ دی جائے اور بعض افراد کو اس کام کے لئے مختص کیا جائے۔

(10) دیگر اسلامی ممالک کے ایسے شعبہ جات سے رابطہ رکھا جائے اور ان کی کاوشوں سے استفادہ کر کے پاکستان کے نظام دینی و نظریاتی تربیت کو مستقل طور پر بہتر بنانے کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔

اختتامیہ

پاکستانی افواج اپنے اسلامی تشخص کے ساتھ ساتھ جدید عسکری رنگ کے اعتبار سے برصغیر میں انگریزوں کی بنا کردہ سپاہ کا ہی تسلسل ہیں لہذا یہ شعبہ بھی دیگر اداروں کی طرح مغربی تہذیب کے لادینی تصورات اور طریق عمل سے متاثر رہا۔ مسلم سپاہ پر اپنے دین کے اثرات بھی کافی گہرے رہے البتہ عموی طور پر افواج کی نظریاتی تربیت کے لئے محض نفسیاتی حربوں کو بروئے کار لایا گیا۔ اسی طرح اسلحہ کی دوڑ نے پاک فوج کو منفی طور پر متاثر کیا۔ قرآنی احکام کی روشنی میں اگرچہ جدید وسائل اور ذرائع حربی کا حصول بھی ضروری ہے لیکن محض اس پر تکیہ کر لینا اسلامی جہاد کی روح کے سراسر منافی ہے۔ جذبہ ایمانی اور روح شہادت، مجاہدین اسلام کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ قرون وسطی کی اسلامی فتوحات کا سربستہ راز اسی امر پر شاہد ہے۔

مسلم افواج کے دینی اور نظریاتی نظام تربیت پر وطنیت پرستی نے بھی منفی اثرات ڈالے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ افواج پاکستان میں بین الاقوامی اسلامیت اور عالمگیر جذبہ اصلاح کی اصطلاحات اور ان کے تقاضوں اور مطالب کو فروغ دینے کے لئے تحقیقی کام کیا جائے اور مسلم سپاہ کے نظریاتی نظام تربیت کو صحیح اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لئے رہنمائی کی جائے اور اس کے لئے جدید طریقہ تحقیق کو اپنایا جائے۔

اسلامی موضوعات پر کام کرنے کا بنیادی مقصد تو جذبہ تسلیم و رضا ہوتا ہے۔ یہی مقصد راقم الحروف کے پیش نظر بھی تھا۔ اس کے علاوہ ایک طویل مدت تک عساکر پاکستان کے شعبہ تعلیم و تربیت سے منسلک ہونے کی وجہ سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ نئے تقاضوں اور نظریات جنگ کے ساتھ ساتھ اسلامی نظریہ اور تاریخ کی روشنی میں افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت کے دائرہ عمل کو واضح اور متعین کیا جائے انہی مقاصد

کے پیش نظر میں نے "افواج پاکستان کی دینی اور نظریاتی تربیت اور اس کا دائرہ عمل" کے نام سے ایک تحقیقی کاوش کی ابتدا کی۔ ابھی اس میدان میں کام کرنے کی کافی ضرورت ہے۔ موجودہ کاوش اس سمت میں پہلی کڑی کے طور پر کام دے سکتی ہے۔ اس عنوان پر تحقیق کرنے کا بڑا مقصد یہ تھا کہ عساکر اسلام جو ملت اسلامیہ کا ہراول دستہ رہے ہیں ان کے اس تاریخی کردار کو کیسے بحال کیا جاسکتا ہے اور اسلام کے پھیلانے کے لئے انہیں کیسے موثر ذریعہ کے طور پر تیار کیا جاسکتا ہے۔

اس تحقیق کے نتیجہ میں یہ امر محقق ہوگیا ہے کہ عساکر پاکستان کی تعلیم و تربیت میں جدید علوم اور ٹیکنالوجی اور مذہبی تعلیم کو باہم پیوستہ کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ ہر سپاہی باعمل مسلمان ہو اور فن حرب سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ بھی، تب وہ اپنے سے کئی گنا دشمن کو مغلوب کرنے کے اہل ہوں گے۔ قرآنی تعلیمات کا نہایت جامع پروگرام، قرآن فہمی نہایت ضروری ہے تاکہ ہر فرد اسلام کا سپاہی ہو۔ اسلامی کردار و فکر کو رائج کئے بغیر مسلمان کچھ بھی نہیں۔ شعائر اسلامی کو بحیثیت عسکری کلچر کلی طور پر نافذ کرنے کے لئے ہر سطح پر ڈسپلن کا جزو بنانا ہوگا اور قیادت کو اسلامی فکر و عمل کی ترویج کے لئے رول ماڈل بننا ہوگا۔ اس فکر و نہج کو اپنانے سے ملت اسلامیہ کے باقی عساکر بھی دنیا میں اسلام کے نفاذ کے لئے ہراول دستہ کا کام کرسکتے ہیں۔

اس موضوع پر مزید تحقیق سے نہ صرف اس سمت میں دیگر گوشوں کو اجاگر کیا جاسکے گا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عساکر اسلام بالخصوص افواج پاکستان کی تربیت کو مزید بہتر بنایا جاسکے گا۔ دوران تحقیق سوچ و بچار کے لئے جو نئی جہتیں سامنے آئی ہیں وہ اس طرح سے ہیں۔

(1) مروجہ نظام تعلیم کے عساکر کی نظریاتی تربیت پر اثرات۔

(2) دینی منظمین کا عساکر کی تربیت میں کردار۔

(3) پاکستانی معاشرہ اور دینی تربیتی اداروں کا عساکر کی تعلیم میں حصہ۔

(4) لٹریچر اور ذرائع ابلاغ کا عساکر کی تربیت میں کردار۔

(5) مسلم ممالک کی سپاہ کے مقاصد اور رویوں کا عساکر پاکستان پر اثر۔

(6) موجودہ حالات میں اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے عساکر پاکستان کا کردار۔

(7) عساکر پاکستان کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت کے ذریعے ملک و ملت کا دفاع۔

(8) اسلامی ممالک کے عساکر کے درمیان اتحاد و یگانگت کے ذریعے اعلاء کلمتہ اللہ کا حصول۔

(9) اسلامی ممالک کی موجودہ کمزوری کو قوت سے بدلنے کی سبیل اور اقوام عالم میں مسلمانوں کی عزت کے حصول کا راستہ۔

(10) اتحاد امہ مسلمہ میں عساکر کا کردار۔

اشاریہ

قرآنی آیات

احادیث

الف

س

ص

ط

ع

ف

ق

ک

ی

اسماء

اماکن

مصادر و مراجع

فہرست عربی کتب

القرآن المجید

(1) ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، 1978

(2) ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، المکتبة العربیة، لاہور، 1377ھ

(3) ابن الجوزی، امام عبدالرحمٰن علی بن محمد، الوفا باحوال المصطفیٰ، المکتبة النوریة الرضویة، لائل پور، 1970ء

(4) ابن الجوزی، امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد، مناقب عمر، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1982ء

(5) ابن تیمیة، شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، الفتاویٰ، مطبعة کردستان العلمیة، بغداد، 1329ھ

(6) ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، الاصابة فی تمییز الصحابة، مکتبة الکلیات الازہریة، القاہرة، 1325

(7) ابن حزم، ابو محمد بن علی بن احمد، کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل، مطبع دار المعرفة، بیروت، 1975ء

(8) ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، 1976ء

(9) ابن عبدربہ، شہاب الدین احمد، العقد الفرید، مطبعة لجنة التالیف والترجمة والنشر، القاہرة، 1346ھ

(10) ابن عساکر، علی بن الحسن بن ہبة اللّٰہ، تاریخ ابن عساکر، دار المسیرة، بیروت، 1329ھ

(11) ابن عساکر، علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ، تہذیب تاریخ دمشق کبیر، المہذب الشیخ عبدالقادر بدران، دارالمسیرۃ، بیروت، 1978ء

(12) ابن قتیبۃ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم، عیون الاخبار، دارالکتاب العربی، بیروت، 1960ء

(13) ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الفروسیۃ، دارالتراث العربی للطباعۃ والنشر، بیروت، 1972ء

(14) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ، المکتبۃ القدوسیہ لاہور، 1984ء

(15) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، السیرۃ النبویۃ فی التاریخ، دارالمعرفۃ، بیروت، 1976ء

(16) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1984ء

(17) ابن ماجۃ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، تحقیق محمد فواد الباقی، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، القاہرہ، 1373ھ

(18) ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1980ء

(19) ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1982ء

(20) ابوالحسن، علی ندوی، تصدیر الکتاب، حیاۃ الصحابۃ، محمد یوسف کاندھلوی، دارالمعرفۃ، بیروت، 1980ء

(21) ابو تمام، حبیب بن اوس الطائی، دیوان الحماسۃ، دارالقلم، بیروت، 1973ء

(22) ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، تحقیق محمد محی الدین، دارالمعرفۃ، بیروت، 1339ھ

(23) ابو یعلیٰ محمد بن الحسین، الفراء الحنبلی، الاحکام السلطانیة، مطبعة لجنة التالیف و الترجمة و النشر، القاهرہ، 1338ھ

(24) احسان حقی، تاریخ شبه الجزیرہ الهندیة الباکستانیه، موسسه الرسالة، بیروت، 1978ء

(25) احمد بن علی العباس، تقی الدین، خطط المقریزی، موسسة الحلبی و شرکاء، القاهرة، 1983ء

(26) احمد بن محمد بن حنبل، المسند، دارالمعارف، مصر، 1950ء

(27) احمد بن یعقوب جعفر المعروف بالیعقوبی، تاریخ یعقوبی، دار صادر، بیروت، 1985ء

(28) الاوزاعی، ابو عمر یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضله، دار ابن الجوزیة المملکة العربیة السعودیة، 1994ء

(29) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1974ء

(30) البلاذری، امام احمد بن یحیی بن جابر، فتوح البلدان و احکامها، دارالفکر، بیروت، 1992ء

(31) البیهقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، مطبع دائرة المعارف العثمانیة، حیدرآباد دکن، الهند، 1356ھ

(32) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، دار الاشاعت، کراچی، 1967ء

(33) النحلاوی، عبدالرحمٰن، اصول التربیة الاسلامیة و اسالیبها، دارالفکر، دمشق، 1979ء

(34) الدکتور ح هرتس، فی الفکر الیهودی، الحاخام الاکبر للامبراطوریة بریطانیة، دار

مجتبیٰ للطباعة والنشر، بیروت، 1979ء

(35) الدکتور حمید اللہ عبد القادر، استاذ ادارۃ العلوم اسلامیہ، مقالہ، مجلۃ الاضواء، مرکز الشیخ زاید الاسلامی، بجامعۃ پنجاب، لاہور، 1994ء

(36) الدکتور وھبہ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار مکتبہ الحیاۃ، بیروت، 1972ء

(37) الرازی، فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ، طہران، 1987ء

(38) الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن المفضل، المفردات، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1971ء

(39) السہیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، الروض الانف للسیرۃ النبویۃ لابن ہشام، المکتبۃ الفاروقیۃ، ملتان، 1977ء

(40) السیوطی، جلال الدین، الجامع الصغیر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، 1974ء

(41) الشافعی، محمد بن ادریس، الام، المکتبۃ العربیۃ، لاہور، 1955ء

(42) الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبع المدنی، القاہرہ، 1992ء

(43) الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایہ والدرایۃ من علم التفسیر، دار الفکر، بیروت، 1973ء

(44) الشہرستانی الامام ابو الفتح محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، دار المعرفۃ، المطبعۃ الادبیۃ، القاہرہ، 1317ھ

(45) الشیخ محمد خضری بک، اصول الفقہ، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر، 1965ء

(46) الطبری،ابو جعفرمحمدبن جریر،تاریخ الامم والملوک،دارالقلم،بیروت

(47) الغزالی،ابو حامدمحمدبن محمد،احیاء علوم الدین،دارالمعرفة،بیروت،1979ء

(48) القرطبی،محمد بن احمد،جامع احکام القرآن،داراحیاء التراث العربی،بیروت، 1979ء

(49) الکوفی،ابن اعثم ابو محمد احمد،کتاب الفتوح،دارالندوة الجدیدة،بیروت، 1972ء

(50) اللواء الرکن محمد جمال الدین علی محفوظ،الجانب العسکری من حیاة الرسول،العباس النظام العسکری،دولة القطر،1400

(51) الماوردی،امام ابو الحسن علی بن محمد،الاحکام السلطانیة،ادارۂ اسلامیات، لاہور،1988ء

(52) النسائی،احمدبن شعیب،السنن،دارلکتاب العربی،بیروت،1930ء

(53) الواقدی،محمدبن عمر،المغازی،دارالکتاب العربی،بیروت،1984ء

(54) الیاس انطون الیاس،القاموس العصری،کتاب السمن،المطبعة العصریة،القاهرة، 1962ء

(55) حسن ابراهیم،تاریخ الاسلام السیاسی والدینی والثقافی،مطبعة الحجاری، القاهرہ،1935ء

(56) دائرة المعارف العربیة،المطبعة البابی الحلبی،بیروت،1900ء

(57) سید قطب شهید،خصائص التصور الاسلامی و مقوماته،اسلامک بک پبلشرز، کویت،1982ء

(58) سیدقطب شهید،فی ظلال القرآن،داراحیاء التراث العربی،بیروت،1967ء

(59) عباس محمود العقاد،خالدبن ولید،دارالکتاب اللبنانی،بیروت،1984ء

(60) عباس محمود العقاد، عبقریۃ الصدیق، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، 1984ء

(61) عبداللہ بن قریح العقلاء، اعداد الجندی المسلم، اہدافہ واُسسہ، وزارۃ الدفاع والطیران، الریاض، 1993ء

(62) علامہ محمد طاہر، مجمع بحار الانوار، مطبع نول کشور، لکھنؤ، 1283ھ

(63) علامہ محمود آلوسی، تفسیر روح المعانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

(64) علی المتقی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، حیدر آباد، دکن، 1313ھ

(65) علی بن حامد ابی بکر الکوفی، چھچھنامہ فی التاریخ بلاد ھند، طبع حیدر آباد دکن، الہند، 1939ء

(66) عینی، ابو محمد احمد المصری، عمدۃ القاری، شرح صحیح البخاری، دار لکتب بیروت، 7/ 248

(67) غوستاف لوبون، حضارۃ العرب، المطبعۃ البابی الحلبی، بیروت، 1972ء

(68) قاضی جرجانی، تعریفات، سید شریف علی، مکتبۃ بیروت، لبنان، 1969ء

(69) محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابۃ، دار لمعرفہ، بیروت

(70) محمود شیت خطاب، الرسول القائد، دار المکتبۃ الحیاۃ النہضۃ، بغداد، 1960ء

(71) محمود شیت خطاب، القائد الفاروق، دار قتیبۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق، 1985ء

(72) مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دار المعرفۃ، بیروت، 1973ء

(73) میر معصوم بکری السندی، تاریخ المعصومی، طبع الہند، 1938ء

فہرست اردو کتب

(1) ابن بطوطہ، محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم، الطنجی، عجائب الاسفار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد

مترجم (مولوی محمد حسین) 1983ء، ص:62

(2) ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، کتاب التاریخ، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1967

(3) ابن قیم شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر، کتاب الروح، نفیس اکیڈمی، کراچی

(4) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تاریخ ابن کثیر، نفیس اکیڈمی، لاہور، 1966ء

(5) ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1382ھ

(6) ابن ہشام، عبدالملک، سیرت النبی ﷺ مترجم مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور،

(7) ابوالحسن، علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1987ء

(8) ابوالحسن، علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1979ء

(9) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 1387ھ

(10) ابو عمرو، منہاج الدین عثمان معروف بہ منہاج سراج، طبقات ناصری (مترجم) مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1975ء

(11) ابوالحسن، علی ندوی، سیرت احمد شہید، سعید اینڈ کمپنی، لاہور، 1958ء

(12) احسان الحق ڈار، میجر جنرل، سن حرب و فن سپہ گری، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1983ء

(13) احمد باشمیل، غزوہ احد، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1988ء

(14) احمد سعید، گفتار قائداعظم، قومی کمیشن برائے تحقیق و ثقافت، اسلام آباد، 1976ء

(15) احمد سلیم، اسلامی نظام، مسائل اور تجزیے، سلم احمد ٹرسٹ، کراچی، 1980ء

(16) ادارہ دینی تعلیمات پاک بحریہ، سرور کائنات کی جنگی حکمت عملی موجودہ حالات کی روشنی میں، 1988ء

(17) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1979ء

(18) ارل میڈ، جدید تزویرات کا بانی، میکاولی پر مضمون، پرنسٹن، مترجم اردو، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1902ء

(19) اسد سلیم شیخ، رسول اللہ ﷺ کی خارجی پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1991ء

(20) اسٹینلے لین پول، سلطان صلاح الدین ایوبی، مترجم مولوی عنایت اللہ المکتبہ العربیہ، لاہور، 1992ء

(21) اسلم راہی، طارق بن زیاد، مکتبہ القریش، لاہور، 1992ء

(22) اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، 1983ء

(23) اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1976ء

(24) آغا ابراہیم اکرم میجر جنرل، اللہ کی تلوار، نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، 1975ء

(25) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1961ء

(26) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، قرآن محل، کراچی، 1962ء

(27) الطاف گوہر، ایوب خان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1995ء

(28) السیوطی، علامہ جلال الدین، تاریخ الخلفاء، ذکر مناقب عمرؓ، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1982ء

(29) الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1984ء

(30) الناس ایم اے، سلطان صلاح الدین ایوبی، مکتبہ القریش، لاہور، 1993ء

(31) النسائی، احمد بن شعیب، السنن، مطبع المجتبائی، دہلی، 1959ء

(32) امام شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، مترجم عبد الرحمان کیلانی، مرکز تحقیق، دیال سنگھ لائبریری، لاہور 1988ء

(33) امیر افضل خان میجر، کلاسوز اور جنگ، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1980ء

(34) امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، ملک سنز، فیصل آباد، 1988ء

(35) امینہ غنی، رنگون والا فاؤنڈیشن، فضائل جہاد، بیت الحمد، کراچی، 1979

(36) اے ایس بخاری، پاکستان میں حکومت، سیاست اور نظریہ پاکستان، عزیز پبلشرز، لاہور، 1991ء

(37) برنی، آئی ایچ، مسلم چین، کفایت اکیڈمی، کراچی، 1988ء

(38) پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی، عبرت نامہ اندلس، مترجم مولوی عنایت اللہ دہلوی، مقبول اکیڈمی، لاہور

(39) ترابی، الیف الدین، تحریک آزادی کشمیر منزل بہ منزل، البدر پبلی کیشنز، لاہور، 1991ء

(40) جان فریکر مترجم لطیف احمد خان، جنگ پاکستان 1965ء کا فضائی معرکہ، الامین پبلی کیشنز، کراچی، 1979ء

(41) جی ایچ کیو، شعبہ دینی تعلیمات، اسلام کا ضابطہ اخلاق، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1985ء

(42) جی ایچ کیو، شعبہ دینی تعلیمات، آئین سرفروشی، آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹریٹ، راولپنڈی، 1983ء

(43) جی ایچ کیو، شعبہ دینی تعلیمات، دفاع اور جنگی تیاری کا اسلامی تصور، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1988ء

(44) جی ایچ کیو، شعبہ دینی تعلیمات، غازی اور شہید، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1988ء

(45) جی ایچ کیو، ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ، راہنمائے قیادت، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1978ء

(46) حبیب اللہ مختار، سنت نبویہ اور قرآن کریم، مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی، 1980ء

(47) حمید اللہ محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، اسلام آباد، 1990ء

(48) حمید اللہ محمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1982ء

(49) خالد محمود، رن کچھ سے چونڈہ تک، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1983ء

(50) خلیل احمد حامدی، بوسنیا، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، 1993ء

(51) خلیل احمد حامدی، ترکی قدیم و جدید، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1980ء

(52) خلیل احمد حامدی، جہاد اسلامی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1984ء

(53) خورشید احمد، (مرتب) چراغ راہ، نظریہ پاکستان نمبر، کراچی، 1960ء

(54) خیر الدین صدیقی، صلاح الدین ایوبی، ایم ایچ سعید اینڈ کمپنی، کراچی، 1979ء

(55) ڈاکٹر رؤف اقبال، عہد نبوی ﷺ کے غزوات و سرایا، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1988ء

(56) ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی، اسلام کا نظام تعلیم (تحقیقی مقالہ)، کاروان ادب، لاہور، 1993ء

(57) ڈاکٹر محمد اقبال، بانگ درا، آرمی سروسز بک کلب، راولپنڈی، 1995ء

(58) ڈاکٹر محمد اقبال، پیام مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1990ء

(59) رفیق ڈوگر، آپریشن سیاچن، جنگ پبلشرز، لاہور، 1991ء

(60) زاہد حسین انجم، 6 ستمبر 1965ء تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1990ء

(61) زاہد ملک، سقوط ڈھاکہ، مکتبہ سلیم، کراچی، 1972ء

(62) سعید راشد، جرأتوں کے نشان، بک کارنر، جہلم، 1985ء

(63) سلمان حسین خان، اسلام جدید دور میں، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1980ء

(64) سلمان منصور پوری محمد سلیمان، رحمۃ العالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1912ء

(65) سندھی عبدالواحد، اسلام کے مشہور امیر البحر، فیروز سنز، لاہور، 1948ء

(66) سید اسعد گیلانی، اسلامی تہذیب واقدار، فیروز سنز، لاہور، 1991ء

(67) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ آرمی بک کلب، راولپنڈی، 1959ء

(68) سید قطب شہید، اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول، اسلامک بک پبلشرز، کویت، 1981ء

(69) سید واجد رضوی، ذوق جہاد، القلم، اسلام آباد، 1995ء

(70) شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، آرمی بک کلب، راولپنڈی، 1979ء

(71) شبلی نعمانی، علامہ، الغزالی، ثناء اللہ پبلشرز، لاہور

(72) شبیر احمد، تعلیم کی کہانی، کفایت اکیڈمی، کراچی، 1974ء

(73) شبیر احمد، تفسیر القرآن الحکیم، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، مکہ المکرمہ، 1989ء

(74) شریف فاروق، پاکستان میدان جنگ میں، بساط ادب، لاہور، 1969ء

(75) شریعتی، ڈاکٹر، اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار (مترجم)، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1980ء

(76) شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1984ء

(77) شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1990ء

(78) صدر الدین اصلاحی، اسلام ایک نظر میں، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1983ء

(79) صدر الدین اصلاحی، معرکہ اسلام اور جاہلیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1990ء

(80) عبدالحمید احمد ابو سلیمان، اسلام اور بین الاقوامی تعلقات منظر اور پس منظر، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، 1989ء

(81) عبدالصبور طارق، عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1989ء

(82) عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر القرآن، تاج کمپنی، لاہور

(83) عروہ بن زبیر، مغازی رسول اللہ ﷺ مترجم محمد سعید الرحمٰن علوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

(84) غلام رسول مہر، اسلام اور قانون صلح و جنگ، مکتبہ معین ادب، لاہور، 1959ء

(85) فاروق تونسوی، مطالعہ پاکستان، عظیم اکیڈمی، لاہور

(86) قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت امویہ اور ہندوستان، فکر و نظر پبلی کیشنز، سکھر، سندھ، 1986ء

(87) گلزار احمد بریگیڈیر، دفاع پاکستان کی لازوال داستان، سول اینڈ ملٹری پریس، کراچی، 1968ء

(88) گلزار احمد بریگیڈیر، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1982ء

(89) لیفٹیننٹ کرنل (ر) غلام جیلانی خان، انفنٹری ملکہ جنگ، دوست پبلی کیشنز، 1990ء

(90) مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی، الموطا، کتب خانہ دار الاشاعت، کراچی

(91) محمد ابو القاسم الہندی المعروف بفرشتہ، تاریخ فرشتہ، طبع بمبئی، بالہند، 1832ء

(92) محمد احمد باشمیل، غزوہ حنین، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1979ء

(93) محمد جعفر تھانیسری، سوانح احمدی، بلال پریس، انبالہ، الہند

(94) محمد حسین ہیکل، عمر فاروق اعظم، مکتبہ جدید، لاہور، 1959ء

(95) محمد حنیف ندوی، افکار ابن خلدون، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1984ء

(96) محمد خضری بک، اصول الفقہ، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر، 1965ء

(97) محمد سعید حکیم (مرتب)، نظریہ فلسفہ اسلامی، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، 1984ء

(98) محمد سلیمان فرخ، کربلا سے بالاکوٹ تک، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور

(99) محمد علی چوہدری، ظہور پاکستان، مکتبہ کاروان ادب، لاہور، 1970ء

(100) محمد قطب، اسلام کا نظام تربیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1980ء

(101) محمود شیت خطاب، آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

(102) مرزا سرفراز حسین، تصور پاکستان سے قرارداد پاکستان تک، پاکستان سٹڈی سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 1983ء

(103) مرزا محمد مظفر، تحریک پاکستان اور آئین پاکستان، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

(104) مریم جمیلہ، اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، مکتبہ یوسفیہ، لاہور، 1986ء

(105) مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، اصح المطابع، کراچی، 1956ء

(106) مظہر الدین صدیقی محمد، اشتراکیت اور نظام اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1987ء

(107) مفتی محمد شفیع، رسالہ جہاد، ادارۃ المعارف، دار العلوم، کراچی

(108) مفتی محمد شفیع معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی 1987ء

(109) مناظر احسن گیلانی، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

(110) منور محمد پروفیسر، تحریک پاکستان تاریخ خدوخال، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر، لاہور، 1992ء

(111) مودودی، ابو الاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، اسلامک پبلی کیشنز، کراچی، 1967ء

(112) مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1972ء

(113) میجر جنرل (ر) فضل مقیم خان، پاکستان کا المیہ، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1971ء

(114) میجر جنرل (ر) فضل مقیم خان، تگ و تاز جاودانہ، پاک فوج کی کہانی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1967ء

(115) میجر جنرل (ر) محمد اکبر خان، ہمارا دفاع، فیروز سنز لیمٹڈ، 1963ء

(116) میجر جنرل (ر) محمد امراؤ خان، ایک جرنیل کی سرگزشت، فیروز سنز، لاہور

(117) میجر (ر) شیخ غلام نصیر، وقت کی پکار ابھار ابھار، جنگ پبلشرز، لاہور، 1994ء

(118) میجر صولت رضا، مسلح افواج پاکستان قائد اعظم کی نظر میں، ہلال ج.240، شمارہ 20 اگست، 1987ء

(119) میجر محمد اجمعین، لانس نائیک محمد محفوظ شہید (نشان حیدر)، آرمی ایجوکیشن پریس، راولپنڈی، 1994ء

(120) ندوی، ابو الحسنات، ہندوستان کی قدیم درسگاہیں، اردو بازار الیکٹرک پریس، امرتسر، 1972ء

(121) نظریہ پاکستان اور نصابی کتب، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور، 1971ء

(122) نعیم صدیقی، محسن انسانیت اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1990ء

(123) وحید الزمان خان علامہ، لغات الحدیث، آرام باغ، کراچی، 1965ء

(124) ولیم ارسکن، ظہیر الدین بابر اور ان کا عہد، مترجم حسین انور، علمی پرنٹنگ پریس، لاہور، 1962ء

جرائد و مجلات

(1) اشراق، ماہنامہ المورد دانش گاہ معارف اسلامی، لاہور

(2) الایضاح، مجلہ مرکز الشیخ زائد الاسلامی، جامعہ پشاور

(3) البدر، مجلہ ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

(4) العلم، مجلہ ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

(5) المعارف، ماہنامہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

(6) الہلال، ہفت روزہ آئی ایس پی آر، راولپنڈی

(7) ایشیاء، ہفت روزہ، لاہور

(8) بیت المقدس، پندرہ روزہ، اسلام آباد

(9) تدریس، مجلہ کالج آف آرمی ایجوکیشن، اپر ٹوپہ، مری

(10) جہاد کشمیر، پندرہ روزہ، راولپنڈی

(11) دعوۃ، مجلہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

(12) سیارہ ڈائجسٹ، انبیاء کرام نمبر، لاہور، 1988ء

(13) سیارہ ڈائجسٹ، جہاد نمبر، لاہور، 1989ء

(14) سیارہ ڈائجسٹ، رسول ﷺ نمبر، لاہور، 1975ء

(15) سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، 1984ء

(16) فکر و نظر، سہ ماہی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

(17) میثاق، ماہنامہ، تنظیم اسلامی، لاہور

(18) نقوش، رسول ﷺ نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1982ء

(19) نشان منزل، (انتخاب) حافظ سبیل اللہ شعبہ دینی تعلیمات جی ایچ کیو، راولپنڈی، 1991ء

BIBLIOGRAPHY

1. Abidin Dr. Zakariah, Women In Jehad: Past, Present and Future. Qasral Ayni Medical College Cairo, Egypt 1988.
2. Adair John, Training of Decisions, Macdonald and Jane's, London, 1968.
3. Alan Unterman, Jews, Their Religious Beliefs and Practices, Routledge & Kegan Paul, London, 1981.
4. Allama Iqbal, Presidential Address Allahabad Session, 1945.
5. Allen Kenneth, Soldiers in Battle. Anthony Academic Publishers Group, Netherlands, 1982.
6. Army Educational Press, Quaid-i-Azam Speaks to the Defence Forces Centenary Year, 1976.
7. Bilal Abdul Rehman, Islamic Military Resurgence Army Education Press Rawalpindi, 1991.
8. Brig. (R) Abdul Rehman Siddiqui, Article in Daily, The Nation, Lahore, 1995
9. Brig. (R) Gulzar Ahmad, Defence of the World of Islam. Islamic Publications, Lahore.
10. Brig (R) Gulzar Ahmad, Muhammad and his Constitutional Charter. Institute of Islamic Culture, Rawalpindi, 1993.
11. Brig. (R) Gulzar Ahmad, The Prophet's Concept of War. Islamic Book Foundation, Lahore, 1986.
12. Brig. (R) Gulzar Ahmad, Totality of War in Islam, Soldiers Speak, GHQ, Rawalpindi.
13. Brig. (R) Javed Hassan, India, A Study in Profile, Services Book Club, Rawalpindi, 1990.
14. Brig. (R) S.K. Malik Khalid Bin Walid, The General of Islam Feroze Sons, Rawalpindi, 1968.
15. Brig. (R) S.K. Malik The Quranic Concept of War. Wajid Alis, Lahore 1979
16. Ch. Muhammad Ali, The Emergence of Pakistan. Columbia University Press, London, 1978.
17. Cohen Stephen P. The Pakistan Army, Oxford University Press, Karachi, 1992

18. College of Army Education Murree, Survey Report-1993, Trends of Religious Attitudes and Practices in the Army from 1976 to 1992.

19. Creasy Edwards S. History of the Ottoman Turks. Richard Bantley, London, 1978.

20. Daily De Jakarta, Article 9 September, 1965.

21. Dr. Noor-ul-Haq, Making of Pakistan, The Military Perspective, Army Education Press, 1995-96.

22. Edward Luttwork & Don Horonietz, The Israeli Army. London.

23. E.J. Brills, First Encyclopaedia of Islam 1913-1936, E.J. Brills, London, 1987.

24. F. Loraine Petre, Napoleon's Conquest of Prussia-1806, Arms & Armour Press, London, 1977, (Introduction).

25. GHQ, Military Training Directorate, Pakistan Army Green Book, Army Education Press, Rawalpindi, 1990.

26. GHQ, Psychilogical Operation Directorate, Motivation Training Programme in the Army, Central Army Press, 1985.

27. GHQ, Quiad-i-Azam Speaks to the Defence For-ces, Historical Section, Army Education Directorate, Army Education Press, Centenary Year, 1976.

28. GHQ, Tipu Sultan, Services Book Club, Rawalpindi.

29. Gibbon, Edward, The Decline and Fall of the Roman Empire, Horcoat Brace & Co., New York, 1960.

30. Gull Hassan, Lt Gen. (R), Memoires of Gen Gul Hassan, Oxford University Press, Karachi, 1993.

31. Govt. of Pakistan, Proceeding of Pakistan Educational Conference, Govt. of Pakistan Press, Karachi, 1947.

32. Grote, History of Greece, Oxford University Press, Karachi.

33. Hornby, Oxford Advanced Dictionary of Current English, Oxford University Press, Karachi.

34. HQ 10 Corps, Tameer-Kirdar (Laiha-e-Amal), Corps Press, Chaklala, 1992.

35. Inamul Haq, Islamic Motivation and National Defence, Vanguard, Lahore, 1991.

36. John Haynes, A Gentile's Survey of Zoinism Arno Press, New York, 1977.

37. John Warrington, Aristotle Metaphysics, Everyman's Library, New York, 1978.

38. Lodho, Mak: Secession of East Pakistan and 1971 War. Oxford University Press, Karachi.

39. Maj. Gen. (R) Abury, Red Newman, USA, Follow Me II, Services Book Club, Rawalpindi, GHQ.

40. Maj. Gen. (R) Fazal Muqueem Khan India Wins Freedom - The Other Side. Army Education Press, Rawalpindi.

41. Maj. Gen. (R) Muhammad Akbar Khan Rangrut, The Islamic Pattern of War. The Islamic Military Science Association Karachi, 1969.

42. Maj. Gen. (R) Shaukat Riza, The Pakistan Army 1966-71, Services Book Club, Rawalpindi, GHQ.

43. Maryam Jamilah, Islam in Theory and Practice, Muhammad Yusaf Khan & Sons, Lahore, 1986.

44. Muhammad Hussain Haikel, The Road to Ramadhan, Collins St. James Place, London, 1975.

45. Muray Robinstein & Richard Goldman, The Israeli Air Force Story, Arms & Armour Press, London, 1979.

46. New York Times, Article, 11 September, 1965.

47. Pakistan Military Academy, Kakul, Trainning Directive, Academy Press, Kakul 1990.

48. Pakistan Army, The Kashmir Campaign 1947-48. GHQ, Rawalpindi, 1968.

49. Quaid-e-Azam Mahomed Ali Jinnah, Speeches as Governor General of Pakistan, 1947-1948, Ferozsons Ltd., Karachi.

50. Sayings of Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah, Edited by Rizwan Ahmad, Pakistan Movement Research Centre Karachi, 1974.

51. Shami, Perwaiz, Education in Search of Fundamentals, Services Book Club GHQ, Rawalpindi, 1989.

52. Sharners, Encyclopaedia of Islam.

53. Shaukat Riza Maj. Gen. (R), India Pak War - 1965, Army Education Press, GHQ, Rawalpindi, 1990.

54. S.L.A. Marshal, Men Against Fire, Oxford Univeristy Press, Karachi.

55. B.H. Liddel Hart Strategy, The Indirect Approach, Fabre and Fabre, London.

56. Sunday Times, London, Article 12 September, 1995.

57. Syed Ameer Ali, A Short History of the Saracens, Oxford University Press, Karachi.

58. World University Encyclopaedia.

59. W.W. Hunter, The Indian Musalman, Oxford University Press Karachi, 1971.

JOURNALS

1. Al-Adwa' Biennial, Sh. Zayed Islamic Centre, Lahore.
2. Economist, Pakistan & Gulf Weekly, Islamabad.
3. Iqra'a, Command and Staff College, Quetta.
4. Islamic Science, Biennial, MAAS, Aligarh.
5. Islamic Periodica, Quarterly, The Islamic Academy, Cambridge, UK.
6. Islamics, Quarterly, Sh. Zayed Islamic Centre, Karachi.
7. Mahjubah, Monthly, Islamic Thought Foundation, Tehran, Iran.
8. Military Review, Monthly, USA.
9. Muslim Education, Quarterly, The Islamic Academy, Cambridge, UK.
10. NDC Journal, National Defence College, Rawalpindi.
11. Pakistan Defence Review, GHQ, Rawalpindi.
12. Renaissance, Monthly, Al-Maured Institute of Islamic Research and Education, Lahore.
13. Research Journal, Sh. Zayed Islamic Centre, Peshawar.
14. Science & Technology in the Islamic World, Quarterly, Islamabad.
15. The American Journal of Islamic Social Sciences, Quarterly, The International Institute of Islamic Thought, Islamabad.
16. The Citadel, Command and Staff College, Quetta.
17. The Muslim World, Weekly, Karachi.
18. Yaqeen International, Fortnightly, Darut Tasneef (Pvt.) Ltd. Karachi.